إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً

(سورہ الاحزاب ۳۳)

(پیغمبر کے) ''اہل البیتؑ خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم کو (ہر طرح کی) برائی سے دور رکھے اور جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے ویسا پاک و پاکیزہ رکھے''۔

(ترجمہ مولوی فرمان علی)

اہل البیتؑ

آدیم نقوی

www.khrooj.com

تصنیف ادیبؔ نقوی (مرحوم)

کتاب اہل البیتؑ

سن اشاعت 2017

پرنٹرز فدک پرنٹنگ پریس لاہور

پبلشرز القائم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی

کمرہ نمبر 11 اے اینڈ کے چیمبرز 14 ویسٹ اینڈ وہارف روڈ

کراچی نمبر 2 پوسٹ کوڈ 74000 پاکستان

فون نمبر 3220537,2311979,2311482

Email: klbehaider@yahoo.com

ISBN-969-8809-

www.khrooj.com

حصہ اول

() اہل البیتؑ کی تعلیم (اصل دین) معرفت نفس ہے ۱
() علماء متکلمین معرفت نفس کو محال سمجھتے ہیں ۳
() بوجہ عدم معرفت متکلمین دہریوں کے اعتراضات کے جواب نہیں دے سکتے ۵
() نیابت امام کی سند ۸
() عقائد متشابہ کے درمیان تمیز کا انحصار معرفت نفس پر ہے ۱۱
() علماء عارفین کے خلاف متکلمین کی محاذ آرائی ۲۰
() متکلمین کی نظر میں معصومینؑ ۲۹

حصہ دوم

۳۶
() علماء کے درمیان اختلاف کے اسباب ۳۷
() عقل سے کام لینے اور احادیث مبنی بر حقیقت کی جستجو کی ضرورت ۴۵
() کتابِ نفس ۔ اعمالنامہ ۴۸
() راویان احادیث کی منزل معرفت ۵۳
() تقیہ اور اس کے وجوب کا سبب ۶۲
() قرآن اور احادیث کی روشنی میں منزلِ ولایت و امامت ۷۰
() علم الکلام ۔ چند ذرائع معرفتِ نفس ۷۹
() تعلیم معصومینؑ کی روشنی میں متکلمین کا نظریہ ۸۰
() متکلمین کا نظریہ نبوت ۹۴

www.khrooj.com

()	متکلمین کی نظر میں امامت	۱۱۵
()	قرآن واحادیث کی رو سے اہل البیتؑ	۱۲۰
()	علم الکلام پر مزید روشنی	۱۳۴
	حصہ سوم	۱۵۰
()	ختم قلوب۔ دلوں اور کانوں پر مہر	۱۵۱
()	نامہ اعمال کے متعلق آیات	۱۵۶
()	اعمال ومیزان کے متعلق آیات	۱۶۸
()	شہاب ثاقب	۱۸۵
()	کوثر کے متعلق آیات واحادیث	۱۸۹
()	طوبیٰ کے متعلق آیات واحادیث	۱۹۷
()	شب قدر میں بیت المعمور پر نزول قرآن	۲۰۴
()	اطمینانِ قلب واضطرار	۲۱۱
()	خوف وحزن کے متعلق آیات وحدیث	۲۲۱
()	علم کے متعلق آیات واحادیث	۲۴۰
()	حضرت آدمؑ کا شجرِ ممنوعہ سے پھل کھانا	۲۶۴
()	اہل البیتؑ	۳۰۰
()	القائم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی کی مطبوعات	۳۲۲

www.khrooj.com

کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی
گیا دورِ حدیثِ لن ترانی

www.khrooj.com

حصہ اوّل

( )اہل البیتؑ کی تعلیم (اصل دین) معرفت نفس ہے

( )علماء متکلمین معرفت نفس کو محال سمجھتے ہیں

( )بوجہ عدم معرفت متکلمین دہریوں کے اعتراضات کے جواب نہیں دے سکتے

( )نیابت امام کی سند

( )عقائد متشابہ کے درمیان تمیز کا انحصار معرفت نفس پر ہے

( )علماء عارفین کے خلاف متکلمین کی محاذ آرائی

( )متکلمین کی نظر میں معصومینؑ

www.khrooj.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عارف: ارے بھائی عزادار حسین صاحب۔ سلام علیکم!

عزادار: وعلیکم السلام کہیے کیسا مزاج ہے؟

عارف: الحمد للہ۔ بھائی ایک بات پوچھوں اگر برا نہ مانو۔

عزادار: کہیے کہیے۔ برا ماننے کی کونسی بات ہے۔

عارف: بازار میں اگر کسی دکاندار سے آپ پچیس پیسے کا سکہ لیتے ہیں تو کیا بغیر جانچے، بغیر دیکھے بھالے آپ اس کو جیب میں ڈال لیتے ہیں۔

عزادار: نہیں بھائی بغیر دیکھے بھالے کون لیتا ہے۔ ہر شخص یہ دیکھ لیتا ہے کہیں جعلی نہ ہو، کھوٹا نہ ہو۔ غرضیکہ دیکھ بھال کر ہی لیتا ہے میں تو خوب دیکھ بھال کر لیتا ہوں۔

عارف: تو کیا آپ کی نظر میں علوم اہل بیتؑ کی اتنی ہی قدر و منزلت ہے جتنی ایک پچیس پیسے کے سکے کی ہوتی ہے؟

عزادار: یہ کیا بیہودہ بکواس کرتے ہو۔ تمہیں بالکل تمیز نہیں رہی۔

عارف: جی ہاں میں بہت بدتمیز ہو گیا ہوں۔ نہایت بیہودہ ہوں مشکل یہ ہے کہ حق بہت کڑوا ہوتا ہے اور کڑوی شئے حلق سے اترا نہیں کرتی۔ قرآن میں تمام علوم موجود ہیں جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے "فیہ تبیان کُلّ شیء" اس میں ہر چیز کا بیان ہے اور اہل بیتؑ کا دعویٰ ہے کہ وہ علم ما کان وما یکون کے حامل ہیں اور قرآن کے ظاہر و باطن کا تمام علم ان کے پاس ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ علمائے کرام جو علم قرآن کو آستانہ اہل بیتؑ سے لینے کے مدعی ہیں، اپنی عمومی توجہ بیان مسائل فقہ

www.khrooj.com

ظاہری میں ہی صرف کرتے رہے اور ہمیں علم نفسیات کی طرف ضروری توجہ نہیں دلائی ۔ حالانکہ کلام اللہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد تزکیہ نفس مخلوق ہی بیان کیا گیا ہے اور اہل بیتؑ تزکیہ نفوس خلقت کا ذریعہ ہیں جناب باری تعالیٰ عزاسمہ جگہ جگہ ارشاد فرماتا ہے دیکھیں سورہ والشّمس وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا (قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اسے پورا کیا، پس الہام کردیں اس ساری برائیاں اور اس کی پرہیز گاری ۔ فلاح اس نے پائی جس نے اس کو پاک کیا، اسی طرح سورہ اعلیٰ میں ہے قَدْ أَفْلَحَ مَن تَزَكَّى (فلاح اس نے پائی جو پاک ہوا) إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى (یہی بات تو پہلی کتابوں میں تھی ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں میں) چونکہ رسولؐ کی بعثت کا مقصد وحید تزکیہ نفس انسان ہے اور سرکار ختمی مرتبت کی رسالت تا قیامت ہے کیونکہ آپ کے بعد کوئی مرسل نہیں آئے گا اور کار رسالت بعد رسولؐ اہل بیتؑ کے سپرد ہے لہٰذا اہل بیتؑ کی تعلیم کا مقصد اولیٰ بھی تزکیہ نفس ہی ہے اور یہی اصل دین اور عین اسلام ہے ۔

حضرت امام محمد باقرؑ نے ارشاد فرمایا '' خدا کی قسم اللہ کی بارگاہ میں کوئی بندہ مقرب نہیں ہوتا، لیکن طاعت کی وجہ سے، جو شخص مطیع ہے وہ ہی ہمارا محبّ ہے اور جو شخص خدا کا نافرمان ہے وہ ہی ہمارا دشمن ہے ...... (کتاب اعتقادیہ شیخ صدوق مطبوعہ مکتبہ امامیہ لاہور، صفحہ ۲۱۱ ۔ ۲۱۲)

پس اہل بیتؑ کا صحیح ماننے والا تو ضرور غور کرے گا، سوچے گا اور سمجھے گا کہ کس طرح تزکیہ نفس حاصل کرے ۔ جناب رب العزت تو جگہ جگہ ارشاد فرماتا ہے افلا

WWW.KHROOJ.COM

تَعقِلُونَ (کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے)اَفَلَا یَعقِلُونَ (کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے)۔

وَیَجعَلُ الرِّجسَ عَلَی الَّذِینَ لَا یَعقِلُون (اور اللہ نجاست ڈال دیتا ہے ان لوگوں پر جو عقل سے کام نہیں لیتے) پس جن پر خدا نجاست ڈال دے وہ تو مقصد بعثت رسالتمآبؐ (تزکیہ نفس) کو نظر انداز کر کے غفلت کا شکار ہو جائیں گے اور اس کی رحمت سے دور رہیں گے۔ ان کو خدا و آلؑ رسولؐ کی حب حقیقی نصیب نہ ہو گی۔

اب تو واضح ہو گیا کہ جس کے دل میں حب اہل بیتؑ ہو گی وہ ضرور عقل سے کام لے گا۔ اور سمجھ سکے گا کہ رسولؐ کی بعثت کا مقصد تزکیہ نفس انسان ہے اور اہل بیت کی تعلیم کا مقصد مقصود تزکیہ نفس ہی ہے تا کہ معرفت حاصل ہو سکے جس کا بیان آئمہ علیہم السلام کے بے شمار خطبات میں موجود ہے۔ نہج البلاغہ کا پہلا خطبہ ہی دیکھ لیں اَوَّلُ الدِّینِ مَعرِفَتُہُ ۔(دین میں سب سے پہلی چیز اس کی معرفت ہے)اور رسولؐ و آلؑ رسولؐ کی بہت سی احادیث میں ہے کہ اس کی معرفت نفس کی معرفت ہے جیسا کہ ارشاد ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا) کہیں فرمایا ''جو تم میں اپنے نفس کا زیادہ پہچاننے والا ہے وہ ہی خدا کا سب سے زیادہ پہچاننے والا ہے'' کہیں ارشاد ہے ''ایمان میں افضل وہی ہو گا جو معرفت میں افضل ہو گا'' (جامع الاخبار شیخ صدوق)

غرضکہ بہ کثرت آیات و احادیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ دین تو تمام کا تمام تزکیہ نفس و معرفت نفس ہی ہے۔ یہ سب کچھ سمجھ لینے کے بعد ہر وہ شخص جس پر خدا نے نجاست نہ ڈالی ہو گی، وہ تو ضرور عقل سے کام لیتے ہوئے سوچے گا کہ آئمہ اثنا عشر

www.khrooj.com

کے ماننے والے حضرات کی تصانیف میں خواہ تفاسیر ہوں یا تواریخ، کتب فقہ ہوں کہ کتب مناظرہ ہوں کیفیات نفس میں سے کسی ایک کیفیت کا ذکر واضح طور پر موجود نہیں۔ یہی حال ہماری مجالس کا ہے کہ وہاں کسی تقریر میں نفس کے ''ن'' کا بھی ذکر نہیں آتا۔ نفس و معرفت نفس کا تو ذکر ہی کیا بعض علماء کا خیال ہے کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ تعلیق الامر علی المحال ہے یعنی جس طرح خدا کی معرفت ناممکن ہے اسی طرح نفس کی معرفت بھی ناممکن ہے...... (احسن الفوائد فی شرح عقائد شیخ صدوق صفحہ ۱۸۹ سطر ۹۔۱۰) اسی کتاب کے صفحہ ۵۷ سطر آخر پر معرفت نفس کے متعلق تحریر ہے۔

''یہ امر حال سے تعلق رکھتا ہے نہ مقال سے'' تو کیا یہ اس امر کا اعتراف نہیں ہے کہ ہمارے مذہب کا تعلق صرف قال یعنی روایات سے ہے۔ حال یعنی کیفیات نفس کی معرفت اور ان کے ادراک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

پھر ''نہ مقال سے'' کے بعد تحریر ہے ''اس کے لئے علم اخلاق کی سیر کر کے تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کے عملی مظاہرے کی ضرورت ہے'' ناظرین غور فرمالیں کہ: علم الاخلاق جو خود ظنی و قیاسی مباحث پر مبنی ہے اس کی سیر کا معرفت نفس سے کیا تعلق ہوسکتا ہے کیا کلام پاک میں اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے فرمودات میں حصول معرفت کے طریقے نہیں بتلائے گئے ایسی صورت میں العیاذاً باللہ قرآن و اہل بیتؑ حصول معرفت یعنی دین حقیقی کی طرف ہدایت کے لئے کافی نہیں۔ ظاہر ہے کوئی مسلمان بھی اس بات کو درست تسلیم نہیں کرسکتا۔ اصل یہ ہے کہ صرف بے بصیرت لوگوں کو قرآن و احادیث اہل بیتؑ میں حصول معرفت کے ذرائع نظر نہیں آتے اور

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب بیشتر صاحبان علم دین کے سامنے دہریوں کے اعتراضات پیش کئے جاتے ہیں تو کانوں میں انگلیاں دے کر گھٹنوں پر سر جھکا کر بیٹھ جاتے ہیں اور کسی ایک اعتراض کا بھی معقول جواب ان حضرات سے نہیں بن پڑتا حالانکہ وہ علوم قرآن کو اہل بیتؑ سے لینے کے مدعی ہیں جنہوں نے دہریوں سے مناظرے کئے اور ان کو لاجواب کیا، ابطال دہریت کے لئے ان کے دلائل آج بھی کتب میں موجود ہیں۔

۱۹۴۲ء میں بندہ حقیر لاہور میں مقیم تھا۔ایک شناسا نے مجھے رسالہ نور کا ایک پرچہ دکھلایا۔ یہ رسالہ مراد آباد یوپی سے شائع ہوتا تھا اور یہ پرچہ غالباً دسمبر ۱۹۴۰ء کا تھا اس میں کسی شخص کا ایک مضمون شائع ہوا تھا جس کا عنوان تھا ''طوفان دہریت'' مضمون کا لب لباب یہ تھا کہ ''اس وقت دہریت کا بڑا منظّم پروپیگنڈا ہو رہا ہے۔ مخالفین مذہب اور دہریوں کے اعتراضات سے مذہب سے محبت رکھنے والے نوجوان پریشان رہتے ہیں۔ان کے عقائد ڈانواں ڈول ہونے لگتے ہیں۔اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مذہبی رسالوں میں ایک سلسلہ قائم کیا جائے جس میں وہ اعتراضات جو دہریوں کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں یا ایسے سوالات جو مشککین یا مخالفین مذہب پیش کرتے ہیں درج کئے جائیں اور ان کے معقول و مدلل جوابات شائع کئے جائیں مضمون نگار نے لکھا تھا کہ جو سوالات ان کے شناسا نوجوانوں کو بہکانے کے لئے کئے جارہے ہیں ان میں سے کچھ بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں تاکہ ان کے معقول و مسکت جوابات شائع ہوتے رہیں اور یہ سلسلہ قائم ہو جائے'' سوالات تو پورے صفحہ پر تھے تقریباً تیس سال کا عرصہ ہو گیا ہے

ان میں سے چند کا مفہوم جو ذہن میں محفوظ رہ گیا ہے درج ذیل ہے۔

۱...... مذہب شیعہ کے اصول دین وفروع دین کون سے امام نے متعین فرمائے ہیں ۔احادیث مع حوالہ درج فرمائی جائیں۔

۲...... مذہب شیعہ اثنا عشری کی توحید خدا کی آٹھ صفات ثبوتیہ اور آٹھ صفات سلبیہ کون سے امام کی تعلیم کردہ ہیں۔احادیث مع حوالے درج فرمائی جائیں۔

۳......کُلُّ مُتَغَیّر" حادث" یہ تمام عالم کا مسلمہ ہے کہ جس چیز میں تغیر ہوگا وہ ہمیشہ باقی نہیں رہ سکتی تو جنت میں جو کھانا پینا اور حوروں سے وصال ہوگا وہ بغیر تغیر کیونکر ممکن ہے بلکہ بغیر تغیر محال ہے پھر جنت ہمیشہ باقی رہنے والی کیسے ہوسکتی ہے؟

۴...... سزا کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مجرم بخوف اذیت پھر ارتکاب جرم نہ کرے اور سزائے موت دوسروں کی عبرت کے لئے بھی ہوتی ہے تو بتلائیں کہ جہنم کی سزائے ابدی کا کیا مقصد ہے۔ نہ پھر وہ دنیا میں آسکتے ہیں اور نہ کوئی دیکھ رہا ہے کہ عبرت حاصل کرے؟

۵...... خالق ومخلوق کا تعلق اس سے لاکھوں گنا زیادہ ہے جتنا کہ ماں کا اپنے بچے سے کیا ایک دوتین سال کے بچے کے کسی قصور پر کوئی ماں بچے کو جلتے توے پر بٹھا کر اس کے چیخنے چلانے اور تڑپنے کا تماشا دیکھ سکتی ہے، پھر جناب الرحم الرحمین سے ایسا عمل کیسے ہوسکتا ہے۔

۶...... بیماری کا سبب مادہ فاسد کا جسم میں جمع ہو جانا ہے جو اصول حفظان صحت سے ناواقفیت کی بنا پر ہوتا ہے پھر انبیاء وآئمہ علیہم السلام کے بیمار ہونے کا کیا سبب ہے؟

۷...... خدا نے رسولؐ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ان ازواج کو طلاق دے دیں تو خدا ان

WWW.KHROOJ.COM

کے بدلے نیکوکار مومنات، عابدات بیویاں رسولؐ کو عطا فرمائے گا مگر رسولؐ اللہ نے طلاق نہیں دی۔اس کا کیا سبب ہوسکتا ہے؟

جون ۴۲ء میں یہ رسالہ خواجگان نارووال میں سے ایک صاحب نے شیخ کرامت حسین صاحب قبلہ کی خدمت میں پیش کیا۔شیخ صاحب موصوف نے اس پرچہ سے سوالات نقل فرما کر مولوی محمد سبطین صاحب مرحوم کو لدھیانہ بھیجے اور لکھا کہ رسالہ نور ان کے پاس برابر آتا رہتا ہے پھر کیا سبب ہے کہ اگر کسی دوسرے رسالہ کی توجہ ان سوالات کی طرف نہ ہوئی تھی تو مولانا موصوف نے ان سوالات کے جواب اپنے رسالہ ''البرہان'' میں کیوں شائع نہ فرمائے نیز گزارش کی کہ ان سوالات کے جواب ضرور جلد شائع فرمائیں۔

تقریباً چھ ماہ تک کوئی جواب نہ آیا تو شیخ صاحب موصوف نے پھر تقاضا لکھا اور یہ بھی لکھا کہ اگر جوابات شائع نہ کئے گئے تو رسالہ کی اعانت بند کردی جائے گی تب کہیں جاکر پندرہ دن بعد جواب آیا کہ '' سوالات درج رجسٹر کر لئے گئے ہیں چونکہ سوالات بڑی کثرت سے آتے ہیں اور سب درج رجسٹر کرلئے جاتے ہیں پھر نمبر وار جواب شائع ہوتے ہیں ان سوالات کے جوابات بھی نمبر آنے پر شائع ہوں گے اس کے بعد حضرت علامہ کی حیات میں ان سوالات کا نمبر نہ آسکا افسوس۔

جب اثنا عشری حضرات دیگر فرق اسلامیہ کے افراد سے مذہب کے متعلق گفتگو کرتے ہیں اور دوسری جانب سے کوئی شخص کہتا ہے کہ بھائی مذہب میں عقل کو دخل نہیں تو اس پرچیں بہ جبیں ہوجاتے ہیں کہ جس مذہب میں عقل کو دخل نہ ہو وہ تو احمقوں اور بے عقلوں کا مذہب ہے مگر افسوس اپنے گریبان میں منہ ڈال کر نہیں

www.khrooj.com

دیکھتے آیا ہم بھی مذہب کے بارے میں عقل سے کام لیتے ہیں یا نہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ ہر حکومت اپنے ملک کے دارالعلوم و مدارس کے ہر درجے کے لئے درس و کتب معین و منظور کرتی ہے اور ہر حکومت کے لئے وہی سند قابل قبول ہوتی ہے جو اس حکومت کے معینہ اور منظور کردہ مضامین میں امتحان دے کر کامیاب ہونے کے بعد حکومت کی منظور کردہ یونیورسٹی یا اسکول سے حاصل کی گئی ہو۔

انصاف سے بتلایئے کیا اہل بیتؑ کی نیابت کے لئے ان کے منظور کردہ درس کی بھی ضرورت نہیں۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ مسائل فقہ کے لئے علماء کا اجتہاد کی سند کا قائم کرنا لازمی تھا اگر یہ درجہ قائم نہ کیا جاتا تو ہر شخص فقیہہ ہونے کا مدعی بن سکتا تھا مگر نیابت امام سے اس کا کوئی خاص تعلق نہیں۔

جب کلام اللہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جو عقل سے کام نہیں لیتے وہ رحمت ایزدی سے محروم رہتے ہیں۔تو لازم ہے کہ عقل سے کام لے کر قرآن کریم کے احکام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ دیکھیں جناب باری تعالیٰ عزاسمہ کا ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِیَ أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِی قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاء الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاء تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِی الْعِلْمِ...... (العمران ۷)

وہ وہی ذات اقدس ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی اس میں کچھ آیات محکم ہیں وہی اصل کتاب ہیں باقی سب متشابہ ہیں پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے پیروی کرتے ہیں اس کی جو اس میں متشابہ ہے تاکہ فتنہ پھیلائیں اور اپنے مطلب

WWW.KHROOJ.COM

کے مطابق تاویل کریں اور نہیں جانتا کوئی اس کی تاویل (حقیقت) مگر اللہ اور وہ لوگ جو علم میں راسخ ہیں۔

اس آیہ وافی ہدایہ سے ظاہر ہوگیا کہ کلام پاک میں محکم آیات جن کے الفاظ کے ظاہری معنی مراد ہیں بہت کم ہیں۔ باقی تمام قرآن متشابہ ہے یعنی باقی تمام آیات میں تمثیلیں اور استعارے ہیں اور محکم آیات متشابہ کے مقابل اتنی کم ہیں کہ ایک مقام پر تمام قرآن کو متشابہ فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد رب العزت ہے

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَاباً مُّتَشَابِهاً......تا آخر (زمر ۲۳)

اللہ نے نازل کیا بہترین کلام، متشابہ کتاب۔

اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ کلام پاک میں متشابہ آیات کی اتنی کثرت ہے کہ گویا تمام قرآن ہی متشابہ ہے اور قانون فطرت ہے کہ جب کوئی خیال ذہن میں قائم ہو جائے تو پھر نہ آنکھیں دیکھتی ہیں نہ کان سنتے ہیں اور نہ اس خیال کے خلاف کچھ سوچ ہی سکتا ہے۔

چونکہ ہمارے اکثر علمائے کرام سمجھتے ہیں کہ متشابہات کی تاویل آئمہ علیہم السلام جانتے ہیں اور انہوں نے تفسیر قرآن احادیث آئمہ سے اخذ کی ہے لہٰذہ وہ اس خیال میں رہے ہوں کہ ایسی تاویل کرنے میں وہ گمراہی سے محفوظ ہیں اور اسی خیال نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے ہوں اور آئمہ علیہم السلام کی ان احادیث کی طرف جن میں سے چند درج ذیل ہیں ان کی توجہ مبذول نہ ہوئی ہو جن سے واضح ہے کہ جس طرح قرآن میں محکم و متشابہ ہیں اسی طرح آئمہ کے کلام میں بھی ہیں:

www.khrooj.com

( )...... ہماری احادیث میں محکم ہیں قرآن کے محکم کی طرح اور متشابہ ہیں قران کے متشابہ کی طرح۔(احسن الفوائد صفحہ ۵۰۴)

( )...... نبی کا امر مثل قرآن ناسخ ہے منسوخ ہے، خاص ہے اور عام ہے، محکم ہے اور متشابہ ہے۔(الشافی ترجمہ اصول کافی جلد ا صفحہ ۱۹)

( )...... ہم گروہ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے ان کے اندازہ عقل کے مطابق کلام کریں۔(اعتقادیہ شیخ صدوق)

( )......امام ضامن ثامن علیہ السلام کی ایک طویل حدیث میں ہے اَیُّھَا النَّاس جس طرح خدا کے کلام میں محکم و متشابہ ہیں اسی طرح ہمارے کلام میں بھی ہیں تم متشابہ کی پیروی سے باز رہنا ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے ......(لمعتہ الضیا فی عمدہ اخبار الرضا)

غرضکہ مندرجہ بالا احادیث اور ان کی امثال پر توجہ نہ ہو سکی۔ اسی خیال نے عقلوں پر بھی حجاب ڈال دیا اور یہ نہ سمجھ سکے کہ اگر کسی معصومؑ نے کسی سائل کو متشابہ آیات میں سے کسی آیت کی تفسیر بتلائی ہو گی تو وہ بھی متشابہ ہی ہو گی محکم تو ہو ہی نہیں سکتی۔

عزادار: بھائی عارف تمہاری یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ متشابہ کی تاویل بھی متشابہ ہی ہو گی۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

عارف: بھائی جب تک آپ محکم و متشابہ کا فرق نہ سمجھیں گے یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔سوچو اور سمجھو۔کیا تم اپنے نفس کے کسی حس یا احساس، کسی جذبہ یا کیفیت کو لفظوں میں بیان کر سکتے ہو۔مثلاً محبت،نفرت،حسرت، میٹھا، کڑوا، نیلا، پیلا وغیرہ ان احساسات یا کیفیات کو اگر لفظوں میں بیان کیا جائے تو کیا وہ حقیقت ہو سکتی ہے کیا اس سے الفاظ کے ظاہری معنی مراد ہو سکتے ہیں مثلاً غصے کے اظہار کے لئے کہتے

ہیں ''میرے تن بدن میں آگ لگ گئی، آنکھیں شعلے اگلنے لگیں'' اگر اس کی تشریح اس طرح کردی جائے'' میرے بدن سے تو چنگاریاں نکلنے لگیں آنکھوں میں آگ نمودار ہوئی'' تو کیا ان ہر دو بیانات میں الفاظ کا ظاہری مطلب لیا جاوے گا۔نہیں ہرگز نہیں۔ بالکل اسی طرح غیر محسوس عالم غیب مثلاً صفات باری، ملائکہ، روح، نامہ اعمال، جنت، دوزخ، اعراف و برزخ، میزان، صراط، حساب کتاب، حشر ونشر کے متعلق جو کچھ قرآن وحدیث میں بیان ہوگا وہ متشابہ ہی ہوسکتا ہے۔محکم اور واضح تو ہو ہی نہیں سکتا۔غیب کے متعلق تو بغیر معرفت نفس کے کوئی شخص کچھ سمجھ ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا جن علماء نے بغیر معرفت نفس متشابہ آیات اور متشابہ احادیث پر عقائد کی بنیادیں قائم کیں اور قیاس پر مبنی بحثیں شروع کردی۔انھوں نے نہ صرف کتب خانے کے کتب خانے ان قیاسی مباحث سے بھرڈالے بلکہ اہل بیتؑ کا دین مقدس ظاہراً قصہ کہانوں کا دفتر معلوم ہونے لگا۔اگر آپ ذرا غور کریں گے تو سمجھ لیں گے کہ ہمارے علماء متشابہات کے پھندے میں پھنس گئے اس بات کی پیش گوئی خود رسالتمآبؐ نے ان الفاظ میں کی تھی۔

''جس نے قیاس پر عمل کیا وہ خود بھی ہلاک ہوا اور دوسرے کو بھی ہلاک کیا اور جس نے ایسی حالت میں فتویٰ دیا کہ نہ ناسخ ومنسوخ سے تمیز کرتا ہے نہ محکم کو متشابہ سے تو وہ خود بھی ہلاک ہوا اور دوسرے کو بھی ہلاک کیا......(الشافی ترجمہ اصول کافی جلد 1 صفحہ ۱۴۱ سطر ۲۴)

یہ بات دلی صدمہ سے عرض کرنی پڑتی ہے کہ عقائد مذہبی کو متشابہ احادیث پر قائم کیا جاچکا ہے اور کتب متشابہات کی بحثوں سے لبریز ہیں یہی حال اکثر تقریروں کا ہے۔

www.khrooj.com

شاید یہی وجہ ہے کہ نہ ہمارے عوام میں اور نہ ہمارے بیشتر علماء میں وہ فضائل و کمالات نظر آتے ہیں جو رسولؐ و آلؑ رسولؐ نے اپنے محبوں ، اپنے شیعوں اور مومنوں کی شان میں بیان فرمائے ہیں۔

عزادار: جناب آپ کے بیان سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علمائے سلف متشابہات کی پیروی کرتے رہے پھر دین کیسے باقی رہ سکتا تھا۔ یہ تو نہایت عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے۔

عارف: نہیں بھائی واقفان راز ہائے اہلبیتؑ ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں اگرچہ ان میں سے اکثر دنیا سے کنارہ کش ہی رہتے تھے ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت علامہ سید رضی علیہ الرحمۃ ، حضرت سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ، محقق طوسی علیہ الرحمۃ (آخر عمر میں) ،حضرت قاضی نور اللہ شوشتری علیہ الرحمۃ ،شہید ثالث ،حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ ۔ ان میں سے جن حضرات نے تصانیف کی ہیں ان میں بھی حقائق موجود ہیں مگر علماء متکلمین حقائق کی توجیہیں کچھ اپنے انداز فکر کے مطابق کر لیتے ہیں اور عموماً اپنے ہی عقائد ذہنی میں پھنسے رہتے ہیں۔

عزادار: بھائی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اتنے بڑے بڑے علماء بھی نہ سمجھ سکیں کہ محکم و متشابہ میں کیا فرق ہے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

عارف : اگر آپ کو اس بارے میں شک ہو تو آپ علمائے عراق و ایران ، ہندو پاکستان کی خدمت میں ایک استفتا مندرجہ ذیل مضمون کا بھیج دیں۔

’’ جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن میں بہت تھوڑی سی آیات محکم ہیں ۔ باقی

تمام قرآن متشابہ ہے اور متشابہ کی پیروی وہ کرتے ہیں جن کے دلوں میں کجی اور گمراہی ہے اور آئمہ علیہم السلام کا ارشاد ہے کہ جس طرح خدا کے کلام میں محکم و متشابہ ہیں اسی طرح ہمارے کلام میں بھی ہیں تم متشابہ کی پیروی سے باز رہو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ پس براہ کرم اس کی توضیح فرمائی جائے کہ محکم و متشابہ کے درمیان مابہ الامتیاز کیا ہے تاکہ ہم محکم کو متشابہ سے تمیز کر سکیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم متشابہ کی پیروی کرتے ہوئے گمراہی میں پڑے ہوں۔ التماس ہے کہ دلیل نص صریح یعنی قران یا حدیث سے دی جائے یا کم از کم فطرت سے (دلیل) قائم کی جائے''

آپ دیکھیں گے کہ علماء سکوت اختیار کرلیں گے اور صحیح جواب نہ دے سکیں گے بات یہ ہے کہ محکم و متشابہ کے درمیان تمیز کرنے کی اہلیت تو معرفت نفس کی راہ پر چلنے سے ہوتی ہے۔

جس کی طرف توجہ شاذ ہی دی گئی ہے اگر کوئی عالم صحیح جواب دے سکے تو وہی عالم دین اور لائق تقلید ہے اسے ہی بموجب ارشاد امام زمانہؑ ہوائے نفس پر غلبہ بھی حاصل ہوگا اور اسی سبب معرفت نفس حاصل ہوگی پھر محکم و متشابہ میں تمیز کر سکے گا محض کتابیں پڑھ لینے سے یہ اہلیت پیدا ہونا ممکن نہیں۔

عزادار: بھائی مجھے اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ اتنے بڑے بڑے علماء دہریوں کے اعتراضات کا جواب نہ دے سکیں جبکہ حق کو ہمیشہ غالب ہی رہنا ہے۔

عارف: بے شک حق غالب رہتا ہے مگر چونکہ اسلام دین فطرت ہے اور فطرت کا علم نفس انسان میں ہے جو شخص نفس کا مطالعہ ہی نہ کرے تو اسے یہ علم حاصل کیسے ہوسکتا ہے کتابوں میں تو الفاظ ہی ہوں گے مثلاً حسرت کا لفظ یاد کر لینے سے اس کا مفہوم

کوئی نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ یہ کیفیت اس کے نفس پر وارد نہ ہو۔ پس اگر وہ صرف ایک قیاسی مفہوم ذہن نشین کر لے تو وہ حقیقت کیسے سمجھ سکے گا۔ دہریوں کے اعتراضات تو ان مفاہیم پر ہوتے ہیں جو متشابہ آیات ومتشابہ احادیث کو محکم سمجھ کر مختلف اندازفکر کے مطابق کتابوں میں تحریر ہوئے ہیں پھر یہ علماء ان اعتراضات کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔ خلافت کی بحثوں میں سینکڑوں ثبوت پیش کر دیئے جاتے ہیں کہ خلافت اہل بیتؑ کا حق تھا مگر کچھ لوگوں نے ایسی چالیں چلیں کہ اس کو غصب کر لیا اگر وہ ذرا بھی غور کرتے تو جان لیتے کہ چالیں تو اس کے خلاف چل سکتی ہیں جو اپنے مخالف کی چالوں اور اس کے ارادوں کا پہلے سے واقف نہ ہو مگر یہ بات خدا کے لئے نہ رسولؐ کے لئے نہ دیگر خلفاء اللہ کے بارے میں جو شہید علی الناس ہیں درست متصور ہو سکتی ہے اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خدا اور رسولؐ اور آل رسولؐ باوجود قدرت واہلیت کے چالبازوں کی چالیں قطع نہ کر سکے افسوس تو یہ ہے کہ مدعیان دین حقہ جناب امیر المومنین علیہ السلام اور ان کے صحیح جانشینوں کو یداللہ، نفس اللہ، عین اللہ، وجہ اللہ۔ سب کے اعمال پر شہید ماننے کے باوجود کہتے ہیں کہ ان سے خلافت چھین لی گئی یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے یہ تو خدا اور رسولؐ وآلؐ رسول کے راز ہیں جن کا افشاء کرنا اور نا اہل پر ظاہر کرنا جرم ہے۔ ارشاد معصوم ہے ''جس نے ہمارے راز کو نا اہل پر افشا کیا اس نے ہمیں عمداً قتل کیا نہ کہ سہواً'' البتہ جو اہل بیتؑ کے تعلیم کردہ راستے پر چلتا ہے اور ان کا تعلیم کردہ مذہب اختیار کرتا ہے اس پر راز منکشف ہو جاتے ہیں پھر اس پر بھی تقیہ واجب ہو جاتا ہے کہ ان پر صبر کئے رہے اور زبان پر نہ لائے۔ اسی کے لئے آئمہ علیہم السلام کا حکم ہے ''تم اپنے دین کو تقیہ سے چھپائے

رہو تو تم ایسے دین پر ہو جس نے اسے چھپائے رکھا اس کو اللہ عزت دے گا اور جس نے اس کو افشا کیا اللہ اسے ذلیل کرے گا۔ (اصول کافی جلد ۲)

عزادار: یہ تو عجیب بات ہے۔ جب حقیقت کو راز میں رکھنا ضروری ہے تو لوگوں تک حق کیسے پہنچ سکتا ہے؟

عارف: دین تو اصلاح نفس ہے کیفیات نفس کا شعور بغیر تفکر ممکن نہیں۔

اصلاح نفس کے بعد منزل سامنے نظر آنے لگتی ہے۔ حقیقت کو راز میں رکھنے کا سبب ایک مثال سے سمجھیں۔

حساب کے ایک طالب علم کو اگر ایسی کتاب دے دی جائے جس میں ہر سوال کا مفصل حل درج ہو تو کیا وہ اس حل کی مدد لئے بغیر کوئی سوال حل کرنے کے قابل ہو سکے گا۔

ظاہر ہے کہ جواب نفی میں ہے اسی لئے دین فطرت کے راز افشا کرنا ممنوع ہیں۔ اہل عقل مفکرین کے لئے اشارہ کافی ہوتا ہے پس رازوں کے متعلق اشارہ ہی کیا جا سکتا ہے دیکھیں جناب باری تعالیٰ عزاسمہ کا ارشاد ہے

تَبَارَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ (بڑی برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں ملک ہے) پھر یہ بھی ارشاد ہے

قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَن تَشَاء (کہو یا اللہ اے ملک کے مالک تو جسے چاہتا ہے ملک عطا کرتا ہے)

مفکرین کے لئے تو اشارہ کافی ہوتا ہے۔ ید اللہ ہی اس کا نائب ہے زمین پر۔ پھر ارشاد معصومین علیہ السلام ہے ''ہم کچھ نہیں چاہتے مگر جو خدا چاہے''

پس علمائے دین کی رازوں سے ناواقفیت ان کو دہریوں کے اعتراضات کا جواب دینے کے قابل نہیں چھوڑتی ۔دہریوں کا کیا ذکر ایک کتاب ''نصیحتہ الشیعہ'' پچھلی صدی میں شائع ہوئی تھی جس کو ۱۰۰ سو سال سے زائد ہوگئے آج تک لاجواب پڑی ہے اس میں کتب شیعہ سے ایسی روایات جمع کر دی گئی ہیں جن سے آئمہ کی سبکی کا پہلو نکلتا ہے سب سے زیادہ مضحکہ اس نے تقیہ کی احادیث پر اڑایا ہے جو احادیث اس نے نقل کی ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

() تقیہ میرا دین ہے، میرے آباء کا دین ہے جس کے لئے تقیہ نہیں وہ بے دین ہے

() وہ شیعیان علیؑ سے نہیں جو تقیہ نہیں کرتا۔

() نوے حصے دین تقیہ میں ہے۔

() تم اپنے دین کو تقیہ سے چھپاتے رہو تم ایسے دین پر ہو جس نے اسے چھپائے رکھا اللہ اسے عزت دے گا اور جس نے اسے ظاہر کیا خدا اسے ذلت دے گا۔

تقیہ پر جو اعتراضات مخالفین کی طرف سے ہوتے رہے ہیں ان کے جواب میں علماء شیعہ کی طرف سے تقیہ کا جواز قرآن وحدیث اور کتب مخالفین سے ثابت کیا جاتا رہا ہے اور دکھلایا جاتا رہا ہے کہ ان کے عقیدے کے مطابق تو حاجت کے وقت جھوٹ بولنا بھی جائز ہے مگر صاحب نصیحتہ الشیعہ کے اعتراضات کا جواب ان بحثوں سے نہیں ہوتا اس کے اعتراضات تو یہ ہیں۔

() قرآن وحدیث سے تقیہ کا وجوب ثابت نہیں اور اصول کافی کی ان احادیث سے وجوب ثابت ہوتا ہے

() خوف جان ومال کے لئے تقیہ ہے تو جو خدا سے ڈرتا ہے وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔

( ) جب مذہب کے پیشوا کا دین ہی تقیہ ہو تو اس دین کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ بات تقیہ میں کہی یا بلا تقیہ۔ اگر کسی وقت وہ یہ بھی کہے کہ یہ بات تقیہ میں نہیں کہہ رہا ہوں تو یقیناً ایسا بھی تو کہا جا سکتا ہے پھر ایسا دین تو ساقط الاعتبار رہے۔

عزادار: جہاں تک مجھے علم ہے اہل سنت کی طرف سے کوئی کتاب ایسی نہیں لکھی گئی جس کا جواب ہمارے علماء نے نہ دے دیا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ جو کتابیں کتاب مذکورہ کے جواب میں لکھی گئی ہوں وہ تمام آپ کے نظر سے نہ گزری ہوں۔

عارف: بھائی اگر آپ کو اس بارے میں شک ہو کہ ہمارے علماء دین میں سے کسی ایک نے بھی کتاب مذکورہ میں مندرج اعتراضات کا معقول جواب نہیں دیا تو اس کی تصدیق اس طرح کر لیجئے کہ آپ یہی اعتراضات لکھ کر جملہ مجتہدین کی خدمت میں بھیج دیں اور ان اعتراضات کا کوئی معقول جواب طلب کریں۔ علماء عہدہ برآ ہو سکیں تو آپ ہی حق بجانب ہوں گے ورنہ آپ صحیح اندازہ قائم کر کے میرے ہی ہم آہنگ ہو جاویں گے۔

عزادار: یہ بات سمجھ میں نہیں آئی ظاہراً تو ہمارے علماء کا علم دوسرے فرقوں کے علماء کے علم کی بہ نسبت زیادہ ہے اور عقل و فہم سے زیادہ قرین ہے۔ پھر مذکورہ اعتراضات کا جواب دینے سے ان کے عاجز ہونے کا کیا سبب ہے۔

عارف: بھائی بات یہ ہے کہ بیشتر علماء نے متشابہ اور مبنی بر تقیہ احادیث کے ظاہری الفاظ پر انحصار کیا ہے اور احادیث آئمہ معصومین علیہم السلام سے واضح ہوتا ہے کہ نوے حصہ دین تقیہ میں ہے جب رسولؐ و آلؑ رسولؐ کے اقوال میں نوے فیصدی

احادیث مبنی بر تقیہ ہوں گی تو اب رہ گئیں دس فیصدی ان میں بھی تو کچھ احادیث متشابہ ہوں گی پس جو حضرات محکم کو متشابہ سے تمیز کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے وہ احادیث مبنی بر تقیہ اور احادیث مبنی بر حقیقت میں کیسے تمیز کر سکتے ہیں وہ خود اپنے قلم سے احادیث محکم مبنی بر حقیقت نقل کر جاتے ہیں مگر چونکہ ان کے عقائد کی بنیادیں متشابہ احادیث کے ظاہری الفاظ پر قائم ہیں لہٰذا حقائق کی تاویلیں کر دیتے ہیں اور لکھ دیتے ہیں کہ یہ احادیث شاذ ہیں۔ بہ کثرت احادیث سے ان کے خلاف ظاہر ہوتا ہے لہٰذا وہی عقائد صحیح ہیں جو زیادہ حدیثوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اب اہل عقل تو سمجھ سکتے ہیں کہ احادیث محکم مبنی بر حقیقت تو بہت کم ہوتی ہیں اس لئے ان کو عوام غیر معتبر سمجھ لیتے ہیں۔

محکم احادیث کو متشابہ سے اور مبنی بر تقیہ کو مبنی بر حقیقت سے تمیز کرنے کی اہلیت تو معرفت نفس کی راہ پر چلنے سے پیدا ہوتی ہے جو رسولؐ و آلؑ رسولؐ کی تعلیم کردہ ہے جب حقائق شعور میں آتے ہیں، عقل پر سے تقلید کا پردہ ہٹ جاتا ہے اس وقت ہی سمجھ سکتا ہے کہ محکم حدیث مبنی بر حقیقت کونسی ہے اسی کو معمول بہ بناتا ہے۔ باقی کو محفوظ بھی کرتا ہے تو اس لئے کہ بچوں، نادان، جاہلوں اور احمق لاشعوروں سے بیان کی جائیں۔ اس لئے کہ نادانوں سے حقائق بیان نہیں کئے جا سکتے۔ وہ ان کی گمراہی کا باعث ہو جاتے ہیں جو علماء محض ظاہر بین ہیں اور رسولؐ و آلؑ رسولؐ کے رازوں کا ان کو پتہ نہیں۔ ان کو قشرئین کہتے ہیں یعنی چھلکے کے عالم، مغز کا ان کو پتہ نہیں ہوتا اور راہ معرفت پر چلنے والے سالک کہلاتے ہیں۔ جو منازل معرفت طے کر کے معرفت امام حاصل کر لیتے ہیں وہ عارفین کہلاتے ہیں، سالکین و عارفین تو

خاموش ہی رہتے ہیں اگر کتابیں تصنیف بھی کرتے ہیں تو بالکل قشرئین کے رنگ میں البتہ طالبین حق کے لئے حقائق بھی لکھ دیتے ہیں مگر اس طرح کہ عقل سے کام لینے والوں کے علاوہ کسی غیر کو پتہ نہ چلے اور اہل بیتؑ کے راز اشاروں کنایوں میں بیان کر جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اہل بیتؑ کے راز کھول کر بیان کرنا نادان لاشعوروں کے لئے گمراہی کا باعث ہو جاتا ہے۔ اسی لئے تو آئمہ نے فرمایا ہے ''جس نے ہمارا راز افشا کیا اس نے ہمیں عمداً قتل کیا نہ کہ سہواً''

قشری علماء کا عقیدہ ہے کہ انبیاء سے ترک اولیٰ صادر ہوتا ہے۔ دیگر فرق کے علماء خطا سے تعبیر کرتے ہیں اور تخطیۃ الانبیاء جیسی کتابیں لکھ دیتے ہیں مگر علماء شیعہ کہتے ہیں کہ خطا نہیں کہنی چاہیے بلکہ ترک اولیٰ کہنا چاہیے یہ ترک اولیٰ گناہ اور خطا نہ بھی متصور ہو پھر بھی ایک قسم کی ان بزرگ ہستیوں کی توہین تو ہے۔

آئمہ علیہم السلام نے تو بتلا دیا تھا کہ نبی کی تمام زندگی متشابہ ہوتی ہے اور یہ کہ صحیح دین ہی تقیہ ہے اور ہمارے نبی کے آباء کا دین بھی تقیہ ہے اور یہ کہ ہادیان دین کی زندگی کا ہر حرکت وسکون ہدایت خلق کے لئے ہوتا ہے مگر ظاہر پرست اس کو حقیقت سمجھ لیتے ہیں ہاں جو حضرات اپنے نفس کی کیفیات پر غور کرتے ہیں ان پر حقیقت منکشف ہو جاتی ہے مگر جو روایات کے پھندے میں پھنسے رہتے ہیں وہ ظنی مباحث میں گھر کر راہ ہدایت سے دور پڑے رہتے ہیں۔ ذیل کی مثال سے یہ بات واضح ہو جائے گی کیا آپ بچے کو نفس کی کوئی کیفیت مثلاً غصہ، حسرت، ندامت وغیرہ لفظوں میں سمجھا سکتے ہیں۔

صرف ایک ہی صورت میں ممکن ہے کہ اپنے نفس پر غصہ یا ندامت کے آثار طاری

WWW.KHROOJ.COM

کریں تب ہی وہ کچھ سمجھ سکے گا اب غور کریں انبیاء علیہم السلام پر ہدایت خلق لازم ہے۔تو بتلائیے کہ وہ توبہ واستغفار کرنا بارگاہ احدیت سے گناہوں کی معافی چاہنا الحاح وزاری کرنا کیسے سکھلائیں اس کا سمجھانا تو عملی مظاہرے کے بغیر ممکن ہی نہیں ۔اس کے لئے لازم ہے کہ وہ تقیۃً کوئی مکروہ کام کریں یا بغیر کئے ہی امت کے عوام پر ظاہر کریں کہ ان سے ایک قصور ہو گیا جو خدا کی ناراضگی کا باعث ہوا پھر وہ بصد الحاح وزاری توبہ واستغفار کر کے دکھلائیں کیونکہ ان کا فریضہ ہدایت ہے ورنہ حق یہ ہے کہ انبیاء معصومین علیہ السلام سے کوئی فعل مکروہ صادر نہیں ہوتا چونکہ بیشتر اوقات حقائق کا اظہار قشری علماء کے لئے گمراہی کا باعث ہو جاتا ہے اور وہ حق کی مخالفت وعداوت پر آمادہ ہو جاتے ہیں اس لئے علماء عارفین ہمیشہ خاموش رہتے تھے اگر لکھتے بھی تو حقائق کو واضح نہ کرتے اور اگر اہل بیتؑ کا کوئی راز لکھتے بھی تو قشریوں کے رنگ میں تاویل بھی لکھ دیتے تاکہ ظاہر پرست علماء مخالفت کر کے زیان اخروی نہ کر بیٹھیں۔اگر کبھی کسی نے کوئی حقیقت کھول کر لکھ دی تو قشری علماء نے اس کے خلاف محاذ قائم کر کے کفر وزندقے کے فتوے لگائے ہیں اس کی ایک مثال ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔

موجودہ صدی کے ابتدائی زمانہ میں لکھنو میں تقریباً پانچ چھ مجتہد موجود تھے جن کا اثر تمام ہندوستان کے شیعوں پر تھا لاہور میں اس وقت علامہ سید علی حائری صاحب مرحوم مجتہد تھے اور ایک سالک علامہ عبدالعلی ہروی مرحوم واقفان اسرار آل رسولؐ میں سے تھے۔موخرالذکر کی سرپرستی میں ایک ماہوار رسالہ ''البرہان'' زیراہتمام مولوی محمد سبطین صاحب مرحوم سرسوی لدھیانہ سے شائع ہوتا تھا۔علامہ ہروی

WWW.KHROOJ.COM

ہندوستان میں وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے آئمہ علیہم السلام کے مشتمل بر حقائق وہ خطبات شائع کیئے جن کو قشری علماء نے عوام کی نظر سے ہمیشہ چھپائے رکھا۔

اس زمانہ میں شیعوں میں مولانا ناصر حسین صاحب کے متعلق سب سے زیادہ پروپیگنڈہ تھا یہاں تک کہ ان کو تیرہواں امام کہا جاتا تھا۔ سوء اتفاق سے اس مسئلہ پر کہ آیا رسولؐ اللہ کو لکھنے پڑھنے کا علم قبل بعثت حاصل تھا یا نہیں اور یہ کہ معصوم کو کسی علم کو کسی دوسرے شخص سے حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے یا نہیں، علامہ ہروی اور علماء لکھنو کے درمیان بحث کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ دونوں طرف سے اخباروں اور رسالوں میں مضامین شائع ہوتے رہے۔ ان تمام مباحث کو مولوی محمد سبطین صاحب مرحوم نے اپنی کتاب ''کشف الاسرار فی معرفت النبی وآلہ الاطہار'' میں جمع کر دیا ہے اسی کتاب سے کچھ اقتباس پیش کرتا ہوں۔

(از کشف الاسرار صفحہ ۱۴۰) رسالہ شیعہ ماہ اکتوبر ۱۹۰۸ء میں منجملہ دیگر سوالات و جوابات حسب ذیل سوال کے جواب میں جو مولانا کی خدمت میں ایک شخص نے کشمیر سے ارسال کیا تھا۔ مولانا ناصر حسین صاحب قبلہ کی طرف سے یہ جواب شائع ہوا۔

سوال ...... یہ امر ہر مذہب وملت میں پایہ تحقیق کو پہنچا ہوا ہے کہ جناب رسولؐ خدا کے بعد کوئی دوسرا شخص مثل جناب امیرؑ عالم و فاضل نہ تھا اور یہ بھی ثابت ہوگیا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام مثل جناب رسولؐ خدا امی نہ تھے اور جب آپ کا امی نہ ہونا ثابت ہے تو ضرور آپ نے کسی دوسرے سے کسب علم کیا ہوگا۔ پس نزدیک حضرات علماء شیعہ مدظلہم کے کون شخص آپ کا استاد ہے اور اس کا کیا نام ہے اور اس کا علم بھی

WWW.KHROOJ.COM

مثل آپ کے تھا یا معمولی جس سے آپ نے تھوڑا سا علم حاصل کیا ہو۔ پھر تائید ربانی سے علم کے اس درجہ پر پہنچ گئے ہوں جو قوت انسانی سے باہر ہے مفصل ارشاد ہو۔ بینواو تواجروا'

جواب ......مولانا ناصر حسین قبلہ:

عقیدہ اہل حق یہ ہے کہ جناب رسالت مآبؐ کو تمام علوم من اللہ حاصل ہوئے اور جناب امیرؑ کو تمام علوم من اللہ و من الرسولؐ حاصل ہوئے اور ملکہ فراست و کتابت جناب رسالت مآبؐ کو بعد بعثت من اللہ عطا ہوا۔ اور جناب امیرؑ کو یہ ملکہ ممکن ہے اکتساباً حاصل ہوا ہو اور ممکن ہے من اللہ عطا ہوا ہو اور اگرچہ اول اظہر ہے لیکن تصریح اس امر کی کہ یہ ملکہ ان جناب نے کس سے تحصیل فرمایا کتب تواریخ و احادیث میں نظر قاصر سے نہیں گزری۔ واللہ اعلم۔ ناصر حسین عفی عنہ

(اقتباس ولب لباب صفحات ۱۴۰ تا ۱۴۴) اس بیان پر علامہ ہروی کے تابعین میں سے ایک بزرگوار سید محسن علی شاہ صاحب سبزواری کی طرف سے اخبار ناظم الہند سفیر گورنمنٹ لاہور کی ۲۸ نومبر ۱۹۰۸ء کی اشاعت میں یہ اعتراض شائع ہوا کہ معصوم کے لئے کسی سے کسب علم کرنا اس کے نقص کی دلیل ہے معصوم تو کامل ہوتا ہے اس کو کسی علم کے خارج سے کسب کرنے کی احتیاج نہیں ہوتی۔

اس پر بحث جاری ہوگئی۔ علماء لکھنو کی طرف سے جو مضامین شائع ہوتے رہے ان کا لب لباب حسب ذیل ہے۔

(اقتباس از کشف الاسرار صفحات ۱۴۶ تا ۱۵۱) اخبار اثنا عشری دہلی ۲۳ دسمبر ۱۹۰۸ء کلام ما فہمیدن مشکل است نہ کہ برما اعتراض کردن'' صفحہ ۱۴۸) یہ سچ ہے کہ

انبیاء تمام کمالات ظاہری و باطنی سے مکمل ہوتے ہیں مگر فہم سے اتنا کام تو لینا چاہیے کہ ان کمالات سے وہی کمالات مراد ہو سکتے ہیں جو ان کے لئے من حیث النبوۃ لازم ہیں اسی طرح وہ کمالات جو بشر کے لئے ناممکن ہیں ہرگز بشر کی طرف منسوب نہیں کئے جا سکتے ہم انبیاء اور ان کے اوصیاء کو بشری حدود میں جو کمالات ممکن ہیں ان کے اعتبار سے کامل بلکہ اکمل سمجھتے ہیں۔

احتیاج انبیاء

حضرت موسیٰؑ کا خضرؑ سے علم حاصل کرنا اور محتاج ہونا۔(تو کیا حضرت موسیٰ کو نبوت سے خارج کر دیں گے) اگر اس کو روا سمجھتے ہیں تو انبیاء کو بعض ملکات کے اکتساب کا امکان تسلیم کرنا ہوگا۔خصوصاً قرات و کتابت میں کہ وہ ایسی چیز نہیں جس پر تبلیغ موقوف ہو۔اور نہ ایسی شے ہے جس کا اک زمانہ محدود تک انبیاء و اوصیاء میں نہ پایا جانا سبب نقص ہو بلکہ بعض صورتوں میں عین سبب ظہور کمال ہے جیسے صورت اظہار معجزہ کیونکہ اگر یہ حضرات فرق عادت کی غرض سے باوصف عدم اکتساب بلکہ قرات و کتابت خدا سے چاہیں تو خدا ان کو ضرورت قوت مرحمت فرمائے گا جس سے وہ غیر اکتسابی قرات و کتابت سے بخوبی اعجاز کی حیثیت دکھلائیں گے۔

(از صفحہ ۱۴۹) وہ چیزیں جو انبیاء کے لئے بحیثیت انبیاء ضروری نہیں مثل قرات و کتابت وغیرہ...... رابعاً اگر یہی دعویٰ ہے تو مَا کُنتَ تَدرِیْ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيْمَانُ ...... کے لئے کوئی معنی ہو ہی نہیں سکتے (آیت کا ترجمہ۔اے رسولؐ تم نہ جانتے تھے کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے)

خامساً یہ آیہ مبارکہ وَمَا كُنتَ تَتلُو مِن قَبلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذاً

WWW.KHROOJ.COM

لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ ......(عنکبوت ۴۸)

اور (اے رسول تم تو اس سے قبل کوئی کتاب یا تحریر نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کو لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو جھٹلانے والے ضرور شک کرتے)

یہ آیت اس اعتقاد کی (کہ حضرت کو قبل بعثت لکھنے پڑھنے کا علم حاصل تھا) حتماً نافی ہے کیونکہ نفی زیب نفی علم قرآت و کتابت سے ہوتی ہے۔

(صفحہ ۱۵۱) حالانکہ قرات و کتابت کوئی ایسی چیز نہیں جس کا لزوم تبلیغ میں محقق ہو۔ افسوس کہ مولانا نے بے سمجھے بوجھے حضرت سلطان المحققین ناصر الملتہ والدین مولانا سید ناصر حسین صاحب قبلہ مدظلہ کی جانب اپنی ناقفیت سے ایک عیب عدم تحقیق عائد کرنا چاہا۔ حالانکہ وہ ایک ناممکن خیال ہے۔ علم قرات و کتابت عربی کے اختیار کے بعد یہ بھی فرض کرنا ہوگا کہ کتاب کے تمام اقسام کا وجود بھی حضرت میں ثابت ہے پھر شاعر ہونا بھی ضروری ہے۔ (راقم ایک شیعہ ممتاز الافاضل۔ سید حسن واعظ ذاکر) (از صفحہ ۱۵۲) اس مضمون کو دیکھ کر اکثر علماء لکھنو کی خدمت میں عریضے ارسال کیئے گئے کہ کیا آپ حضرات اس مضمون مطبوعہ اثنا عشری دلی سے اتفاق رائے رکھتے ہیں ......مگر اوائل جون ۱۹۰۹ء تک جواب نہ آیا بلکہ مضمون ممتاز الافاضل اور فتوائے مفتی مدظلہ کی تائید میں رسالہ العوارف جلد دوم نمبر ۷ بابت ماہ ذی الحجۃ الحرام میں اڈیٹر رسالہ کا مضمون شائع ہوا۔

(صفحہ ۱۵۴) **دفع مغالطہ**: ایک جاہلانہ اور معاندانہ اعتراض پر بنا کر کے اس جواب کو خلاف عقیدہ امامیہ تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ عقائد شیعہ تمام تر حکم قطعی عقلی پر مبنی ہیں اور یہ جواب بالصواب علاوہ مبانی عقلیہ قطعیہ کے نقل یقینی کے بھی مطابق ہے۔ (صفحہ

۱۵۶) ہم کہتے ہیں بیشک ایڈیٹر شیعہ کا یہی اعتقاد ہے بلکہ تمام فرقہ شیعی اسی اعتقاد کا پابند ہے کہ جناب رسولؐ خدا کو قبل بعثت ملکہ قرات و کتابت حاصل نہ تھا اور بعد بعثت من اللہ عطا ہوا۔

علامہ طبرسی تفسیر مجمع البیان میں آیہ وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذاً لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُون کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں۔ والمعنیٰ ...... اوَّلین "(ترجمہ عبارت عربی۔یعنی معنیٰ اس آیت کے یہ ہیں کہ اے حبیب ہمارے تم قرات نہ کر سکتے تھے قبل اس کے کہ تمہاری طرف قرآن وحی کیا جائے اور نہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے۔معنی اس آیت کے یہ ہیں کہ (صفحہ ۱۵۷) تم اے حبیب اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے بھی نہ تھے۔اس واسطے کہ اگر ایسا ہوتا تو لوگ شک میں پڑ جاتے یعنی اگر تم کسی کتاب کی قرات کرتے ہوتے یا اس کو لکھ سکتے تو مبطلین ایک راہ شک کرنے کی ......آپ کی نبوت میں پا جاتے ......الخ

علامہ طبرسی اس عبارت مذکورہ کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔کہا شریف اجل مرتضیٰ اعلم الہدیٰ قدس اللہ روحہ نے "یہ آیت دلالت کرتی ہے اس امر پر کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبل بعثت کتابت نہ کر سکتے تھے لیکن بعد نبوت۔پس ہمارا اعتقاد اس باب میں یہ ہے کہ جائز ہے وہ جناب قرات و کتابت دونوں کے عالم ہوں (صفحہ ۱۵۸) اور جائز ہے کہ دونوں کے عالم نہ ہوں۔ان دونوں امروں میں سے کسی ایک پر ہم کو یقین نہیں ......تا آخر۔بہر حال قبل نبوت آنحضرت کا ملکہ قرات و کتابت نہ رکھنا مسلم ہے۔

(صفحہ ۱۵۹) ملکہ قرات و کتابت کوئی ایسی چیز نہیں جس کا لزوم تبلیغ رسالت میں محقق ہو لہٰذا ثبوت اس کا سمعی ہوگا نہ عقلی ۔مگر افسوس کہ (صفحہ ۱۶۰) پنجاب کے نامور عالم نے بے غور وفکر حضرت ناصر المللة پر ایسا اعتراض پیش کر دیا جو سخت تعجب خیز ہے باقی رہی شق اول یعنی ملکہ قرات و کتابت کا اکتساباً حاصل ہونا پس یہ بھی کسی شخص بافہم وعقل کے نزدیک محل کلام نہیں ہوسکتا کیونکہ اس سے یہ مراد نہیں کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے یہ ملکہ اپنے سلسلے کے علاوہ کسی غیر شخص سے حاصل کیا ہو بلکہ مراد اس اکتساب سے وہ اکتساب ہے جو اپنے ہی سلسلے سے ہوا ہو مثلاً رسالتمآب ؐ سے یا جناب ابو طالبؑ سے کہ وہ بھی حضرت ابراہیم کے اوصیاء میں سے تھے (صفحہ ۱۶۳) امیر المومنینؑ نے آغوش رسولؐ میں آتے ہی سارا قرآن پڑھ دیا لیکن بشری حیثیت سے احتیاج اخذ و تعلم ان سے مفقود نہ ہوئی تھی ۔

(صفحہ ۱۶۴) حالانکہ بعض کتب میں مثل ''مدینة المعاجز '' وغیرہ کے ایسی روائتیں پائی جاتی ہیں جن سے حضرات آئمہ معصومین کا غیروں سے بھی اخذ و تعلم کرنا بشری حیثیت کی راہ سے مستفاد ہوسکتا ہے لیکن ہم ان روایات پر اس دلیل عقلی کے مقابلہ میں مطلقاً اعتنا نہیں کر سکتے ۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اتـانـی الکتب (مجھے اللہ نے کتاب دی ہے) سے قرات و کتابت کا علم ثابت نہیں ہوتا ۔(صفحہ ۱۶۵) حضرت عیسیٰ کو قبل از ولادت کتاب کا عطا ہونا اور مراتب مل جانا (صحیح نہیں) حالانکہ انجیل آپ پر ۲۳ سال کے سن کے بعد نازل ہوئی ۔

بعض علماء نے جیسا کہ مجمع البیان میں مرقوم ہے ۔اتـا نـی الکتاب وجعلنی نبیاً یعنی مجھے کتاب دی گئی اور مجھے نبی بنایا گیا ہے ۔سـبـوتینی الکتٰب (عنقریب مجھے

کتاب دی جائے گی)وجعلنی نبیاً (اور عنقریب مجھے نبی بنایا جائے گا)مراد لیا ہے۔

حدیث کنت نبیاً و ادم بین الماء والطین (میں اس وقت نبی تھا جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے)اس حدیث سے ملکہ قرات وکتابت کیسے ثابت ہوسکتا ہے اس سے تو صرف نبوت ثابت ہوتی ہے۔

یعنی اس عالم نوری میں آپ نورانی حیثیت سے تمام کمالات نبوت سے مکمل تھے لیکن ملکہ قرات وکتابت کا اس عالم بشری میں آپ کے لئے موجود ہونا اس سے ثابت نہیں ہوسکتا۔

(صفحہ ۲۲۸)اخبار اثناء عشری دلی ۱۵ جولائی ۱۹۰۹ء از ممتاز الافاضل صاحب لکھنو (۲۲۹)عقل مستفاد کا مرتبہ سوائے نبی و امام کسی کو ممکن نہیں (صفحہ ۲۳۳)۱۵ اگست ۱۹۰۹ء اثنا عشری دلی۔(مضمون شائع شدہ بہت طویل ہے)

پھر یکم ستمبر ۱۹۰۹ء کے مضمون میں تھا ''اس لئے اگر کتابت بعد بعثت بھی فرض نہ کی جائے تو نبی کی نبوت میں اس سے خلل نہیں''

(صفحہ ۲۵۰)از علامہ کنتوری صاحب لکھنو ' علامہ ہروی بابی ہے۔ہم اس کی تحقیق کر رہے ہیں۔لوگو دیکھو ان کے دام میں نہ آنا اور مسئلہ قرات وکتابت اس لئے چھیڑا گیا ہے کہ بابی فرقہ ہندوستان میں آ گیا ہے اور وہ ایسا ہوتا ہے کہ اس کے افراد بڑے عالم ہوتے ہیں بڑے فلسفی ہوتے ہیں ، بحث میں کسی کو عہدہ برا نہیں ہونے دیتے''

علامہ کنتوری کے اس مضمون کے شائع ہونے کے ساتھ یو پی کے ہر شہر و قصبہ میں

ہروی کے خلاف پیروان مجتہدین نے ایسا زبردست پروپیگنڈا کیا کہ شیعوں کے ہر گھر میں صبح اٹھ کر پہلا وظیفہ ہروی پر لعن کہنا ہوتا تھا مجھے خود یاد ہے کہ میں اس فعل شنیعہ میں مارچ ۱۹۱۱ء تک مصروف رہا۔ ۱۰ مارچ کو بغرض شرکت امتحان میٹریکولیشن آگرہ آ گیا۔ وہاں طالب علموں میں علامہ ہروی کا ذکر آ گیا۔ اور میری توجہ علمائے لکھنوء اور ہروی صاحب کے مضامین اور دلائل کی طرف دلائی گئی اور میں تائب ہوا۔

(از کشف الاسرار صفحہ ۳۳۱ (از علامہ کنتوری) علیؑ کو استاد جبرئیل کہنا غلط ہے۔ جبرئیل معلم رسولؐ ہیں۔ بہ نص قرآن اور رسولؐ معلم جناب امیرؑ۔ تو جناب امیرؑ کے معلم کے معلم ہیں۔ از رسالہ تحافتہ الفلاسفہ شوال ۱۳۲۷ھ)

(رسالہ تحافتہ الفلاسفہ یکم دسمبر ۱۹۰۹ء صفحہ ۶ و ۷) علامہ کنتوری نے رسولؐ کی جہالت کے متعلق فرمایا علمك مالم تكن تعلم (تجھے سکھا دیا جو کچھ کہ تو نہ جانتا تھا)

یہ تعلیم عالم ارواح کی نہیں اس لئے کہ اس تعلیم کے بعد فرمایا لا تقف ماليس لك به علم (جس چیز کو اے محمدؐ تم نہیں جانتے اس کے پیچھے نہ پڑو)۔

علامہ کنتوری صاحب نے اس مضمون میں آیات قرآنی سے طویل بحث سے رسول کی جہالت ثابت کرنے کی کوشش کی۔

(کشف الاسرار ص ۳۴۵) علامہ کنتوری صاحب نے ان کے علاوہ مارچ ۱۹۱۰ء اثناءعشری دلی میں ہفوات انبیاء لکھنے شروع کئے (چند فقرے ہی نقل کرتا ہوں)'' جرم کا ترجمہ فارسی میں گناہ ہے۔ امی ہونا جو عام طور سے بُرا ہے ہمارے نبی کے واسطے اعلیٰ درجہ کی خوبی تھی۔

(صفحہ ۳۴۶) انبیاء کی خطائیں شریعت باطنی سے تعلق رکھتی ہیں (صفحہ ۳۴۸)۔آج تو ہم نے تنیز یہ الانبیاء کا مسئلہ بطور عموم شروع کیا ہے۔انشاء اللہ خاص خاص ہفوات کو بھی جستہ جستہ لکھیں گے (غلام حسین کنتوری)۔انبیاء بھی گناہ کرتے ہیں مگر ہمارے گناہ اور قسم کے ہیں ان کے اور قسم کے ہیں (صفحہ ۳۵۱)۔مولوی ظہور حسین صاحب مجتہد تائید فرماتے ہیں کہ ممکن ہے علم قرآت و کتابت رسول ؐ کو حاصل نہ ہو۔ (صفحہ ۳۵۴) بہت سے علماء مثل صاحب بصائر الدرجات۔صاحب علل الشرائع۔ صاحب خصائص کبریٰ۔ شیخ الطائفہ۔علامہ طبرسی۔علامہ حلی۔ابن فہد۔شارح مفاتح فاضل ہندی فاضل کرمانی اور رافعی وغیرہ اسی خیال کے موید ہیں۔

غرضکہ علماء لکھنو کی طرف سے انبیاء آئمہ کے نقائص شائع ہوتے رہے جس سے عوام شیعہ پریشان ہونے لگے تو علماء پر زور ڈالا کہ اس بحث کو بند کر دیا جائے۔اس پر علماء لکھنو نے اپنی طرف سے بحث بند کرنے کی بجائے علامہ ہروی کو دھمکی دی کہ اگر یہ بحث بند نہ کی گئی تو ہم آئمہ کا کچھا چٹھا شائع کر دیں گے اس پر ہروی خاموش ہو گئے اور بحث کا خاتمہ ہو گیا۔دیکھ لیا آپ نے یہ ہیں وہ بلند قدر عالم جنہوں نے انبیائے معصومین کو خاطی اور گنہگار رکھا۔محبوب رب العالمین سید الانبیاء و مرسلین کی جہالت کے ثبوت قرآن سے مہیا فرمائے۔رحمۃ العالمین کو اپنے قیاسی خدا سے جھڑکیاں دلواتے نظر آئے اور بالاخر کچا چٹھا شائع کرنے کی دھمکیاں دیں۔

عزادار: اے بھائی خدا کے لئے بس کرو میں تو پریشان ہو گیا۔جب یہ مضامین شائع ہو رہے ہوں گے اس زمانہ میں لوگوں کی پریشانی کا کیا عالم ہو گا۔البتہ ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ علماء لکھنو تو آیات قرآنی سے دلیل لاتے تھے۔یہ کیا بات ہے۔

یہ بہت پریشان کن ہے۔ میرے تو عقائد ڈانواڈول ہونے لگے اگر کچھ سمجھا سکتے ہو تو اس گتھی کو سلجھاؤ۔

عارف: بھائی یہ تو تل کی اوٹ پہاڑ ہے۔ جب احکام آئمہ سے سرکشی و بغاوت کر کے قیاس کی پیروی کرنے والے ہلاک ہوتے ہیں۔ خود شیعہ علماء بھی قیاس کو فعل شیطان کہتے ہیں۔ احتجاج طبرسی میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی ایک طویل حدیث منقول ہے اس کے صرف چند فقرے سنیں۔ حضرت نے فرمایا ''بعض فاسق علماء ہم سے روایت کر کے اپنی معرفت کی کمی کی وجہ سے غلط معنی بتلاتے ہیں'' اب غلط معنی بتلانے کی چند مثالیں سن لو۔

( ) امیر المومنین علیہ السلام کے اس خطبہ میں جو نہج البلاغہ کے آغاز میں درج ہے ارشاد ہے کہ اوّل الدِّین معرفت (دین میں سب سے پہلی چیز خدا کی معرفت ہے) اور یہ بھی مشہور حدیث ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ ''جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا'' رسولؐ و آلؑ رسولؐ نے تو واضح کر دیا ہے کہ اس کی معرفت نفس کی معرفت ہے۔ معرفت نفس کے بغیر اس کی معرفت ہو ہی نہیں سکتی مگر علماء نے یہ خیال کر لیا ہے کہ لفظی بحثوں سے خدا کو اور اس کی صفات کو سمجھ لینا ہی اس کی معرفت ہے۔

( ) (صفحہ ۸۴ سطر ۲) احسن الفوائد شرح عقائد شیخ صدوق میں تحریر ہے کہ سید الانبیاء و المرسلین فرماتے ہیں ''اِنّ اللّٰہ احتجب عِن العقولِ کما احتجب عِن الابصار '' اللہ عقلوں سے اس طرح پوشیدہ ہے جس طرح آنکھوں سے پوشیدہ ہے'' مگر علامہ صاحب ترجمہ کرتے ہیں خداوند عالم کی حقیقت عقلوں سے پوشیدہ ہے'' آپ

دیکھ لیں یہ ہدایت کرنا ہے یا گمراہ کرنا۔

( ) صفحہ ۸۵ پر علامہ صاحب نے کئی احادیث نقل فرمائی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے۔

...... ہر شے میں کلام کرو مگر اللہ کی ذات میں کلام نہ کرو۔

...... جب کلام خدا تک پہنچے تو خاموش ہو جاؤ ایسی اور بھی متعدد احادیث موجود ہیں مگر متکلمین کے نزدیک خدا و رسولؐ و آلؑ رسولؐ کے اقوال کی ان کے اپنے قیاس کے مقابل کوئی وقعت نہیں وہ اپنے قیاس سے ان کی تاویلیں کر کے اللہ کی صفات پر لفظی بحثوں کو علم دین سمجھتے ہیں۔

( ) نہج البلاغہ کے مذکورہ بالا خطبے میں جب یہ فقرہ نظر آتا ہے ''وکمال الاخلاص نفی الصفات عنه (اللہ کے ساتھ اخلاص کا کمال یہ ہے کہ اس سے صفات کی نفی کی جائے) مگر شیعہ علماء اس کا ترجمہ کرتے ہیں (کتاب احسن الفوائد صفحہ ۸۷) ''اس کے ساتھ اخلاص کا کمال یہ ہے کہ اس سے صفات زائدہ کی نفی کی جائے'' کوئی علامہ صاحب ''صفات زائد برذات'' لکھ دیتے ہیں تو کوئی بزرگوار ''صفات مخلوق کی اس سے نفی کی جائے'' تحریر فرماتے ہیں اس طرح یہ حضرات اپنے قیاس سے قرآن و حدیث کے مفاہیم و تراجم میں تفسیر بالرائے کرتے ہیں جس سے گمراہی پھیلنے کا امکان بڑھ جاتا ہے۔

( ) آئمہ علیہم السلام کی کتنی ہی احادیث میں ہے کہ ''خدا کے متعلق کلام کرنے والے ہلاک ہوتے ہیں'' شیعہ علماء ان احادیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ ممانعت ان لوگوں کے لئے ہے جن کا علم ناقص ہے۔

( ) حدیث ثقلین ہی کو دیکھ لیں۔ رسول کریمؐ نے فرمایا ''میں تم میں دو ثقل چھوڑتا

ہوں ۔قرآن اوراہل بیتؑ ۔اگرتم ان دونوں سے تمسک کئے رہو گے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے'' اس حدیث میں لفظ تمسک خاص توجہ کا مطالبہ کرتا ہے۔اس کے معنی ہیں مضبوط پکڑنا جب کسی چیز کو مضبوط پکڑ لیا جاوے تو جب وہ چیز حرکت کرے گی تو مضبوط پکڑنے والا بھی جبراً قہراً اس کے پیچھے چلتا رہے گا۔صاف ظاہر ہے کہ تمسک کا مفہوم اہل بیتؑ کے اعمال کی نقل کرنا ہے تا کہ ان کے قدم بقدم چل سکنے کی توفیق مل سکے اب غور کرلیں کہ شیعہ علماء کے نزدیک اس کا مفہوم کیا ہے۔

حدیث سفینہ کو دیکھو۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے میرے اہل بیتؑ کی مثال کشتی نوح کی مثال ہے جو اس میں سوار ہوا اس نے نجات پائی جس نے اس سے روگردانی کی وہ غرق ہوا اور ہلاک ہوا'' علماء شیعہ دیگر فرق اسلامیہ کو رکوب سفینہ کی دعوت دیتے ہیں یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ شیعہ تو کشتی نجات میں سوار ہیں ہی باقی ماندہ فرقے غرق ہو رہے ہیں۔ ہمارے علماء کا خیال یہ ہے کہ امیر المومنینؑ کو خلیفہ بلافصل کہہ دینا اور بارہ اماموں کی امامت کا زبانی اقرار کرلینا ہی کشتی نجات میں سوار ہو جانے کے مترادف ہے مگر ایسا نہیں ہے کیونکہ کشتی میں سوار ہونے کے بعد کشتی سوار کو اپنی راہ پر لے کر چلتی ہے کشتی میں سوار ہونے کے بعد یہ ممکن ہی نہیں کہ سوار ہونے والا اور راہ پر چل سکے۔ یہ تو منزل فنا اور کمال ایمان کی اعلیٰ منزل ہے جو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب بندہ اہل بیتؑ میں فنا ہو جائے اور اس کا کوئی حرکت وسکون اہل بیتؑ کی مرضی کے خلاف نہ ہو سکے مگر علماء شیعہ ہر شیعہ اثنا عشری کو خواہ وہ عملاً دشمنان اہل بیتؑ کی راہ پر چل رہا ہو کشتی نجات میں سوار کر دیتے ہیں۔

اسی طرح قرآن وحدیث کے الفاظ کے قیاسی مفاہیم ہی گمراہی کا باعث ہوتے ہیں

اب کلام پاک کی اس آیت کو دیکھیں اور اس پر غور کریں۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْراً مِّنَ الْجِنِّ وَالإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لاَّ يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لاَّ يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لاَّ يَسْمَعُونَ بِهَا أُوْلَـئِكَ كَالأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُوْلَـئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ....(اعراف ۱۷۹)

(ترجمہ) اور البتہ ہم نے بہت سے جنات اور انسانوں کو جہنم کے لئے پیدا کیا ان کے دل تو ہیں ان سے سمجھتے نہیں اور ان کی آنکھیں تو ہیں ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان تو ہیں ان سے سنتے نہیں وہ تو ڈھورڈنگروں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ گمراہ۔ وہ ہی تو وہ لوگ ہیں جو بالکل غافل ہیں۔

پس جس کے پاس سمجھنے والا دل اور دیکھنے والی آنکھیں ہوں گی وہ تو ان آیات و احادیث کو دیکھ لے گا جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن میں محکم آیات اور احادیث میں محکم احادیث بہت کم ہیں اور وہ سمجھ سکے گا کہ نوے فیصد احادیث مبنی برتقیہ ہیں اس کو تو یہ حدیث بھی نظر آ جائے گی کہ جس نے ایسی حالت میں فتویٰ دیا کہ محکم کو متشابہ سے تمیز نہ کر سکے خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا''

محکم و متشابہ آیات اور مبنی برحقیقت و مبنی برتقیہ احادیث کے مابین امتیاز کرنے کی اہلیت تو معرفت نفس کی راہ پر چلنے سے پیدا ہوتی ہے جس کے لئے تعلیم اہل بیتؑ پر عمل کرنا لازم ہے علمائے شیعہ نے تمام ان احادیث کو جن کا تعلق معرفت نفس سے ہے اپنے قیاس سے تاویلیں کر کے پس پشت ڈال دیا ہے۔ بتلایئے وہ گمراہی سے کیسے نکل سکتے ہیں۔ان کا عقیدہ ہے کہ ہمارے آئمہ کو تو ظالم بادشاہوں نے تبلیغ و اشاعت دین کا موقع ہی نہیں دیا۔ وہ تو ظالموں کے خوف سے خانہ نشین ہی رہے

www.khrooj.com

مثلاً ایک علامہ (۱) صاحب لکھتے ہیں ''آہ کیسے مجبور تھے ہمارے امام اگر اپنی زبان سے کہہ دیں کہ میں امام ہوں تو قتل کر دیئے جائیں''

امام ضامن علیہ السلام کے سوانح میں لکھتے ہیں کہ جب مامون نے حضرت کو ولی عہدی پیش کی اور آنخضرتؑ انکار کرتے رہے تو مامون کو غصہ آگیا اور کہنے لگا ''اگر آپ منظور نہ کریں گے تو قتل کر دوں گا'' بتاؤ امام کیا کرتے مجبوراً منظور کر لیا۔

اسی طرح حضرت حجتؑ کے لئے فرماتے ہیں ''اگر بادشاہ کو خبر ہو جاتی تو قتل کرا دیتا اسی لئے امام حسن عسکری علیہ السلام نے حضرت حجتؑ کی ولادت کو سب سے پوشیدہ ہی رکھا''

غرض کہ شیعہ علماء کا یہ کہنا ہے کہ آئمہ مجبور و لاچار تھے وہ ظالموں سے مغلوب ہی رہے حالانکہ جناب رب العزت فرماتا ہے الاان حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْغٰلِبُوْن (آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے) دوسری آیت میں ارشاد ہے وَاَنْتُمُ الاَ عْلُونَ اِن کُنْتُمْ مُؤمِنِیْنَ (اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو گے) پس اگر شیعہ علماء کے عقائد قیاسی کو حق سمجھ لیا جائے تو معاذ اللہ آئمہ علیہم السلام نہ حزب اللہ میں رہتے ہیں اور نہ ان میں کوئی مومن ہی ثابت ہو سکتا ہے آئمہؑ تو پھر بھی اللہ کے بندے ہیں اس عقیدے سے تو اللہ تعالیٰ کو بھی مجبور و لاچار ماننا پڑتا ہے کہ ابتدائے آفرینش سے ہدایت خلق کے لئے اللہ تعالیٰ مسلسل انبیاء و رسل بھیجتا رہا ہے

....

حضرت شمس الواعظین سید ظفر حسن صاحب قبلہ جامع امامیہ کراچی

اورسب سے آخر میں اپنی سب سے بڑی نعمت کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا اور اپنی نعمت تمام کر دی مگر کچھ لوگوں نے ایسی چالیں چلیں کہ اللہ پاک کی اسکیم کو ملیا میٹ کر دیا۔ ایسے خیالات عدم بصیرت کا نتیجہ ہیں ۔ یہ تو تمام رسولؐ آلؑ رسولؐ کے راز ہیں جو راہ معرفت پر قدم بڑھائے بغیر منکشف نہیں ہو سکتے اور جن پر منکشف ہو جائیں وہ ظاہر نہیں کر سکتے البتہ طالبین پر جن میں ان پر صبر کرنے کی اہلیت ہو گی بارگاہ امامت سے طلب کرنے پر منکشف ہو جائیں گے خواہ وہ القا فرما دے یا کوئی واسطہ و وسیلہ مہیا فرما دے۔ وہی ایسے حقائق ہیں جن کے ظاہر ہونے کے بعد قلوب روشن ہو جاتے ہیں کسی قسم کے شکوک و وساوس کا امکان ہی باقی نہیں رہتا۔

اس کتاب کے حصہ اول میں نکات و حقائق کی طرف صرف اشارہ کیا جا سکا ہے۔ پوری شرح و بسط کے ساتھ بحث اہل بیتؑ حصہ دوم میں کی گئی ہے امید ہے کہ شائق حضرات حصہ دوم کا بغور مطالعہ فرمائیں گے۔ رسالہ ''خون ناحق'' اور اس کتاب کے حصہ سوم میں بھی کچھ گزارشات درج کی گئی ہیں۔ محبان اہلبیتؑ سے امید ہے کہ اس رسالہ کا بھی بغور مطالعہ فرمائیں۔

حصہ دوم

- ( ) علماء کے درمیان اختلاف کے اسباب
- ( ) عقل سے کام لینے اور احادیث مبنی بر حقیقت کی جستجو کی ضرورت
- ( ) کتاب نفس۔ اعمالنامہ
- ( ) راویان احادیث کی منزل معرفت
- ( ) تقیہ اور اس کے وجوب کا سبب
- ( ) قرآن اور احادیث کی روشنی میں منزل ولایت و امامت
- ( ) علم الکلام۔ چند ذرائع معرفت نفس
- ( ) تعلیم معصومین کی روشنی میں متکلمین کا نظریہ توحید
- ( ) متکلمین کا نظریہ نبوت
- ( ) متکلمین کی نظر میں امامت
- ( ) قرآن واحادیث کی رو سے اہلبیتؑ
- ( ) علم کلام پر مزید روشنی

www.khrooj.com

علماء کے درمیان اختلاف کے اسباب

پہلا سبب

اہل البیتؑ حصہ اول کا مطالعہ کرنے والے حضرات کو یہ خیال ضرور آئے گا کہ علمائے شیعہ کے درمیان ایسے شدید اختلاف کا کیا سبب ہے جبکہ ایک ہی دین، ایک ہی قرآن اور ہر دو گروہ تفسیر قرآن کو اہل بیتؑ سے لینے کے مدعی ہیں تعلیم اہل بیتؑ میں اختلاف ہونا ممکن نہیں جس دین میں اختلاف ہو وہ خدا کا دین نہیں ہوسکتا۔

جناب باری تعالیٰ عزاسمہ تو فرماتا ہے

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُواْ فِيهِ اخْتِلَافاً كَثِيراً......(النساء۸۲)

(ترجمہ) کیا وہ قرآن میں تدبر نہیں کرتے اگر وہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں بہت اختلاف پاتے۔

یہ تو درست ہے کہ حق میں اختلاف نہیں ہوسکتا قرآن میں کوئی اختلاف نہیں ہے مگر تاویلات سے مسلمان بیشمار فرقوں میں تقسیم ہوگئے اسی طرح احادیث رسولؐ و آلِ رسولؐ کی غلط تاویلات سمجھنے والوں میں اختلاف پیدا ہوگیا جس کی وجہ سے شیعوں میں بھی مختلف الخیال گروہ پیدا ہوگئے۔

www.khrooj.com

حضرت علامہ شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے کتاب العقائد میں ایک باب مختلف احادیث کے عقیدے پر قائم کیا ہے۔ ایک طویل حدیث سلیم بن قیس سے نقل فرمائی ہے کہ سلیم نے امیر المومنینؑ سے اختلاف احادیث کا سبب دریافت کیا تو آنحضرتؑ نے فرمایا ''اے سلیم جب تم نے سوال کیا ہے تو اس کا جواب بھی سن لو۔ ان آدمیوں کے پاس جو کچھ ہے حق بھی ہے باطل بھی ہے، سچ بھی ہے جھوٹ بھی ہے، ناسخ بھی ہے منسوخ بھی ہے، خاص بھی ہے عام بھی، محکم بھی ہے اور متشابہ بھی ہے''۔

حضرت علامہ محمد حسین صاحب قبلہ پرنسپل دارالعلوم محمدیہ سرگودھا نے اپنی کتاب ''احسن الفوائد'' فی شرح عقائد شیخ صدوق علیہ الرحمۃ میں مختلف احادیث کے اعتقاد کے باب کی شرح صفحہ ۴۹۷ سے صفحہ ۵۲۰ تک بہ تفصیل تحریر فرمائی ہے صفحہ ۵۰۴ پر ایک سبب یہ تحریر فرمایا ہے کہ بعض احادیث میں وارد ہے۔ اِنّ فی حدیثنا محکم کمحکم القرآن و متشابہ کمتشابہ القران (ہماری احادیث میں محکم ہیں قرآن کے محکم کی طرح اور متشابہ ہیں قرآن کے متشابہ کی طرح) (مراۃ الانوار۔ بحارالانوار۔ مشکواۃ الاسرار وغیرہ)

لہٰذا کم عقل و علم حضرات جو حقائق اشیاء کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے وہ اپنی بے سمجھی سے کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ فلاں حدیث فلاں حدیث سے متعارض ہے اور فلاں حدیث عقل و قرآن کے مناقص ہے۔ ع۔ چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند۔

قال الصادق علیہ السلام ویل لا صحاب الکلام یقولون ھذا اینقاد وھذا الاینقادو ھذا ینساق وھذالاینساق (اصول کافی)

حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا اصحاب کلام کے لئے افسوس ہے جو کہتے ہیں یہ

مسئلہ صحیح ہے یہ غیر صحیح ہے یہ (ہمارے قواعد کلامیہ پر) پورا اترتا ہے یہ نہیں اترتا۔
حالانکہ علمائے ربانین کے نزدیک ان سب احادیث کے معنی صحیحہ موجود ہیں ان کو ان احادیث میں انوار حقیقت کا عکس دکھائی دیتا ہے وہ اسے پڑھ کر کلام الامام امام الکلام کا لطف حاصل کرتے ہیں سچ ہے۔ ع
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست (اب صفحہ ۵۰۵ پر تحریر فرماتے ہیں)

دوسرا سبب تقیہ

كما قال الصادق عليه السلام نحن القينا بينكم الاختلاف حقناًلدمائنا و دمائكم ......(الی الآخر)
(ہم نے اپنی اور تمہاری جانوں کی حفاظت کے لئے تمہارے درمیان اختلاف واقع کیا ہے۔ اگر تم ایک ہی نظریہ پر متفق ہو جاتے تو پہچان لئے جاتے اور یہ تمہاری ہلاکت کا سبب ہو جاتا)
لہذا یہ حکمائے ربانین ونباض فطرت حقیقت حالات کو دیکھ کر بعض مخلص اور معتمد اصحاب کو اصل حقیقت سے آگاہ فرما دیتے تھے اور عام لوگوں کو تقیۃً جواب دیتے جس کی وجہ سے کم علم واستعداد لوگوں پر حقیقت حال مشتبہ ہو جاتی تھی مگر کامل علم و استعداد اور کلام معصوم سے مانوس حضرات سمجھ لیتے تھے کہ حکم واقعی کیا ہے اور بر بناء تقیہ ظاہری حکم کیا ہے لا ان لكل حق حقيقة وعلى كل حقيقة نور (اس لئے کہ ہر حق کے لئے حقیقت ہے اور ہر حقیقت پر نور رہے) حقیر مولف ناظرین کو حضرت علامہ کے اس فقرے کی طرف توجہ دلاتا ہے وہ فرماتے ہیں ''کم علم واستعداد لوگوں

پر حقیقت مشتبہ ہو جاتی تھی مگر کامل علم و استعداد اور کلام معصوم سے مانوس حضرات سمجھ لیتے تھے کہ حکم واقعی کیا ہے اور بر بناء تقیہ ظاہر کیا ہے‘‘ اس کے لئے کوئی دلیل نہیں تحریر فرمائی کہ ان کو القا ہوتا تھا یا الہام جس سے وہ احادیث مبنی بر تقیہ اور مبنی بر حقیقت میں تمیز کر لیتے تھے۔ نہ یہ ہی ظاہر فرمایا کہ ان علماء نے کم علم و استعداد والے راویوں کی روایات کو ترک کر دیا ہے اور اپنے عقائد کی بنیادیں کامل العلم و استعداد والے راویوں کی روایات پر قائم کی ہیں۔ ہمارے ناظرین حضرت علامہ کی اس کتاب کے مندرجہ ذیل اقتباسات سے دیکھ لیں گے کہ صراط، میزان، نامہ اعمال، عرش و کرسی وغیرہ کے متعلق احادیث مبنی بر حقیقت نقل فرما کر ان کی تاویل کر کے رد کر دیتے ہیں اور تقیہ کی یا متشابہ احادیث کی تاویل کرنے والے علماء کو ملزم قرار دیتے ہیں اور شیعہ حضرات کو تلقین فرماتے ہیں کہ بہ کثرت احادیث ان کے خلاف وارد ہوئی ہیں۔ لہٰذا زیادہ حدیثوں پر ایمان لانا اور ان ہی پر عقیدہ رکھنا لازم ہے صرف دو مثالیں ہی ملاحظہ فرمالیں۔

صراط کے متعلق لکھتے ہیں۔ آل رسولؐ کا بتلایا ہوا راستہ صراط ہے ایسی احادیث وارد ہوئی ہیں مگر اس سے یہ مطلب نہیں کہ جہنم والا پل صراط غلط ہے اس پر ایمان رکھنا لازم ہے کہ قیامت میں جہنم پر بال سے زیادہ باریک تلوار کی دھار سے زیادہ تیز پل صراط رکھی جائے گی اور ہر شخص کو اس پر سے گزرنا ہوگا (لب لباب)

(مولف گوید) ہمارے علماء کے نزدیک یہ عقیدہ رکھنا لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اعمال تولنے کے بعد حساب کتاب کر لینے کے بعد بھی جانچ پڑتال کے لئے کہ کہیں تول جھونک میں یا حساب لگانے میں کوئی غلطی نہ رہ گئی ہو۔ دوزخ پر پل صراط رکھ کر

سب کو اس پر دوڑائیں گے۔

میزان کے بیان میں تحریر فرماتے ہیں ہاں یہ بھی حدیثیں ہیں کہ میزان اعمال امیر المومنین علیہ السلام ہیں یا یہ کہ میزانوں سے مراد انبیاء و اوصیاء ہیں مگر اس پر ایمان لانا ضروری ہے کہ دو پلڑے والی جسمانی ترازو پر اعمال تولے جائیں گے (لب لباب) (مولف گوید) علماء کرام کا حکم ہے کہ شیعہ حضرات کو راسخ عقیدہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں بنیے کی دکان لگائیں گے اور دو پلڑے کی ترازو پر اعمال تولیں گے۔

اسی طرح حضرت علامہ نے ہر حدیث محکم مبنی بر حقیقت کی تاویل کر کے اس کو رد کر دیا ہے اور شیعوں کو ہدایت کی ہے کہ احادیث متشابہ اور مبنی بر تقیہ پر اعتقاد کی بنا دیں قائم رکھیں۔ اس لئے کہ ایسی احادیث بہ کثرت وارد ہوئی ہیں۔ اگر ایسا اعتقاد نہ رکھا تو دین سے خارج اور گمراہ ہو جائیں گے۔ سبحان اللہ۔

تیسرا سبب

اس اختلاف کا سب سے بڑا راویان اخبار و ناقلان آثار تھے جس کی پوری پوری وضاحت جناب سلیم ابن قیس کی مذکورہ بالا روایت سے ہو جاتی ہے اور اس پر مزید کچھ تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ جس طرح جناب رسول ؐ خدا کو بعض مخربین و منافقین سے واسطہ پڑا تھا۔ اسی طرح آئمہ طاہرین علیہم السلام کو بھی بعض اشرار و مفسدین سے سابقہ پڑتا رہا جنہوں نے دین کے حقائق کو مسخ کرنے اور اسلام کا حلیہ بگاڑنے کے لئے جعلی حدیثیں بنا کر اپنا وسیسہ کاری سے

منتشر کردیں''

(مولف گوید) احادیث واخبار کی توثیق کے لئے علماء سلف نے بڑی محنتیں اور مشقیں برداشت کی ہیں اور اپنی عمریں خدمت دین میں گزار دیں۔علم الرجال میں تمام راویوں کی زندگی کے حالات جمع کئے پھر ان کی مدح یا قدح کرنے والوں کی زندگی کے حالات بڑی تحقیق سے جمع فرمائے تاکہ احادیث کی صحت وسقم کا پتہ چل سکے یہ سب کچھ تو ہوا مگر حدیث محکم ومتشابہ کے مابین امتیاز کا کوئی طریقہ معلوم نہ ہوسکا اور نہ ہی یہ معلوم ہوسکا کہ احادیث مبنی بر حقیقت کی مبنی بر تقیہ سے کیسے تمیز کی جائے اتنی محنتوں اور جانفشانیوں کے باوجود بہ کثرت روایات موضوعہ جو خلاف عقل وفطرت اور توہین معصومین پر دال ہیں کتابوں میں بھری ہوئی ہیں۔اب تو علم و دانش کا وقت ہے عقل وسائنس کا زمانہ ہے اگر شیعہ حضرات اب بھی آئمہ علیہم السلام کی احادیث محکم مبنی بر حقیقت تلاش نہ کریں گے تو اکثر تعلیم یافتہ نوجوان مذہب سے بیزار ہو جائیں گے۔اب بھی عقل سے کام لیں بہت سی کتابوں کے تراجم ہو چکے ہیں ان کو ہر پڑھا لکھا فرد دیکھ سکتا ہے۔اندھی تقلید اور ذہنی غلامی دل کو اندھا کر دیتی ہے ۔''ختم اللّٰہ علیٰ قلوبھم '' کے مصداق ہو جاتے ہیں۔دیکھیں قرآن وحدیث میں عقل سے کام لینے کی کتنی سخت تاکید ہے پہلے قرآن کریم کی چند آیات دیکھیں۔

کلام پاک میں کتنی ہی آیات میں ہے اَفَلَا تَعۡقِلُوۡن (کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے)اَفَلَا یَعۡقِلُوۡن (کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے) پھر عقل سے کام نہ لینے والوں کے لئے ارشاد ہے

وَیَجۡعَلُ الرِّجۡسَ عَلَی الَّذِیۡنَ لَا یَعۡقِلُوۡن (اللہ نجاست ڈال دیتا ہے ان پر جو

WWW.KHROOJ.COM

عقل سے کام نہیں لیتے) اور جس پر خدا نجاست ڈال دے وہ اس کی رحمت سے دور یعنی اس کی لعنت میں گرفتار رہے گا اور کتنی جگہ ارشاد ہے۔ وما یذکر الا اولی الالباب (اور نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر صاحبان عقل) اور عقل سے کام لینے کے متعلق بہ کثرت احادیث وارد ہوئی ہیں جو مستند کتب میں منقول ہیں مثلاً

( ) فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے ''جو صاحب عقل ہے اس کا ایمان حقیقی ہے وہ داخل جنت ہوگا (الشافی جلد ا ص ۸)

( ) اے ہشام خدا اپنی کتاب میں فرماتا ہے نصیحت اس کے لئے سودمند ہے جو دل یعنی عقل رکھتا ہو (الشافی ترجمہ اصول کافی ص ۱۴ اسطر ۱۴)۔

( ) اے ہشام خدا اپنی کتاب میں کہتا ہے اس کتاب میں نصیحت ہے اس شخص کے لئے جس کے پاس قلب یعنی عقل ہو (الشافی جلد ا، ص ۱۵ اسطر ۲۶)۔

( ) اے ہشام جو چاہتا ہے آرزوؤں سے چھٹکارا ملے اور حسد دل سے دور رہے اور امر دین میں سلامتی حاصل ہو اسے چاہیے کہ اللہ کی طرف رجوع کر کے یہ سوال کرے کہ وہ اس کی عقل کو کامل بنا دے (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد ا، ص ۱۶، سطر ۲۵)۔

( ) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ کفر و ایمان کے درمیان نہیں ہے فرق مگر قلت عقل کا (الشافی جلد ا)

( ) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا نبی خدا کے بندوں پر حجت ہے اور اللہ اور بندوں کے درمیان عقل حجت ہے (الشافی جلد ا، صفحہ ۲۴، سطر ۷)۔

ان آیات و احادیث کو دیکھنے کے بعد کون صاحب شعور ایسا ہوسکتا ہے جو خود اپنی

عقل سے کام لے کر سمجھنے کی کوشش نہ کرے بلکہ سنے سنائے تقلیدی عقائد میں پھنسا ہوا گمراہی میں مبتلا رہے۔ یہ وقت تو ہمارے لئے اتمام حجت کا وقت ہے اس زمانہ میں بھی جو عقل سے کام نہ لیں گے وہ مستوجب عذاب الٰہی ہوں گے لہٰذا لازم ہے کہ عقل سے کام لے کر سمجھنے کی کوشش کریں اور مندرجہ ذیل امور پر غور کریں۔

( ) ایک تین چار سالہ بچہ یا بچی اگر ماں باپ سے سوال کرے کہ بچہ کہاں سے آ جاتا ہے تو بتلائیں کہ اس کا کیا جواب دیا جائے گا اور دس بچے اپنے ماں باپ سے یہی سوال کریں تو ہر ایک ماں یا باپ اپنے بچے کی ذہنی کیفیت کے مطابق اس کو ایسا جواب دے دیں گے جس سے اس ہیجان میں جو بچہ کے ذہن میں پیدا ہوا ہے سکون ہو جائے۔ حقیقت تو اس کو بتلائی نہیں جا سکتی جب اس کو شعور آئے گا تو بغیر بتلائے ہی سمجھ جائے گا۔

( ) لڑکوں اور لڑکیوں کو پڑھانے کے لئے دینیات کی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں دینیات کی پہلی کتاب میں ہی غسل جنابت کا ذکر ہے "غسل جنابت واجب ہوتا ہے جب سوتے یا جاگتے میں منی خارج ہو یا دخول کرے قبل یا دبر میں اگرچہ سر حشفہ ہی داخل ہو خواہ انزال نہ ہوا ہو" عقل سے کام لینے والے اساتذہ اس غسل کے متعلق بچوں کو نہیں پڑھاتے بلکہ کہہ دیتے ہیں کہ اس حصے کو چھوڑ دو مگر کتاب تو بچہ کے پاس ہے اگر وہ خود پڑھ لے اور لڑکا یا لڑکی ان الفاظ اور اس عبارت کا مطلب سمجھنا چاہیے تو صاحبان عقل بتلائیں کہ ان کو کیا جواب دیا جائے گا۔ ہر صاحب فہم یہی کہے گا کہ بچہ سے ایسی تاویل کر دینی چاہیے جس سے اس کے ذہن میں پیدا شدہ ہیجان میں سکون آ جائے اور اس کی توجہ ادھر سے ہٹ جائے۔ یہ سوالات ایسے ہیں کہ ان

www.khrooj.com

کی حقیقت اس کو بتلانے یا سمجھانے کی ضرورت نہ ہوگی جب شعور آئے گا بغیر بتلائے ہوئے خود ہی سمجھ جائے گا۔

انذار و بشارت کے لئے بچوں سے کہتے ہیں ''اللہ مارے گا'' اللہ پیسے دے گا'' اللہ مٹھائی دے گا'' وغیرہ یا کہتے ہیں '' شرارت کرو گے تو بھات کا ڈلا پیٹ میں گھس جائے گا۔ ''توے چڑھی پیٹ میں گھس جائے گی''۔ اف توے چڑھی پہلے منہ میں آتی ہے پھر حلق میں جاتی ہے'' یا کہتے ہیں کہ ''بی بی شادی تمہیں پکڑ لیں گی۔ ایک بی بی شادی میں چھ سو ٹانگیں چھ سو ہاتھ چھ سو آنکھیں، تین سو سر اور ہزاروں دانت ہوتے ہیں، وہ بیس دیگیں کھا جاتی ہے۔ ایک لڑکے اور ایک لڑکی کو پکڑ لیا۔ لڑکی بچاری روتی چلی گئی پھر ایسا پکڑا کہ عمر بھر نہ چھوڑا'' وغیرہ وغیرہ۔ اب بتلائیں کیا کبھی بچوں کو ان کی حقیقت بتلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ نہیں کبھی نہیں جب ان کو شعور آتا ہے بغیر بتلائے خود ہی سمجھ لیتے ہیں کہ ان کی حقیقت کیا ہے۔ بھات کا ڈلا ابالے ہوئے چاول ہیں۔ توے پر چڑھی روٹی روزانہ پیٹ میں جاتی ہے اور بی بی شادی کس طرح پکڑ لے جاتی ہے۔

اب عقل سے کام لینے والے غور کریں کہ اگر کسی بچے کو شعور حاصل نہ ہو اور ان بحثوں پر دماغ سوزی کرتا رہے کہ ابا جان نے فرمایا تھا بی بی شادی میں چھ سو ٹانگیں تھیں اور چھ سو ہاتھ تھے۔ اور چچا جان نے کہا تھا پانچ سو ٹانگیں اور ہاتھ تھے اور ماموں جان نے تین سو بتلائے تھے۔ اب ان میں کونسا قول صحیح سمجھا جائے تو کیا اس دماغ سوزی کے باوجود کبھی بھی بی بی شادی کی حقیقت سمجھ سکے گا۔

صاحبان عقل پر لازم ہے کہ غور کریں اور سمجھیں کہ دین کیا ہے اور اسلام کی حقیقت

کیا ہے۔ رسولؐ کی بعثت کا مقصد کیا بتلایا گیا۔ قرآن نے تو صاف بتلا دیا ہے کہ بعثت رسولؐ کا مقصد وحید تزکیہ نفس مخلوق ہے۔ رسولؐ کو اسی لئے بھیجا گیا ہے کہ لوگوں کے نفسوں کا تزکیہ کرے کیونکہ دین کا تعلق تو تمام کا تمام نفس انسان سے ہے۔ اب یہ بھی دیکھیں کہ قران کیا ہے قرآن حکیم نے تو اپنی حقیقت واضح طور پر بیان کر دی ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے وَمَا كَانَ هَـٰذَا الْقُرْآنُ أَن يُفْتَرَىٰ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَـٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ...... (یونس ۳۷)

(اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ بنایا جا سکے غیر اللہ سے لیکن یہ تصدیق ہے اس کی جو اس کے آگے ہے (یعنی کتب سابقہ) اور تفصیل ہے اس کتاب کی جس میں کوئی شک نہیں ہے جو عالمین کے رب کی طرف سے ہے)

یہ بات غور طلب ہے کہ رب کی یہ کونسی کتاب ہے جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ مولوی فرمان علی صاحب کے ترجمہ کے مطابق وہ پہلی کتابیں ہیں۔ ترجمہ مولوی فرمان علی ''یہ قرآن ایسا نہیں کہ خدا کے سوا کوئی اور اپنی طرف سے جھوٹ موٹ بنا ڈالے بلکہ یہ تو جو (کتابیں پہلے کی) اس کے سامنے موجود ہیں اس کی تصدیق اور (ان کتابوں کی) تفصیل ہے اس میں کچھ شک بھی نہیں۔ یہ سارے جہاں کے پروردگار کی طرف سے ہے''۔ اور مولوی مقبول احمد صاحب کا ترجمہ یہ ہے ''اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ خدا کے سوائے کسی اور کی طرف سے بنا لیا جائے بلکہ یہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ تمام عالم کے

www.khrooj.com

پروردگار کی طرف سے لکھے ہوئے احکام کی تفصیل ہے''۔

افسوس قرآن کی کس طرح تحریف کی جاتی ہے عربی کا ایک مبتدی طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے کہ لاریب فیہ اس کتاب کی صفت ہے جس کی یہ قرآن تفصیل ہے اور من رب العالمین یہ بھی اسی کتاب کی صفت ہے جس میں کوئی شک نہیں اور جس کی تفصیل قرآن بیان کرتا ہے اب ناظرین غور کریں کہ جو لوگ ان مذکورہ تراجم کو دیکھیں گے ان کو یہ خیال ہی کیوں آئے گا کہ جناب رب العزت کی وہ کونسی کتاب ہے جس میں کسی طرح کا شک وشبہ نہیں اور جس کی تفصیل قرآن پاک میں بیان کی گئی ہے اگر علمائے کرام سے کوئی دریافت بھی کرے گا تو اکثر یہ جواب دے کر ٹال دیں گے کہ وہ لوح محفوظ ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جس میں قیامت تک کے حالات لکھے ہوئے ہیں پھر اگر کوئی سائل جرات کر کے یہ بھی سوال کرے کہ حضور تو ناشران علوم اہل بیتؑ میں سے ہیں تو فرمایئے یہ کونسی کتاب ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيباً ......(بنی اسرائیل ۱۴)

(ترجمہ: اپنی کتاب پڑھ لے آج تو اپنے نفس پر محاسبہ کے لئے خود ہی کافی ہے) تو اس کا جواب تو وہ اپنے قیاسی تراجم میں ہی دے چکے ہیں۔ لکھ دیا ہے'' اپنا نامہ اعمال پڑھ لے'' اور بتلا دیں گے کہ ہر شخص کے کاندھوں پر دو فرشتے متعین ہیں۔ وہ ہر لفظ جو بولا یا سنا۔ ہر حرکت وسکون ہر قول وفعل برابر لکھے چلے جا رہے ہیں اور یہ اعمال کی مثلیں دن کے کاتب اعمال شام کو اور رات والے صبح کو خدمت رسولؐ میں پیش کرتے ہیں۔ پھر آئمہ علیہم السلام کی خدمت میں لے جاتے ہیں سب سے آخر

حضرت حجت کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ بعد فراغت آسمان پر لے جا کر اللہ تعالیٰ کے حضور معائنہ کے لئے پیش کرتے ہیں۔ ہر شخص کی مثل روز قیامت اس کے گلے میں لٹکا دیں گے اور حکم ہوگا اپنی کتاب پڑھ لے۔ علماء شیعہ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیت کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَآئِرَهُ فِىْ عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَاباً يَلْقَاهُ مَنشُوراً......(بنی اسرائیل ۱۳)

اور ہم نے ہر آدمی کے نامہ اعمال کو اس کے گلے کا ہار بنا دیا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کے سامنے نکال کر رکھ دیں گے وہ اس کو کھلی ہوئی کتاب اپنے روبرو پائے گا (ترجمہ فرمان علی)

اب مولوی مقبول احمد صاحب کا ترجمہ بھی دیکھ لیں ''اور ہر انسان کا عمل ہم نے اس کے گلے کا ہار کر دیا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کے لئے ایک نوشتہ نکالیں گے جسے وہ پھیلا ہوا پائے گے'' حیرت ہے کہ ان علماء کو حقائق نظر نہیں آتے حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ تحریر فرما گئے ہیں۔ آیہ مذکورہ کے متعلق فرماتے ہیں'' یہ وہی کتاب ہوگی جو نفس انسان پر لکھی گئی ہوگی'' (الشافی جلد۲ ص ۱۰ سطر ۱۴)

اگر علماء سے یہ دریافت کیا جائے یہ کونسی کتاب ہے جس کا ذکر سورہ جاثیہ میں ہے

هَذَا كِتَابُنَا يَنطِقُ عَلَيْكُم بِالْحَقِّ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ......(الجاثیہ ۲۹)

(یہ ہماری کتاب ہے جو تم پر حق ہی کہے گی ہم تو لکھتے رہتے تھے جو تم کرتے رہتے تھے) تو فوراً جواب دیں گے کہ وہ کتاب جس پر اللہ تعالیٰ ہر دم لکھتے رہتے ہیں نامہ

اعمال ہے جو دو فرشتے انسانی کاندھوں پر متعین ہر دم لکھتے رہتے ہیں۔
عقل سے کام لینے والے لوگ تو سمجھ جائیں گے کہ حضرت مجلسی علیہ الرحمۃ تو بتلا گئے ہیں کہ وہ کتاب نفس انسان ہے (۱) اور ہر سمجھدار شخص پر واضح ہے کہ پیدائش سے لے کر اس وقت تک تمام اشیاء جن کا احساس ہوا تمام حرکات وسکنات ہر قول وفعل جو صادر ہوا تمام کے نقوش اس کے نفس کے اندر موجود ہیں جو مخلوق نوری کراماً کا تبین کے بنائے ہوئے ہیں جس میں کسی طرح شک وشبہ ہی نہیں ہوسکتا۔ یہی رب العالمین کی وہ کتاب لا ریب فیہ ہے جس میں کوئی ریب نہیں اور اسی کتاب سے یعنی نفس انسان سے ہی دین کا تعلق ہے بلکہ دین کا تو انحصار ہی اس کی اصلاح پر ہے ۔ بعثت رسولؐ کا مقصد وحید اصلاح نفس انسان ہی ہے جناب رب العزت نے خود ہی واضح فرمادیا ہے۔اقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيباً۔اس آیت میں صاف ظاہر کردیا ہے کہ تیری کتاب تیرا نفس ہے اور امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے وانت کتاب المبین الذی باحرفہٖ یظهر المضمر (اے انسان) تو ہی تو وہ بولتی کتاب ہے کہ تیرے الفاظ سے پوشیدہ راز ظاہر ہوتے ہیں۔
اب تو ہر عقلمند شخص سمجھ سکے گا اس آیہ وافی ہدایہ کا اصل مفہوم کیا ہے تفصیل الکتاب لا ریب فیہ سے کیا مراد ہے۔مطلب واضح ہے کہ محکمات یعنی اوامر ونواہی کے علاوہ تمام قرآن متشابہ ہے اور متشابہ آیات میں کیفیات نفس تمثیلوں اور استعاروں میں بیان کی گئی ہیں۔

....

(دیکھیں الشافی ترجمہ اصول کافی جلد۲ سطر۱۴)

لہٰذا الفاظ کے ظاہری معنی مراد لے کر ان کی تشریحیں کرنا سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ اتنا تو ہر شخص جانتا اور سمجھتا ہے کہ نفس انسان کی کوئی کیفیت اس کا کوئی حس یا احساس لفظوں میں بیان نہیں ہوسکتا۔ جو کچھ کہا جائے گا وہ تمثیلوں اور استعاروں میں ہی ہوگا۔ لہٰذا ماں باپ جس طرح ناداں بچوں کو کیفیات نفس کے متعلق سوالات کا جواب ایسی تمثیلوں میں دے دیتے ہیں جس سے بچہ کے ذہن میں سکون ہو جائے اسی طرح انبیاء علیہم السلام پر جو امت کے باپ ہیں لازم ہے کہ امت کے لاشعور افراد کو اعلیٰ کیفیات نفس اور عالم غیب کے متعلق سوالات کا جواب ایسی تمثیلیں بیان کر کے دے دیں کہ ان کو تسکین ہو جائے وہ تو ان کو راہ شعور پر چلانا چاہتے ہیں۔ پس جو شعور حاصل کرلے گا اس پر ان اقوال کی حقیقت اسی طرح منکشف ہو جائے گی جس طرح کہ بچہ کو جب شعور آتا ہے تو اس پر بی بی شادی، تو ے چڑھی وغیرہ کی حقیقت بغیر بتلائے ہی واضح ہو جاتی ہے۔ متشابہات کی تفسیریں اور تشریحیں بالکل ایسی ہی ہوں گی جیسے گاؤ زبان کے معنی گائے کی جیب سمجھ کر اس کی مفصل شرحیں لکھ دی جائیں کہ گائے کی جیب کیسی ہوتی ہے۔ اس میں اور بیل کی جیب میں کیا فرق ہوتا ہے بھینس اور بھینسے کی زبان گھوڑے گدھے کی زبان غرض کہ تمام درندوں چرندوں کی زبانوں کی تفصیل لکھی جائے تو ایک بہت بڑا کتب خانہ ہو جائے گا حالانکہ گاؤ زبان سے اس کو دور کا واسطہ بھی نہ ہوگا۔ ہر صاحب فہم سمجھ سکتا ہے کہ وہ کب خانہ علوم سے مملو ہوگا یا جہالت سے ممکن ہے یہ بیان کہ انبیاء علیہم السلام امت کے لاشعور افراد کو ان کے سوالات کا جواب اس طرح دے دیتے تھے جیسے لاشعور بچوں کے ایسے سوالات کا جواب جن کا تعلق کیفیات نفس یا اشیاء غیب سے ہو

تمثیلوں اور استعاروں میں دے دیا جاتا ہے۔ ذرا گراں گزرے اس لئے چند احادیث اس بیان کی تائید میں پیش کرتا ہوں۔

()قال رسول اللّٰہ ۔ انا معاشر الا انبیاء امرنا ان نکلم الناس علیٰ قدر عقولھم (ترجمہ) فرمایا جناب رسول خدا صلعم نے ہم گروہ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے ان کے اندازہ عقل کے مطابق کلام کریں (الشافی جلد نمبر ا ص ۲۲)

() حضرت امام تقی علیہ السلام نے بہ سلسلہ امام جعفر صادق و امام محمد باقر علیہم السلام روایت کی ہے (اس کے چند فقرے یہ ہیں) ''اور فرمایا اللہ نے منع کیا ہے اس سے کہ اس کے علم پر مطلع کیا جائے مگر اس کو جس کے ایمان کا امتحان لے لیا گیا ہو'' (الشافی جلد ا ص ۲۹۹ سطر ۱۳)

() زُرارہ بن اعین کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک مسئلہ پوچھا حضرت نے اس کا جواب دیا پھر ایک اور شخص آیا اور وہی مسئلہ پوچھا۔ امام نے اس جواب کے علاوہ جو مجھے دیا تھا اور جواب دیا۔ پھر ایک اور شخص آیا تو اس کو اسی مسئلہ کا جواب پہلے ہر دو جواب سے الگ دیا جب وہ دونوں آدمی چلے گئے تو میں نے کہا یابن رسول اللہ یہ دونوں عراقی آپ کے پرانے شیعوں میں سے ہیں ان کے سوالات کے جواب آپ نے الگ الگ کیوں دیئے فرمایا۔ اے زرارہ یہی بہتر ہے تمہارے اور ہمارے لئے اگر تم ایک ہی امر پر جمع ہو جاؤ تو مخالف تم کو اپنی مجلس سے نکال دیں پھر تم ہمارے پاس کہنے آؤ کہ خروج کیجئے اس طرح ہمارا اور تمہارا دنیا میں رہنا کم ہو جائے (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد ا ص ۷۱)

() ایک شخص نے حضرت صادق علیہ السلام سے ایک مسئلہ پوچھا حضرت نے اس کا

جواب دیا دوسرے نے بھی وہی پوچھا آپ نے اس کو پہلے جواب سے علیحدہ جواب دیا۔ تیسرے آدمی نے بھی وہی مسئلہ پوچھا آپ نے اس کو جواب دیا تو وہ پہلے دو جوابوں سے الگ تھا (الشافی جلد ا ص ۵۹۵)

( ) ضیاء النفوس ترجمہ حیات القلوب جلد سوئم صفحہ ۱۱۹ پر موسیٰ ابن اثیم سے ایسی ہی روایت منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیہ السلام سے ایک شخص نے ایک آیت کی تفسیر کے متعلق سوال کیا۔ حضرت نے جواب دیا ایک دوسرا شخص آیا اس نے وہی سوال کیا اس کو دوسرا جواب دیا جو پہلی تفسیر کے خلاف تھا۔ یہ حالت دیکھ کر میرے اوپر ایسی کیفیت طاری ہوگئی کہ بس خدا ہی جانتا ہے گویا میرے دل کو کسی نے ٹکڑے کر دیا۔ اسی خیال میں تھا کہ ایک اور شخص آیا اس نے بھی اسی آیت کے متعلق سوال کیا۔ امام نے علاوہ ان دو جوابوں کے دوسری تفسیر بیان کر دی۔ اس وقت میں سمجھا کہ یہ غلطی نہیں بلکہ مصلحتاً اور تقیہ کے طور پر جان بوجھ کر ایسا کیا گیا ہے۔ (یہ روایت مذکورہ کا لب لباب ہے اصل بہت طویل ہے)

( ) فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہمارے پاس ایک بھید ہے خدا کے بھیدوں میں سے اور ایک علم ہے خدا کے علم سے واللہ اس کا تحمل نہیں کر سکتا مگر ملک مقرب یا نبی مرسل یا وہ مومن جس کے ایمان کا خدا نے امتحان لے لیا ہو۔ (الشافی جلد ا ص ۵۴۴ سطر ۲۲)

( ) صفوان نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا آیا ہو سکتا ہے امام سے حلال حرام کے مسائل پوچھے جائیں اور اس کے پاس ان کا جواب نہ ہو۔ فرمایا کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ امام کے پاس جواب نہ ہو مگر کسی مصلحت کی وجہ سے بیان نہیں کرتا (ضیا

النفوس ص ۱۲۰ سطر ۱۲)

( ) ضیاء النفوس صفحہ ۱۲۵ پر ایک روایت منقول ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ سوائے ہمارے کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کے پاس کل قرآن مع اپنے ظاہر و باطن کے موجود ہے۔ یہ علوم ہم کو اللہ نے دیئے ہیں پس اگر لوگ ان علوم کو برداشت کرسکیں یا ہم ایسے افراد پائیں کہ ہمارے بھیدوں کو فاش نہ کریں یا کوئی راز ان سے کہا جاسکتا تو بے شک ضرور ہم بتلا دیتے۔

( ) ضیاء النفوس کے صفحہ ۱۱۶ پر مترجم صاحب نے نوٹ دیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کو مامور کیا گیا تھا کہ ترک تقیہ نہ کریں اگر نقصان کا خطرہ ہو تو اظہار حق نہ کریں۔ وہ حالات جو حضرت رسول خدا اور آئمہ معصومینؑ جانتے ہیں اکثر مخلوقات ان کے فہم و ادراک سے قاصر ہیں یہی وجہ ہے کہ آئمہ سنیوں کے مقابل کم فہم شیعوں سے تقیہ فرمایا کرتے تھے اس لئے کہ شیعہ ان حضرات کی بعض عجیب باتیں یا معجزات دیکھ کر غلو کی حد میں پہنچ کر جوش عقیدت میں خدائی کے قائل ہو جایا کرتے تھے (بقدر ضرورت نقل کیا)

( ) فرمایا ابو عبداللہ علیہم السلام نے اے ابو بصیر خدا کی قسم اگر میں تم میں تین شیعہ امامیہ پالیتا جو از راہ تقیہ ہماری بات کو صیغہ راز میں رکھتے تو میرے لئے اپنی بات کو ان سے چھپانا جائز نہ ہوتا۔

اس حدیث کو دیکھ کر ممکن ہے کسی کو یہ خیال آئے کہ اس زمانہ میں کیا شیعان اہل بیتؑ تھے ہی نہیں تو یہ خیال صحیح نہ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ جو اہل بیتؑ کے مخلص شیعہ تھے اور احکام پر پوری طرح عمل کرنے والے تھے ان پر تو حقائق خود ہی منکشف ہو جاتے

www.khrooj.com

تھے چونکہ وہ راہ معرفت پر چلتے تھے ان کوشعور باطن حاصل ہو جاتا تھا اس وقت وہ حقیقت کو اسی طرح سمجھ جاتے تھے جیسے بچہ شعور آتے ہی ’’بی بی شادی‘ توے چڑھی ‘‘وغیرہ کی حقیقت خود ہی سمجھ لیتا ہے یہ خطاب تو ان شیعوں سے ہے جو امیر المومنین علیہ السلام کو خلیفہ بلافصل جانتے تھے اور دیگر آئمہ کی امامت کے قائل تھے مگر ان کو معرفت نفس اور نتیجہ میں معرفت امام حاصل نہ تھی ۔ البتہ ظاہری معرفت ضرور تھی کہ اتنا جانتے کہ یہ حضرات خدا کی طرف سے معین کردہ خلق اللہ کے امام اور جانشین رسولؐ ملک العلام ہیں۔

مذکورہ بالا بیانات سے ناظرین یہ تو اندازہ کر سکتے ہیں

☆ کہ آئمہ علیہم السلام عوام شیعہ پر حقائق کا اظہار کر ہی نہ سکتے تھے اس لئے کہ ان کی گمراہی کا خوف تھا اور......

☆ کہ تمام وہ روایات جن پر ہمارے علماء کے عقائد کی بنیادیں قائم ہیں ان کے راویوں میں اکثر کی منازل معرفت کیا تھیں مثلاً

() مذکورہ بالا احادیث نمبر ۳ میں زرارہ بن اعین کی معرفت ظاہر ہوگئی کہ مختلف جوابات کی علت کو نہ سمجھ سکے۔

() حدیث نمبر ۵ میں موسیٰ بن اشیم کے دل میں دوسرے مختلف جواب پر امام کے متعلق وساوس پیدا ہو گئے ۔

() الشافی جلد ۲ صفحہ ۲۶۶ پر ایک طویل حدیث منقول ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ’’ سدیر سیرفی کہتے ہیں کہ میں صادق آل محمدؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی خدا کی قسم اب آپ کے لئے گھر میں بیٹھ رہنا درست نہیں ۔ حضرت نے فرمایا کیوں

میں نے کہا آپ کے دوستوں شیعوں اور انصار کی کثرت کی وجہ سے ۔فرمایا سدیر تم بھلا کتنے ہو۔ میں نے کہا ایک لاکھ فرمایا ایک لاکھ۔ میں نے کہا جی ہاں بلکہ دو لاکھ۔ فرمایا دو لاکھ۔ میں نے کہا بلکہ نصف دنیا۔ یہ سن کر حضرت خاموش ہو گئے اور فرمایا کہ تیرے لئے آسان ہے کہ تو ہمارے ساتھ چشمہ منبع تک چلے (غرضکہ حضرت کے ہمراہ سوار ہو کر چلے یہاں تک کہ سرخ رنگ کے ایک خطہ پر پہنچے) ایک لڑکے کو بکریاں چراتے دیکھا تو حضرت نے فرمایا اے سدیر میرے شیعہ اگر بقدر ان بکریوں کے ہوتے تو میں خروج کرتا۔اس کے بعد میں نے ان بکریوں کو شمار کیا تو ان کی تعداد سترہ تھی۔

( ) راوی کہتا ہے میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے کہا آپ کے شیعہ عراق میں بکثرت ہیں آپ بنی امیہ پر خروج کیوں نہیں کرتے آپ کے خاندان میں آپ جیسا کوئی نہیں ۔فرمایا اے عبداللہ بیوقوفوں کی بات پر کان لگاتے ہو خدا کی قسم میں صاحب الامر نہیں ہوں (الشافی جلد ا ص ۴۴۵ سطر ۱۵)

( ) الشافی جلد ۲ صفحہ ۳۹۰۔۳۹۱ پر ایک طویل روایت زرارہ سے منقول ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ زرارہ حمران دبکیر کے ساتھ خدمت امام محمد باقر علیہ السلام میں جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو'' ہم سے موافق ہوتا ہے علوی ہو یا غیر علوی ہو ہم اس سے محبت کرتے ہیں اور جو ہمارے خلاف ہے علوی ہو یا غیر علوی ہم اس کو برا سمجھتے ہیں''

غرضکہ حضرت نے ان کے خیال کے خلاف کہا تو زرارہ بحث کرنے لگے یہاں تک کہ حضرت کی آواز بلند ہوئی اور زرارہ کی بھی ۔حضرت نے فرمایا'' اے زرارہ اللہ

کو یہ حق ہے کہ وہ اہل ضلال کو داخل جنت کرے''۔

( ) زرارہ سے مروی ہے میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سوال کیا۔کیا مومن جہنم میں جائے گا۔فرمایا خدا کی قسم نہیں ۔ میں نے کہا کیا اس میں صرف کافر ہی جائے گا فرمایا نہیں۔مگر جس کو اللہ چاہے ۔ راوی اولیٰ کہتا ہے مجھ سے زرارہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ امام علیہ السلام بوڑھے ہوگئے ہیں ان کو فریق مخالف سے مناظرے کا علم نہیں کہ نہ عقلی دلیل بیان کی نہ نقلی۔حضرت نے مجھ سے کہا تم کیا کہتے ہو اس کے بارے میں جس نے تم کو آقا مان لیا ہو کیا تم اسے قتل کردو گے اور کیا کہتے ہو اپنے نوکروں اور خاندان والوں کے متعلق کیا تم ان کو قتل کردو گے۔تب میں نے کہا واللہ مناظرہ کا علم مجھ ہی کو نہ تھا (الشافی جلد۲ ص۳۹۳)

( ) ہارون مکی کا واقعہ بہت مشہور ہے۔شمس الواعظین مولانا سید ظفر حسن قبلہ نے بھی امام جعفر صادق علیہ السلام کی کہانی میں صفحہ ۲۶ پر نقل فرمایا ہے''مامون امی کہتا ہے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ سہل ابن حسن خراسانی حاضر ہوئے ۔سلام کر کے بیٹھ گئے ۔ کہنے لگے آپ امام ابن امام ہیں اہل بیتؑ رسولؐ ہیں ۔ خلافت آپ کا حق ہے پھر آپ کیوں دعویٰ نہیں کرتے حالانکہ ایک لاکھ شیعہ اس وقت آپ کی مدد کو تیار ہیں۔فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ۔ پھر لونڈی سے فرمایا تنور میں آگ روشن کردے جب شعلے بھڑکنے لگے تو فرمایا ذرا تنور میں کود پڑو اس نے کہا خدا و رسول کے لئے مجھے آگ میں نہ جلائیے ۔اتنے میں ہارون مکی آ گئے حضرت نے فرمایا آ گئے ۔ حضرت نے فرمایا اس تنور میں کود پڑو یہ حکم سنتے ہی وہ فوراً تنور میں جا بیٹھے ۔حضرت یہاں اس مرد خراسانی سے باتیں کر رہے تھے ۔سہل

خراسانی بے چین تھا کہ امام کا کلام ختم ہو تو دیکھوں ہارون پر کیا گزری۔ آخر حضرت اسے لئے ہوئے تنور پر آئے دیکھا ہارون چارزانوں بیٹھے ہیں اور آگ تنور کے اندر بالکل سرد ہوگئی ہے حضرت نے فرمایا خراسانی سچ بتانا ایسے لوگ خراسان میں کتنے ہیں عرض کی ایک بھی نہیں فرمایا پھر تو ہی بتا دے ہم کیسے اپنا حق حاصل کریں کم ازکم پانچ آدمی تو خروج کے لئے چاہیں۔

(مولف گوید) اس روایت سے بھی ممکن ہے کسی کو یہ گمان ہو جائے کہ اس وقت پانچ راسخ العقیدہ شیعہ بھی موجود نہ تھے۔ یہ خیال صحیح نہ ہوگا۔ یہ تو عام ظاہر پرست شیعوں پر حجت کے لئے ارشاد فرمایا۔ جو واقفان اسرار تھے وہ تو جانتے تھے کہ آئمہ کا مقصد مظلوم بن کر قلوب متوسلین کو درد دینا ہے جس سے صفائے قلب پیدا ہوتی ہے نور ایمان حاصل ہوتا ہے اور عالم غیب کا ادراک ہو جاتا ہے اسی وقت ''یـــومـــنـــون بالغیب'' کی جماعت میں شامل ہوتا ہے۔

( ) معلیٰ بن خنیس کہتے ہیں میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک دن کہا کہ ایک دن مجھے خیال آیا بنی عباس کی حکومت و دولت و عیش و عشرت کا۔ میں نے دل میں کہا اگر یہ حکومت آپ کے لئے ہوتی تو ہم بھی عیش سے زندگی بسر کرتے۔ حضرت نے فرمایا وائے ہو تم پر اے معلیٰ (تا آخر) الشافی جلد ا صفحہ ۵۵۵)

(مولف گوید) جن لوگوں کو معرفت حاصل ہو جاتی تھی اور اہل بیتؑ کے رازوں سے واقف ہو جاتے وہ تو جانتے تھے کہ بقائے اسلام کے لئے قربانیاں دینے کی ضرورت ہے اور وہ فکر میں رہتے تھے کہ قربانی پیش کر دیں۔ ان کو عیش و عشرت کا خیال ہی کیوں آئے گا۔ ایسے خیال تو انہیں کے ذہن میں آتے تھے جن کو معرفت

www.khrooj.com

حاصل نہ تھی ۔ پھر ایسے بے معرفت راویوں سے حقائق کیسے بیان کیئے جا سکتے ہیں ۔
( ) راویوں نے کہا ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے فرمایا میرے پاس خزائن زمین ہیں اوران کی کنجیاں ہیں ۔اگر میں زمین پر اپنا پیر مار کر کہوں جو سونا تیرے اندر ہے اسے نکال تو وہ نکال دے گی پھر آپ نے ایک پیر سے زمین پر خط دیا۔زمین وہاں سے شق ہوگئی ۔پھر اپنے ہاتھ سے سونے کی اینٹ جو ایک بالشت کے برابر تھی نکالی اور فرمایا اے لوگو اچھی طرح دیکھ لو۔ہم نے دیکھا تو بہت سی سونے کی اینٹیں ایک دوسرے پر رکھی چمک رہی تھیں ۔ہم میں سے ایک نے کہا آپ کو جو کچھ دیا گیا ہے اس میں سے اپنے محتاج شیعوں کو بھی دیجئیے ۔فرمایا ہمارے شیعوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں میں حصہ ہوگا اور خدا ان کو جنت میں داخل کرے گا اور ہمارے دشمنوں کو جہنم میں (الشافی جلد ا صفحہ ۴۴۶) ۔
( ) مولوی مقبول احمد صاحب نے اپنے ترجمہ کلام اللہ کے پندرہویں پارہ کے ضمیمہ میں آیہ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے محمد ابن حرب ہلالی نے حضرت صادق علیہ السلام سے عرض کی یا بن رسول اللہ میرے دل میں ایک بات ہے جو حضرت سے پوچھنا چاہتا ہوں حضرت نے فرمایا تمہارا جی چاہے تو میں تمہاری وہ بات تمہارے سوال کرنے سے پہلے بیان کردوں اور جی چاہے تو تم خود ہی بیان کرو۔ میں نے عرض کی یا بن رسول اللہ بھلا آپ نے میرے سوال کرنے سے پہلے کیسے جان لی؟
آپ نے مندرجہ بالا مثالوں سے اندازہ لگایا ہوگا کہ وہ راویان حدیث جن کی روایات پر ہمارے علمائے متکلمین نے عقائد مذہبی کی بنیادیں قائم کی ہیں ان میں

سے اکثر قشری اور ظاہر بین تھے۔ واقفان اسرار سے نہیں تھے ایسے راویوں سے حقائق تو بیان نہیں کئے جاسکتے۔ اسی لئے حضرات معصومین علیہم السلام نے ایک کلمہ کا حقیقی مفہوم کسی راوی کو بتلایا اور دوسرے کا کسی اور موقع پر کسی دوسرے شخص پر ظاہر فرمادیا تاکہ طالبان حقیقت ان کو یکجا کر کے حقائق سے واقف ہوسکیں۔

جو علماء کرام واقفان اسرار گزرے ہیں ان کی تمام عمر تقیہ میں بسر ہوتی تھی معرفت کی پہلی منزل پر ہی تقیہ واجب ہوتا ہے۔ ان حضرات میں سے جن بزرگواروں نے تصانیف کی ہیں ان پر لازم تھا کہ بالکل قشریین کے رنگ میں ہی لکھتے البتہ جس طرح آئمہ علیہم السلام بیان فرماتے تھے کہ ایک کلمہ حقیقی مفہوم کہیں بیان فرمایا اور کسی دوسرے کا کہیں اسی طرح یہ حضرات عارفین بھی اشاروں اور کنایوں میں حقائق لکھ گئے ہیں تاکہ طالبان حق محروم نہ رہیں بلکہ کنایوں میں ظاہر کردہ حقائق کو یکجا کر کے رازوں تک پہنچ جائیں اور شعور حاصل کرسکیں جن علماء نے ذرا بھی کھول کر لکھ دیا ہے ان پر تصوف کا الزام عائد کیا گیا ہے مثلاً حضرت علامہ محمد حسین صاحب اپنی کتاب ''احسن الفوائد'' میں صفحہ ۲۶ پر حضرت علامہ محمد محسن ابن مرتضٰی کاشانی المعروف بہ ملا محسن فیض کے حالات میں ان کی تصانیف کا ذکر کر کے تحریر فرماتے ہیں ''اگرچہ ان کی کتب میں معمولی سا نقص یہ ہے کہ ان میں تصوف و عرفان کی جھلک پائی جاتی ہے''

ناظرین غور فرمائیں کہ آئمہ کی تعلیم کی بنیاد معرفت نفس اور عرفان ہی ہے مگر ہمارے علمائے متکلمین کے نزدیک اگر معرفت کا ذکر کفر و زندقہ کے حدود سے ملتا ہوا نہ بھی ہو تو نقص تو تصور ہوتا ہی ہے جس عالم نے ذرا بھی کھول کر لکھ دیا اس کے خلاف

متکلمین نے کفر و زندقہ کے فتوے لگائے جیسا کہ حضرت علامہ ہروی رحمۃ اللہ علیہ کے معاملے میں ہوا جس کا ذکر اسی کتاب کے حصہ اول میں گزر چکا ہے حقائق کا انکشاف تو اہل بیتؑ کی اس تعلیم پر عمل کرنے سے ہوتا ہے جو معرفت نفس کے لئے بتلائی ہے کہ اس سے عالم نور کا ادراک ہوتا ہے اور کشف سے حقائق منکشف ہوتے ہیں مگر علمائے متکلمین کے نزدیک کشف کا نام لینا جرم ہے۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ تحریر فرما گئے ہیں (دیکھیں کتاب ''صراط النجات، مشتمل بہ ترجمہ حدیث اعرابی ۱۸۸۷ء ، ۱۳۰۴ھ در مطبع جعفری نخاس جدید لکھنو بحسن اہتمام مرزا محمد علی طبع شدہ صفحہ ۴ از مصنفات خاتم المحدثین قدوۃ العلماء ربانیین اخوند ملا محمد باقر مجلسی طلب ثراہ صفحہ ۴ سطر ۹)

''در روایات متواترہ از امام محمد باقر علیہ السلام وارد شدہ است کہ ہر چہ را تصور نمائید بوہمہائے خود کہ نہایت دقت بکنید در تنزیہ او مخلوقیت مثل شما بلکہ ساختہ شما است وحق سبحانہ تعالیٰ ازان منزہ است کہ مثل شما باشد زہرا کہ بہ ہر چہ تشبیہ می کنید واقرار می وہید آنرا خدا آفریدہ است در کائنات از جواہر و اعراض و اجسام و آنچہ اطلاق ممکن و ممتنع برادجائز باشد مخلوق است پس خدا بہ ہیچ چیز نماند و ہیچ چیز مثل اونباشد''

''و دیگر معنی دقیق ذکر کردہ اند کہ عقل بان نمی رسد ونمی تواں بہ آں رسید الا بنور ایمان وکشف بعد از ریاضت و مجاہدات بسیار''

(ترجمہ) روایات متواترہ میں امام محمد باقر علیہ السلام سے وارد ہوا ہے کہ جو کچھ بھی تم اپنے وہم سے تصور کرو اس کی تنزیہ بڑی دقت کے ساتھ کرو۔ وہ تو مخلوق ہے تمہاری مثل بلکہ تمہارا بنایا ہوا ہے اور حق سبحانہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے کہ تمہاری مثل

ہواس لئے کہ جس سے تم تشبیہہ دو گے جو کچھ بھی (اپنے ذہن میں) ٹھہراؤ گے اس کو خدانے پیدا کیا ہے۔تمام کائنات میں خواہ جوہر ہو یا عرض یا جسم اور جس پر بھی ممکن وممتنع کا اطلاق جائز ہو،مخلوق ہے پس خدا کسی چیز کے ساتھ نہیں ہوسکتا اور کوئی اس کی مثل نہیں ہے اور دوسرے بہت دقیق معنی کا ذکر کیا گیا ہے کہ عقل اس تک نہیں پہنچتی اور نہیں پہنچ سکے گی مگر نور ایمان اور کشف سے بہت سی ریاضتوں اور مجاہدوں کے بعد''

(مولف گوید) اگر حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ اس قدر شدید تقیہ نہ فرماتے اور ذرا بھی کھول کر لکھ دیتے تو کیا ان پر بھی کفر والحاد کے فتوے نہ لگا دیئے جاتے اور ان کی تصانیف دیکھنے کی سخت ممانت نہ کر دی جاتی وہ تو تابع فرمان اہلبیتؑ تھے صاف و صریح احکام ہیں کہ تقیہ واجب ہے تارک تقیہ مثل تارک صلواۃ ہے حضرت علامہ شیخ صدوق علیہ الرحمۃ کتاب العقائد میں نقل فرما گئے ہیں ''اور تقیہ واجب ہے اس کا ترک جائز نہیں۔ جب تک صاحب الامر علیہ السلام ظاہر نہ ہوجائیں اور جو شخص آنخضرت کے ظاہر ہونے سے پہلے تقیہ کو ترک کرے گا وہ دین و مذہب اثناء عشری سے خارج ہوجائے گا اور خدا تعالیٰ اور رسولؐ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے خلاف کرے گا'' (اعتقادیہ شیخ صدوق صفحہ ۲۰۲ باب الاعتقاد فی التقیہ)۔

ناظرین میں سے بعض حضرات کو اب یہ خیال پریشان کرتا ہوگا کہ ایک طرف تو علماء شیعہ منبروں پر فضائل اہل بیتؑ بیان فرماتے ہیں اور عصمت انبیاء پر بے شمار دلائل پیش کرتے ہیں اور دوسری طرف وہی حضرات جب تنقیص پر اترتے ہیں تو انبیاء کو معاذ اللہ خاطی قرار دیتے ہیں اور معصومین کی توہین کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے یہ

www.khrooj.com

دورخی پالیسی کیا ہے اور کیوں ہے؟

اس کی علت غائی معلوم کرنی ہو تو فطرت نفس کا مطالعہ کریں۔ بچہ جس فضا میں تربیت پاتا ہے اسی سے متاثر ہوتا ہے ماں باپ عزیز و اقارب کے تخیلات و عقائد ذہنی اس کے نفس پر غیر ارادی اور لاشعوری طور پر نقش ہو جاتے ہیں اور جن امور یا اشیاء کا احساس حواس خمسہ ظاہری سے نہیں ہو سکتا اس کے متعلق جو کچھ سنتا ہے وہ ہی نقوش ذہن نشین ہو جاتے ہیں اور ان نقوش و عقائد سے اس کو ایسی محبت ہوتی ہے کہ ان کے خلاف نہ کچھ سن سکتا ہے نہ سوچ سکتا ہے اور نہ سمجھ ہی سکتا ہے ان پر تنقیدی نظر ڈالنا ممکن ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے خلاف کہنے والے کا دشمن ہو جاتا ہے۔ ایک شخص جس نے بت پرستی کے ماحول میں تربیت پائی ہو صاحب شعور ہو کر بھی یہ جانتے ہوئے کہ یہ پتھر کی مورتی نہ اس کو کوئی فائدہ دے سکتی ہے نہ نقصان بلکہ خود اس کو مورتی پر قدرت حاصل ہے یہ سوچ ہی نہیں سکتا کہ اس کی پرستش کیوں کروں یہ تو بے حس پتھر ہے اگر کوئی اس کے معبود کے خلاف کچھ کہتا ہے تو اس سے لڑنے مرنے پر تیار ہو جاتا ہے یہاں تک کہ ان عقائد ذہنی کی خاطر جان تک قربان کر دیتا ہے۔ تعلیم حاصل کر کے اپنے تمام علمی ذرائع سے اپنے عقائد کی تائید میں ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جہاں کوئی بات اپنے عقائد کے خلاف پاتا ہے اس کی تاویل کر کے اپنے نفس کو تسکین دے لیتا ہے۔ جناب رب العزت نے کلام پاک میں عقائد موروثی کے متعلق بہت سی آیات نازل فرمائی ہیں کہ جب بھی مشرکین سے کسی نبی یا رسول نے سوال کیا ہے کہ تم ان بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو کیا یہ سنتے یا دیکھتے ہیں تو یہی جواب ملا ہے وجدنا آباء ناكذالك يفعلون (ہم

نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا) وجدنا آباء نالھم عاکفون (ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے پایا)

نفس انسان کی یہ بھی فطرت ہے کہ وہ دوسروں کے نفوس کا اندازہ اپنی کیفیات نفسی سے کرتا ہے جیسا کہ مثل مشہور ہے المریقیس غیرہ علی نفسه (ہر شخص دوسروں کو اپنے نفس پر ہی قیاس کرتا ہے) آئمہ علیہم السلام نے نفس کی اس فطرت کے متعلق بڑی اعلیٰ تمثیل بیان فرمائی ہے النمل یظن انّ للّٰہ زبانتین (چیونٹی یہ گمان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھی ایسے ہی دو ڈنگ ہوں گے جیسے میرے ہیں) اسی فطرت کی وجہ سے انبیاء واوصیاء کے متعلق بھی ہر فرد یہی گمان کرتا ہے کہ ان کی کیفیات نفسی بھی ایسی ہی ہوں گی جیسی خود اس کی۔ اگر کسی میں اپنی کیفیات نفسی سے بلند تر اوصاف دیکھتا ہے تو اس کو خدا یا دیوتا مہاتما وغیرہ سمجھنے لگتا ہے اسی لئے انبیاء علیہم السلام پر لازم تھا کہ وہ اپنی اعلیٰ کیفیات نفسی وقوائے روحانی کا اظہار نہ کریں بلکہ ایسی ہی کیفیات کا اظہار کرتے رہیں جیسی کہ عوام الناس پر طاری ہوتی ہیں۔

غور کریں بچوں اور نادان جاہلوں کے لئے خدا کے متعلق پہلا سبق یہی ہوسکتا ہے کہ جن صفات کو وہ اپنے لئے باعث کمال جانتا ہے وہ ہی بدرجہ اعلیٰ واتم خدا کے لئے ثابت کی جائیں اور جن کو وہ اپنے لئے باعث نقص جانتا ہے ان سے خدا کو منزہ ثابت کریں مثلاً تو دیکھتا ہے تو تیرا خدا بھی دیکھتا ہے تو آنکھوں سے دیکھتا، کانوں سے سنتا ہے۔ تیرا رب بغیر آنکھ کے دیکھتا ہے بغیر کانوں کے سنتا ہے۔ وہ سمیع وبصیر ہے اسی طرح اور صفات تمثیلاً بیان کی جائیں ایک مبتدی اس سے زیادہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکتا۔ اب اگر وہ اصلاح کی راہ پر چلے اور قوائے باطنی کو ترقی دینے کی کوشش

WWW.KHROOJ.COM

کرے تو ایک وقت ایسا آ جائے گا کہ وہ بغیر آنکھ کی مدد کے دیکھ سکے گا اور بغیر کانوں کی مدد کے سن سکے گا۔اسی وقت تو وہ باری تعالیٰ کے اس فرمان پر ''وَجَعَلْنَاهُ سَمِيعاً بَصِيْرا'' (ہم نے انسان کو سمیع و بصیر بنایا) ایمان لا سکے گا اس وقت وہ سمجھے گا کہ یہ تو نفس انسان کی صفت ہے اللہ تعالیٰ کی صفات آپ کی عقل وفہم و وہم وگمان کی رسائی سے بالاتر ہیں۔اسی طرح جیسے جیسے قوائے باطنی میں ترقی ہوتی رہے گی۔معرفت زیادہ ہوتی رہے گی پس جب یہ لازمی ہے کہ خدا کے لئے نفس انسان کی کیفیات سے تمثیلیں بیان کی جائیں تو عباداللہ انبیاء علیہم السلام کے لئے بدرجہ اولیٰ لازم ہے کہ ان میں بھی عام انسانوں جیسی کیفیات ظاہر کی جائیں ورنہ عوام الناس ان کو ہی خدائی کے درجہ پر پہنچا دیں گے۔اسی لئے انبیاء علیہم السلام کو رب العزت کا صاف وصریح حکم ہے کہ وہ عوام الناس جیسے بشر بن کر رہیں ممکن ہے بعض حضرات حیران ہو جائیں کہ ایسا حکم کہاں ہے تو غور کرنے والوں کو کلام پاک میں نظر آ جائے گا دیکھیں ارشاد جناب باری ہے

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ

(اے رسول) کہہ دو کہ سوائے اس کے نہیں کہ میں بھی تمہارے جیسا ہی ایک بشر ہوں۔میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بے شک تمہارا معبود بس ایک ہی معبود ہے)

ایک کم فہم تو یہی کہے گا کہ اس آیت میں تو کہہ دینے کا حکم ہے عوام کی مثل بن کر رہنے کا حکم نہیں ہے مگر جب ایک ذی شعور جانتا ہے کہ اگر شدت گرما میں لوگ کہہ رہے ہوں کہ آج سخت گرمی ہے اور ایک شخص یہ کہے کہ ہاں بھئی مجھے بھی تمہاری

طرح گرمی ستا رہی ہے میں بھی تو تم میں سے ہی ایک فرد ہوں پھر لحاف اوڑھ کر انگیٹھی لے کر بیٹھ جائے تو کیا لوگ اس سے متنفر نہ ہو جائیں گے اب ہر ذی فہم سمجھ سکتا ہے کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام پر خدا کے حکم سے اپنے قوائے باطنی وکمالات روحانی کو چھپائے رہنا اور عوام الناس کے جذبات وکیفیات نفسی کی مثل ہی کیفیات وجذبات کا اظہار کرتے رہنا لازم وواجب ہے۔اسی کو تقیہ یا مکر کہتے ہیں اور اس امر کا اظہار جناب رسول ملک العلام علیہ الصلواۃ والسلام اور حضرات آئمہ طاہرین صلواۃ اللہ علیہم اجمعین اپنے فرمودات میں کرتے رہے ہیں۔احادیث مندرجہ ذیل ملاحظہ ہوں۔

()قال رسول اللّٰہ صلعم انا معشر الانبیاء امر نا ان نکلم الناس علیٰ قدرعقولھم فرمایا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم گروہ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے ان کے اندازہ عقل کے مطابق کلام کریں (اعتقادیہ شیخ صدوق ۱۵۴)

اس سے واضح ہے کہ صرف کہنا کافی نہیں بلکہ خدا کا حکم یہ ہے کہ جیسا زبان سے کہیں ویسا ہی عمل سے اظہار کریں ورنہ باب ہدایت مسدود ہو جائے گا یہی انبیاء وآئمہ کا تقیہ ہے ان کے تقیہ کا مفہوم یہ ہے کہ حقیقت کو نااہل سے چھپایا جائے قرآن کریم میں اسی کو مکر کہا گیا ہے۔

()ان امر النبی مثل القرآن ناسخ و منسوخ خاص و عام ومحکم و متشابہ (اعتقادیہ شیخ صدوق ص ۲۲۸)

(تحقیق کہ نبی کا امر مثل قرآن ناسخ بھی ہے منسوخ بھی خاص بھی ہے عام بھی اور

WWW.KHROOJ.COM

محکم بھی ہے اور متشابہ بھی ہے)

اس حدیث میں اگر امر کے معنی حکم سمجھ لئے جائیں تو حقیقت پر پردے پڑ جائیں گے امر کے معنی معاملہ بھی ہیں ۔ ہم اپنی زبان میں بھی بولتے ہیں کہ اس امر میں کیا کیا جائے ۔اس حدیث میں بھی امر سے مراد امر نبوت ہے ہر نبی کے احکام اور زندگی کے سارے کام ہی مراد ہیں کہ نبی کی زندگی کے بہت سے کام ایسے ہیں جو خواص کے لئے ہیں مثلاً آدھی تہائی رات کھڑا رہنا یہ عام لوگوں کے لئے نہیں ہے اور بہت سے کام ایسے ہیں کہ ہر شخص پر ان کی پیروی لازم ہے مثلاً نماز پنجگانہ روزہ ماہ صیام وغیرہ اور بہت سے کام حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں اور زیادہ تر مبنی بر تقیہ ہوتے ہیں ۔مثلاً خوف یا مجبوری کا اظہار وغیرہ ۔پس جو ایسے افعال کو حقیقت پر مبنی سمجھ لے گا گمراہی میں پڑا رہے گا۔

()قال الصادق علیه السلام التقیة دینی و دین آبائی ولا دین لمن لا تقیة له (جامع الاخبار شیخ صدوق)

(حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔تقیہ میرا دین ہے میرے آباء کا دین ہے جس کے لئے تقیہ نہیں وہ بے دین ہے)

احادیث مذکورہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ کے عباد کامل پر لازم تھا کہ پیدائش سے لے کر وفات تک اپنے قوائے روحانی پر تقیہ کا حجاب ڈالے رہیں کیونکہ امام فرماتے ہیں ''ہمارا دین ہی تقیہ ہے'' ظاہر ہے کہ یہ تقیہ وہ نہیں جس کو عوام تقیہ کہتے ہیں یعنی جان و مال کے خطرہ کے وقت خلاف ضمیر اظہار کرنا۔اگر اس نظریہ کو قبول کر لیا جائے تب تو تمام دین ہی نا قابل اعتبار ہو جاتا ہے۔حضرات معصومینؑ نے حقائق

کے اظہار کو پر زور الفاظ میں منع فرمایا جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہے ''فرمایا ابو عبداللہ علیہ السلام نے جس نے ہماری حدیث کا افشا کیا اس نے ہمیں خطاءً نہیں عمداً قتل کیا (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد نمبر۲ ص ۳۸۱)۔

اب یہ امر تو ناظرین پر واضح ہو گیا کہ انبیاء علیہم السلام پر لازم تھا کہ عوام الناس کی طرح بشر بن کر رہیں ان کی مثل کیفیات نفسی اور جذبات کا اظہار تقیۃً کرتے رہیں اور اپنے قوائے باطنی کا بلا ضرورت شدید اظہار نہ کریں اس لئے کہ اس سے عوام کی گمراہی کا اندیشہ تھا چنانچہ وہ تمام عمر اس پر عمل پیرا رہے اور حسب ضرورت اپنی مجبوری لاچاری اور مظلومی کا اظہار کرتے رہے اس شدید اخفاء پر تو ایسے گروہ پیدا ہو گئے کہ کوئی تو یہ ترانہ گا رہا ہے ''خدا خود حبیب خدا بن کے آیا'' اور کوئی نعرہ لگا رہا ہے ''علی اللّٰہ، علی اللّٰہ، علی اللّٰہ'' اور ایک مفوّضہ کا گروہ پیدا ہو گیا جن کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام کام رسولؐ و آئمہ کو سپرد کر دیئے ہیں۔ وہی مارتے ہیں جلاتے ہیں، رزق دیتے ہیں وغیرہ پس اگر انبیاء و آئمہ حقیقت کو نہ چھپاتے ہم جیسے بشر بن کر نہ رہتے تو آج اسلام کا نام و نشان بھی نہ ہوتا بلکہ ہر گھر میں ان کے بت رکھے ہوتے اور ان ہی کی پرستش جاری ہو گئی ہوتی۔

راویان اخبار کی منازل معرفت ناظرین پر واضح ہو چکی ہیں۔ بھلا ان راویوں کے سامنے حقیقت کا اظہار کہاں ممکن تھا جب تیسری صدی ہجری کے آخر اور چوتھی صدی میں مختصر کتب سابقہ سے روایات جمع کی گئیں اور شیعہ حضرات تدوین کتب کی طرف متوجہ ہوئے تو متشابہ آیات و متشابہ احادیث اور روایات و احادیث مبنی پر تقیہ کو محکم و مبنی بر حقیقت سمجھ کر ان ہی روایات و احادیث پر عقائد مذہبی کی بنیادیں قائم کیں اور

WWW.KHROOJ.COM

خدا، فرشتے، جنت و دوزخ، صراط، میزان، نامہ اعمال، اعراف، برزخ وغیرہ اور انبیاء و آئمہ کی معرفت کے متعلق ان ہی روایات و احادیث مبنی بر تقیہ اور متشابہ آیات و احادیث پر بنا کر کے مروجہ علم کلام وضع کیا۔ اور وہی تاریکی و جہالت کے زمانہ کے قائم کردہ عقائد آج تک رائج ہیں جو سالکین تعلیم اہل بیتؑ پر عمل کرنے والے تھے اور معرفت نفس حاصل کرتے تھے وہ تو بہ تعمیل احکام خدا ورسولؐ ترک تقیہ کر نہیں سکتے تھے۔ لہٰذا وہ حقائق کا اظہار بھی نہیں کرتے تھے البتہ جن کو اہل پاتے اور دیکھتے کہ ان کو حق کی طلب ہے ان ہی پر حقائق ظاہر کرتے لہٰذا عوام پر حقائق کا اظہار نہیں ہوا اور ایسے ہی علماء و افراد کی کثرت رہی جو ایام جہالت کے عقائد کے معتقد تھے۔ تخلیق کائنات و نظام شمسی کے متعلق عوام جہال نے اس وقت فلسفہ یونانی کی کتابیں پڑھ کر جو عقائد قائم کئے تھے وہ تمام کے تمام علم وحکمت اور عقل و سائنس کے زمانے میں باطل ثابت ہو چکے ہیں اور کائنات کے متعلق بہت کچھ معلومات حاصل ہو چکی ہیں جو منظر عام پر آ گئی ہیں مگر ہمارے علمائے متکلمین مدعیان نیابت آئمہ طاہرین کے نزدیک ان کے عقائد مذہبی کی رو سے ہزاروں سال پرانا نظام بطلیموسی ہی حق ہے جس میں تمام کائنات کا انحصار ۹ آسمانوں پر ہے جو ناقابل خرق والتیام ہیں۔

یورپ و امریکہ صرف مادی سائنس ہی میں ترقی نہیں کر رہے بلکہ وہاں بعض جماعتیں نفس و روح کے قوائے باطنی پر ریسرچ میں مصروف ہیں وہ یہاں تک معلوم کر چکے ہیں کہ اگر نفس انسان ترقی کر جائے اور اس کے قوائے باطنی کی صحیح تربیت سے تکمیل ہو سکے تو اس سے حیرت انگیز امور صادر ہو سکیں گے وہ ہزاروں میل دیکھ سکے گا بغیر

WWW.KHROOJ.COM

حرکت محض ارادے سے سیکڑوں میل کا فاصلہ طے کر سکے گا جس علم وفن کی طرف توجہ کرے گا اپنی قوت ادراک سے بغیر کسب کئے کچھ نہ کچھ معلومات حاصل کر سکے گا علماء متکلمین کے عقیدے کے مطابق رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی قبل بعثت لکھنے پڑھنے کے ملکہ سے عاری تھے جیسا کہ اس کتاب کے حصہ اول میں بیان ہو چکا ہے۔ مزید تحقیق سے یورپ وامریکہ میں کچھ لوگ جب نفس کے قوائے باطنی سے مزید واقفیت حاصل کرلیں گے اور وہ منظر عام پر آجائے گی تو تعلیم یافتہ نوجوان مروجہ عقائد کا مضحکہ اڑائیں گے۔ اب بھی وقت ہے کہ تعلیم اہل بیتؑ کی طرف متوجہ ہو جائیں جو کتب شیعہ میں دفن ہے اور اتنی اعلیٰ ہے کہ دنیا کا کوئی فرد خواہ کسی قوم وملت کسی نسل ورنگ کا ہو اس سے انکار نہیں کرسکتا ورنہ ذلت دینوی وخسران اخروی کا اندیشہ ہے آپ جانتے ہیں کہ دینی کتب میں مرقوم ہے کہ شیطان آسمان تک جا کر چوری چھپے اللہ تعالیٰ کے احکام سن بھاگتا ہے تو فرشتے ایک ستارہ اٹھا کر اس پر پھینک کر اس کو مار بھگاتے ہیں یہ ستارہ جو رات کو ٹوٹا دکھائی دیتا ہے وہی ہے جس سے شیطان کو مار بھگایا جاتا ہے اس طرح کی بیشمار جہالت خیز وحماقت آمیز روایات کتب دین میں بھری ہوئی ہیں اور افسوس یہ ہے کہ اہل بیت کا مذہب ظاہر کیا جاتا ہے تعلیم اہل بیت کو دیکھنا ہو تو صرف ولایت وامامت مطلقہ کے متعلق ہی کچھ غور کرلیں قرآن میں ہے۔ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُواْ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاَةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُون ...... (مائدہ ۵۵)

(سوائے اس کے نہیں کہ تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں)

WWW.KHROOJ.COM

لائق غور امر ہے کہ یہ منزل ولایت کیا ہے۔تمام کلام اللہ دیکھ جایئے کسی نبیؑ یا رسولؐ کو اللہ تعالیٰ نے ولی نہیں کہا جہاں بھی دیکھتے ہیں یہی نظر آتا ہے ''اللّٰه هو الولی'' (اللہ ہی تو ولی ہے) اللّٰه ولی المومنین (اللہ ہی مومنوں کا ولی ہے) اللّٰه ولی الـذین آمنو (اللہ ہی ولی ہے ان کا جو ایمان لائے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو کوئی بہت اعلیٰ منزلت ہے جو کسی نبی کسی رسول حتیٰ کہ پیغمبران الوالعزم کو بھی نہیں ملی ۔ولایت کی منزلت کو سمجھنے کے لئے پہلے اس سے کم درجہ کی منازل کو پھر سے دیکھ لیں ۔اچھا پہلے منازل انسانیت پر غور کریں ۔لوگوں میں سے جو ایمان لاتے ہیں اور ریاضت ومجاہدات سے معرفت کامل حاصل کر لیتے ہیں وہ انسانیت کی منزل اعلیٰ پر فائز ہوتے ہیں ان ہی میں سے اوصیاء انبیاء ہوتے رہے ہیں جیسے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت عیسیٰؑ کے آخری وصی ہوئے ان اوصیاء انبیاء کو جناب رب العزت نے عبـادنا (ہمارے بندے) نہیں کہا۔عبـادنا صرف انبیاء علیہم السلام کے لئے ہی فرمایا ہے اس سے بلندتر منازل کے لئے مندرجہ ذیل حدیث ملاحظہ ہو۔

عـن زيـد الشـحـام قال سمعت ابا عبدالله عليه السلام ان الله تبارك و تـعـالیٰ اتخذ ابراهيم عبداً قبل ان يتخذه نبياً وان الله اتخذه نبياً قبل ان يتـخـذه رسولاً وان الله اتخذه رسولاً قبل ان يخذه خليلاً وان الله اتـخذه خليلاً قبل ان يتخذه اماماً فلما جمع له الاشياءِ قال انی جاعلك لـلـناس اماماً۔ قال فمن عظمتها فی عين ابراهيم قال ومن ذريتی قال لا ينال عهد الظالمين ۔(آخری مکالمہ البقر۔آیت ۱۲۴ سے لیا گیا ہے)

(زید شحام سے مروی ہے انہوں نے کہا میں نے ابوعبداللہ علیہ السلام کو فرماتے سنا

۔اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو عبد بنایا قبل اس کے کہ ان کو نبی بنائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی بنایا اس سے پہلے کہ ان کو رسول بنائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول بنایا اس سے پہلے کہ ان کو خلیل بنائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو خلیل بنایا اس سے پہلے کہ ان کو امام بنائے ۔پس جب یہ تمام چیزیں ان کے لئے جمع ہوگئیں ۔تب ارشاد فرمایا میں تم کو تمام لوگوں کا امام بناتا ہوں پس اس عظمت کے باعث جو ابراہیم کی نظر میں اس کی (امامت کی) تھی ۔عرض کیا ''اور میری اولاد سے بھی'' فرمایا ''میرا عہد ظالموں کو نہ پہنچے گا''

لا یکون السفیه امام التقی (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد ا ص ۲۶۷)

(فرمایا ''بے وقوف امام پرہیز گار نہیں ہوسکتا)

اس حدیث کے بعد صفحہ ۲۱۸ پر اسی مضمون کی حدیث امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے اس میں صرف آخری جملہ نہیں ہے کہ ''بیوقوف امام پرہیز گار نہیں ہوسکتا '' باقی تمام مضمون لفظ بہ لفظ وہی ہے۔

ان احادیث سے واضح ہوجاتا ہے کہ مومنین صالحین جو منزل معرفت کامل پر فائز ہو جاتے ہیں وہ انسانیت کی اعلیٰ ترین منزل ہے اس سے بلند منزل وصایت ہے اس سے بلند تر منزل عبدیت ہے ۔اس سے اونچی منزل نبوت ہے اس سے اعلیٰ منزل رسالت ہے اس سے بلند تر منزل خلت ہے اور خلت سے بڑھ کر منزل امامت مطلقہ ہے اب ضروری ہے کہ پہلے امامت کا مفہوم سمجھیں کہ اس کے معنی کیا ہیں اور یہ منزل کیا ہے اس سلسلے میں حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ حیات القلوب جلد سوم میں تحریر فرماتے ہیں ''امام کے معنی پیشوا مقتدیٰ نماز میں پیش امام'' پیشوا آگے ہونے والے

یا آگے چلنے والے کو کہتے ہیں ۔مقتدیٰ وہ ہے جس کے پیچھے لوگ چلیں وہ آگے ہو ۔عام محاورے میں کسی فن یا علم میں سب سے آگے بڑھ جانے والے کو بھی اس فن یا علم کا امام کہتے ہیں۔ ہر نبی چونکہ اپنی امت کا پیشوا ہوتا ہے لہٰذا اپنی امت کا امام ہے ۔علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ ''نبی بھی اپنی امت کا امام ہے'' (ضیاء النفوس ترجمہ حیات القلوب جلد سوم)

آیہ وافی ہدایہ''إِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَاماً ''میں جناب رب العزت نے حضرت ابراہیمؑ کو صرف امام ہی نہیں کہا بلکہ تمام لوگوں کا امام کہا ہے اور تمام لوگوں میں جملہ انبیاء ورسل بھی شامل ہیں ۔لہٰذا حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام امتوں اور جملہ انبیاء ورسل کے امام قرار پائے اور امام خدا کے سامنے ہوتا ہے اور تمام مخلوق سے آگے ۔لہٰذا تمام لوگوں کا امام وہ ہے جو خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ وحجاب ہو۔اب اس تفصیل کو دیکھنے کے بعد ممکن ہے بعض لوگوں کو یہ خیال پیدا ہو کہ تمام لوگوں میں تو محمدؐ وآلؑ محمد بھی شامل ہیں تو کیا حضرت ابراہیمؑ کو ان پر بھی سبقت حاصل ہے تو اس کے جواب کے لئے اول تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا دیکھیں ۔ارشاد رب العزت ہے۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (۱۲۷)رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (۱۲۸)رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ العَزِيزُ الحَكِيمُ ......(البقرہ ۱۲۹)

(جب ابراہیمؑ گھر کی بنیادیں اٹھا رہے تھے اور اسمٰعیلؑ (عرض کرتے تھے) اے رب ہماری خدمت قبول کر بے شک تو سمیع و علیم ہے۔ اے رب ہمارے ہم دونوں کو اپنا مسلم بنالے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مسلم قرار دے ہمیں ہمارے دینی قواعد دکھا دے اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو بڑا تواب اور رحیم ہے۔ اے رب ہمارے ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیات تلاوت کرے اور کتاب وحکمت کی ان کو تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بے شک تو سب پر غالب اور حکمت والا ہے)

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد میں اپنی مثل ہی مسلم پیدا کرنے کی دعا فرمائی ہے اور پہلی دعا کے مطابق ایسے مسلم پیدا کرنے کی دعا کی جو تمام لوگوں کے امام ہوں۔ جب آنحضرتؐ تمام مراتب ومنازل پر فائز ہونے کے بعد منزل امامت پر فائز ہوئے تو اسی منزل کی اپنی اولاد کے لئے بھی دعا فرمائی۔ لہٰذا یہاں تک تو مساوات ہی ظاہر ہوتی ہے اب جناب ارحم الراحمین کی رحمت ملاحظہ ہو وہ تو سوال سے کہیں زیادہ عطا فرماتا ہے اس نے ذریت ابراہیمؑ کے لئے فرمایا۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً......(البقرہ ۱۴۳)

(اور اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط قرار دیا تا کہ تم لوگوں پر شہید ہو اور رسول تم پر شہید ہو (حاضر و ناضر ہو)۔

اس سے واضح ہو گیا کہ یہ امت خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ اور حجاب ہے۔ یہی

WWW.KHROOJ.COM

وہ گروہ ہے جس کے لئے خلیل اللہ نے اپنی اولاد میں پیدا کرنے کی استدعا کی تھی۔ اس سے ظاہر ہو گیا کہ یہ بھی تمام لوگوں کے امام ہیں۔مگر جناب رب العزت نے ختمی مرتبت کو اس سے بھی بلند مرتبہ عطا کرتے ہوئے ان کے لئے فرمایا وما ارسلنكَ الا رحمة لِلعٰلمین۔(اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر تمام عالمین کے لئے رحمت بنا کر) خلیل اللہ کو تو تمام لوگوں کے اور خالق کے درمیان واسطہ قرار دیا تھا مگر ان کی ذریت میں امت وسط کو شہید علیٰ الناس اور تمام عالمین اور خالق کے درمیان واسطہ قرار دیا۔غرضکہ خلیل اللہ تمام لوگوں کے امام ہوئے تو محمدؐ وآلِ محمدؐ کو تمام مخلوق اور تمام کائنات کے لئے رحمت بنا دیا۔اب دیکھنا یہ ہے کہ اس امامت مطلقہ کی منزلت کیا ہے۔کسی سائل نے امام ضامن ثامن علیہ السلام سے سوال کیا کہ حضور امام کی منزلت کیا ہے تو حضرت نے ارشاد فرمایا۔

الامام هو بشر" ملكی" جسم" سماوی" ملكی الذات الهٰی الصفات۔

(امام بشر ہے ملکی (یعنی نوری) وہ سماوی جسم ہے اس کی ذات فرشتے کی ذات ہو اس کی صفات خدا کی صفات ہیں)

ہمارے لئے تو اس امامت مطلقہ کی منزل کا سمجھنا ہی مشکل ہے پھر منزل ولایت مطلقہ جو ذات باری کے لئے مخصوص ہے اس کے متعلق ہم کیا سمجھ سکتے ہیں جب کسی نبی کسی رسول، کسی پیغمبر اولوالعزم کو ولی نہیں کہا گیا تو ظاہر ہے کہ یہ منزلت سب سے بلند تر ہے۔"ولی" کے بہت سے معنی ہیں۔مثلاً دوست، مددگار، کارساز حاکم اولیٰ بالتصرف وغیرہ۔اب ان میں سے کون سے معنی مراد لئے جائیں۔اس کا تعین مشکل ہے۔بہتر ہے کہ کلام اللہ سے ہی ولی کا مفہوم اخذ کیا جائے ارشاد باری ہے

اللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُواْ یُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَی النُّوُر ......(از آیت الکرسی) (اللہ ہی ولی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے ان کو تاریکیوں سے نکال کر نور میں لاتا ہے)۔

اور اپنے محبوب رسولؐ کے لئے جس کو آیت ولایت میں اللہ کے بعد ولی قرار دیا گیا ہے۔ارشاد فرماتا ہے۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ یَا أُولِی الْأَلْبَابِ الَّذِیْنَ آمَنُوا قَدْ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَیْکُمْ ذِکْراً (۱۰)رَّسُولاً یَتْلُو عَلَیْکُمْ آیَاتِ اللَّهِ مُبَیِّنَاتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَی النُّورِ......(الطلاق ۱۱)

(پس اللہ سے ڈرتے رہو اے صاحبان عقل جو ایمان لائے ہو۔اللہ نے نازل کیا تمہاری طرف ذکر رسول کہ تلاوت کرے تم پر اللہ کی کھلی ہوئی آیتیں تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائیں اور اعمال خیر بجالائیں تاریکیوں میں سے نکال کر نور کی طرف لے جائے)

هُوَ الَّذِی یُنَزِّلُ عَلَی عَبْدِهِ آیَاتٍ بَیِّنَاتٍ لِیُخْرِجَکُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَی النُّورِ وَإِنَّ اللَّهَ بِکُمْ لَرَؤُوفٌ رَّحِیْم......(الحدید ۹)

(وہی ذات اقدس ہے جو نازل کرتا ہے اپنے بندے پر کھلی آیتیں تاکہ وہ تم کو تاریکیوں سے نکال کر نور میں لائے۔بیشک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے)

ان آیات مقدسہ سے یہ تو واضح ہوگیا کہ ولی کی ایک صفت یہ ہے کہ ایمان لانے

والوں کو تاریکیوں سے نکال کر نور میں لے جائے ۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس فعل کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اس کے لئے جناب باری تعالیٰ کا ارشاد دیکھیں ۔

أَوَ مَن كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا......(الانعام ۱۲۲)

(کیا وہ شخص جو مردہ تھا ہم نے اسے زندہ کیا (کس طرح) اور اس کو نور دے دیا کہ وہ اس کے ذریعے سے لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا اس کی مثل ہو سکتا ہے جو تاریکیوں میں پڑا ہوا ہے اور اس سے کبھی نکلنے والا نہیں) ۔

اس آیہ وافی ہدایہ سے واضح ہو گیا کہ تاریکی سے نکال کر نور میں لانے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نور عطا فرما کر اس کو حیات ابدی اور حیات حقیقی عطا کرتا ہے تو ولی کی ایک صفت میت کو جلانا ، مردوں کو حیات ابدی عطا کرتا ہے ۔ اب ولی کی تعریف سورہ شوریٰ میں دیکھیں ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاء فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَى وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ......(الشوریٰ ۹)

(کیا لوگوں نے اللہ کے سوا ولی اختیار کئے ہیں پس اللہ ہی تو ولی ہے اور وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر شے پر قادر ہے) ۔

اس آیہ مبارکہ سے ایک یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ ولی وہ ہے جو مردوں کو زندہ کرے اور ہر شے پر قادر ہو ۔ معترض کہہ سکتا ہے کہ ولی کی یہ تعریف صحیح نہیں ہو سکتی اس لئے کہ آیت میں تین جملے واد عاطفہ سے ملائے ہوئے ہیں (۱) اللہ ہی ولی ہے (۲) اور وہ مردوں کو زندہ کرتا ہے (۳) اور وہ ہر شے پر قادر ہے ۔ بے شک یہ اعتراض

ظاہراً تو صحیح معلوم ہوتا ہے مگر کلام اللہ میں تلاش کرنے سے ضرور اس کی وضاحت ہو جائے گی اس لئے کہ القرآن یفسر بعضه بعضاً (قرآن کا بعض حصہ اس کے بعض کی تفسیر کرتا ہے) لہٰذا ولی کے معنی قرآن ہی میں تلاش کرنے چاہیں۔

ارشاد رب العزت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلاَ يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّهَ رَبَّهُ وَلاَ يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئاً فَإن كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهاً أَوْ ضَعِيفاً أَوْ لاَ يَسْتَطِيعُ أَن يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ...... (البقرہ ۲۸۲)

(اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم قرضہ کا لین دین کرو ایک معینہ مدت کے لئے تو اس کو لکھ لیا کرو اور چاہیے کہ تمہارے درمیان ایک کاتب انصاف سے لکھے اور لکھنے والے کو لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے جیسے اللہ نے اس کو سکھایا ہے تو اس کو چاہیے کہ لکھ دے اور لکھواتا جائے وہ جس پر حق ہے (یعنی قرض لینے والا) اور اپنے رب اللہ سے ڈرتا رہے اور کسی بات کی کمی نہ کرے پس اگر وہ جس پر حق ہے کم عقل یا ضعیف ہو یا مضمون لکھوانے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو چاہیے کہ اس کا ولی عدل و انصاف سے لکھوا دے)

اس آیہ وافی ہدایہ سے ظاہر ہوا کہ دنیا میں ولی کی ضرورت اس کے لئے ہوتی ہے جو امور و معاملات دنیاوی کو سمجھنے اور ان کی تکمیل کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو۔ لہٰذا امور دنیا کے لئے وہی ولی ہو سکتا ہے جو امور دنیا کے انصرام پر قادر ہو ورنہ عاجز ہونے کی

صورت میں وہ ولی ہو ہی نہیں سکتا۔پس جب امور دنیا میں ولی وہی ہوسکتا ہے جو امور دنیا پر قادر ہوتو دنیا وآخرت کا ولی لامحالہ وہی ہوسکتا ہے جو ہر شے پر قادر ہومگر ان ہر دو کے درمیان یعنی دنیا میں کسی نابالغ یا یتیم کے ولی اور اللہ کے درمیان بڑا عظیم تفاوت ہے پہلی قسم کا ولی اپنی مرضی اپنی قوت وقدرت وارادے سے عمل کرتا ہے مگر اللہ کا ولی خدا کے ارادے سے اس کی مشیت اس کی قوت سے کام کرتا ہے ۔لہٰذا اس کے کام خدا کے کام ہوتے ہیں جیسا کہ جناب رب العزت کا ارشاد ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ رَمَى (اے حبیب) تم نے تو سنگریزے نہیں پھینکے تھے جبکہ تم نے پھینکے بلکہ اللہ نے پھینکے تھے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِم ......(الفتح ١٠)

(بیشک وہ لوگ جو تم سے بیعت کررہے تھے سوائے اس کے نہیں کہ وہ اللہ سے بیعت کررہے تھے اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر تھا)۔

جنگ خندق میں عمرا بن عبدود سے اسد اللہ الغالب امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نبرد آزما ہوئے اور اس کو قتل کیا اور جناب رب العزت فرماتا ہے ''کفی اللّٰہ المومنین القتال (اللہ نے ہی کفایت کی ایمان والوں کو قتال میں)۔

جو کام خدا کی قوت وقدرت سے ہوگا وہ بندہ کا ذاتی فعل نہیں ہوسکتا بلکہ وہ خدا کا کام ہوگا۔

حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ کلمات ''خدا کے آسمان، نفس اللہ، ید اللہ ،عین اللہ، لسان اللہ، وجہ اللہ، جنب اللہ، آیات اللہ، کلمات اللہ، بیت اللہ، بیت

المعمور، کا مصداق امام معصوم اور خصوصاً امیر المومنینؑ ہیں (ملاحظہ فرمائیں حیات القلوب جلد سوم، ترجمہ اردو ''ضیاء النفوس'')۔

یہ منزل ولایت مخصوص ہے ذات باری کے لئے اس نے اپنی رحمت کاملہ سے محمدؐ و آلِ محمدؑ کو عطا فرمائی۔ یہ اعلیٰ ترین منزل عبدیت ہے مگر علمائے متکلمین کے مذہب میں اس کا تذکرہ نہیں۔ ولایت نہ ان کے اصول دین میں شامل ہے نہ فروع دین میں علم کلام میں صرف نبوت و امامت اصول دین میں ہیں ولایت کا کہیں ذکر نہیں۔ ممکن ہے بعض ناظرین ''متکلمین'' اور ''علم کلام'' کی اصطلاحوں کا صحیح مفہوم نہ سمجھتے ہوں۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس کی کچھ وضاحت کر دی جائے تا کہ ہر شخص بہ سہولت اصل مفہوم کو سمجھ سکے۔ حضرت علامہ محمد حسین صاحب قبلہ پرنسپل دارالعلوم محمدیہ سرگودھا اپنی کتاب ''احسن الفوائد'' فی شرح العقائد و شیخ صدوق علیہ الرحمۃ میں صفحہ ۳ پر رقم طراز ہیں۔

علم کلام کی تعریف

علم کلام وہ علم ہے جس میں اعتقادحقہ ایمانیہ اور معارف اسلامیہ ربانیہ کا اَدِلّہ و بُراہینِ تفصیلیہ یقینیہ سے اثبات اور ان پر وارد شدہ اعتراضات کے جواب دیئے جائیں ان اعتقادات و معارف کا اصل اصول مسئلہ توحید ہے۔

علم کلام کی فضیلت عقل کی روشنی میں

ارباب دانش و بینش پر مستور نہیں کہ کسی علم کی رفعت و بلندی یا رفعت و پستی کا معیار و میزان اس علم کے موضوع کی شرافت یا خساست ہوتی ہے جس علم کا موضوع جس

قدر عظیم وخطیر ہوگا اسی قدر وہ علم جلیل القدر وعظیم الشان ہوگا اور جس علم کا موضوع خسیس وحقیر ہوگا اسی قدر وہ علم بے قدر و وقعت وخسیس ہوگا بنا بریں چونکہ علم کلام کا موضوع ذات باری و ما یتعلق بہ ہے ظاہر ہے کہ ذات باری ہر شے سے اشرف و اعلیٰ اور افضل وارفع ہے بلکہ باقی اشیاء کو اس ذات ذوالجلال کے فضل وکمال کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں تو جس علم کا موضوع ذات بابرکات ہوگی وہ علم یقیناً دیگر جملہ علوم وفنون سے ارفع واعلیٰ ہوگا کما لا یخفیٰ

علم کلام ومتکلمین کی فضیلت احادیث معصومین کی روشنی میں

اس علم کی عظمت وجلالت اور اس کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر لوگوں کو اس طرف متوجہ کرنے کے لئے حافظان دین و حامیان شرح متین حضرات آئمہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین نے مختلف طرق واسالیب سے اس علم کی عظمت وجلالت کو لوگوں کے ذہن نشین کرانے کی کوشش فرمائی ہے کبھی تو براہ راست اس علم کی شرافت و بزرگی بیان فرمائی ہے ۔اور کبھی اس علم کے علماء کی عظمت وشان و رفعت مکان کا تذکرہ فرمایا۔ چنانچہ پہلے سلسلے میں سرکار ختمی مرتبت صلعم فرماتے ہیں اول الدین معرفة الجبار (دین کی اصل بنیاد معرفت باری ہے) (کتاب التوحید شیخ صدوق علیہ الرحمۃ)۔اسی طرح حضرت امیر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں اول الدین معرفة ۔(دین حق کی پہلی کڑی معرفت خالق ہے) (نہج البلاغہ)۔ان حقائق سے ظاہر ہے کہ اس علم کو باقی سب علوم پر ترجیح وتقدیم حاصل ہے ۔(بقدر ضرورت نقل کیا گیا)۔

WWW.KHROOJ.COM

(مولف گوید) مذکورہ بالا احادیث سے یہ امر تو واضح ہو جاتا ہے کہ دین کی اصل بنیاد اور پہلی کڑی معرفت خالق ہے اور رسولؐ و آل رسولؐ کے فرمودات کی رو سے اس کی معرفت نفس کی معرفت ہے جیسا کہ مشہور حدیث ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے اپنے نفس کی معرفت حاصل کی اس نے اپنے رب کی معرفت حاصل کی) مگر علمائے متکلمین اس سے صاف منکر ہو گئے ہیں۔ چنانچہ حضرت علامہ اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۹ سطر ۸ پر تحریر فرماتے ہیں ''چنانچہ مشہور ارشاد نبوی (یا علوی) مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ۔ جس شخص نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا کے متعلق اکثر علمائے محققین نے کہا کہ یہ تعلیق الامر علی المحال کی قسم سے ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح خداوند عالم کی کُنہ حقیقت کی معرفت محال و ناممکن ہے اسی طرح نفس و روح کی کُنہ و حقیقت معلوم کرنا بھی محال ہے'' پھر صفحہ ۱۹۸ پر اس کا اعادہ فرمایا ہے کہ نفس کی معرفت محال ہے۔

( ) ناظرین ملاحظہ فرمالیں رسول کریمؐ یا امیر المومنینؑ نے تو یہ نہیں فرمایا کہ اوّل الدین مَعرَفت کنه حَقِیقَتُ الجبّار یا اوّل الدِّین معرفت کنه حقیقه، مگر علامہ نے اپنا قیاسی مفہوم استخراج فرما کر کُنہ حقیقت بڑھا دیا۔ کیا ان کے خیال میں رسول کریمؐ اور امیر المومنین کُنہ حقیقت کہنا بھول گئے تھے۔

( ) ہر ذی فہم جانتا ہے کہ کُنہ حقیقت تو ریت کے ایک ذرے کی بھی کسی کو معلوم نہیں پھر نفس و ذات باری کی کُنہ حقیقت کا تذکرہ کیا معنی۔ کیا یہ سمجھا جائے کہ علامہ صاحب کو تمام کائنات کی کُنہ حقیقت تو معلوم ہے صرف ذات باری اور نفس کی کُنہ حقیقت ان کو معلوم نہیں اس لئے کہ وہ محال ہے۔

( ) جب حسب فرمان رسولؐ و آلؑ رسولؐ معرفت نفس ہی دین کی بنیاد اور پہلی کڑی ہے تو اس کو محال کہنے والے دین سے اپنی لاتعلقی کا اعتراف فرما رہے ہیں۔

( ) اگر معرفت نفس محال ہے تو کیا رسولؐ و آلؑ رسولؐ ایسے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں جس پر عمل کرنا محال ہے۔ حالانکہ جناب رب العزت کا فرمان ہے لَا یکلّف اللّٰہ نَفْسًا اِلَّا وسعَھاً ۔(اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی اہلیت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا) اب ناظرین خود ہی فیصلہ کرلیں کہ آیا علمائے متکلمین کلام باری کو صحیح نہیں سمجھتے یا فرمان رسولؐ و آلؑ رسولؐ کو اس کے خلاف جانتے ہیں۔

( ) جب دین کی بنیاد ہی معرفت نفس ہے تو عالم دین وہی شخص ہوسکتا ہے جس کو معرفت نفس حاصل ہو اور یہ حقیقت ہے کہ بغیر معرفت نفس کسی شخص کو خواہ ہزارہا کتابیں پڑھ کر حفظ کرلے دین کا صحیح و حقیقی علم نہیں ہوسکتا۔ اس کو قرآن وحدیث کے الفاظ کے حقیقی مفہوم کا پتہ نہیں چل سکتا۔ بغیر معرفت نفس تمام علوم قیاسی ہی رہتے ہیں

( ) معرفت نفس تو محکمات پر عمل کرنے اور رسولؐ و آلؑ کی پیروی کرنے سے حاصل ہوتی ہے ان علماء سے جو معرفت نفس کو محال کہتے ہیں دریافت کرنا چاہیے کہ کیا انہوں نے محکمات پر عمل کیا ہے اور کیا رسولؐ و آل رسولؐ کے ان اعمال کی پیروی کی ہے جن سے معرفت نفس حاصل ہوتی ہے یا احکام سے بغاوت کرتے ہوئے ہی اس کے محال ہونے کا فتویٰ دے دیا ہے۔ ناظرین کی آگاہی کے لئے معرفت نفس کے ذرائع میں سے صرف تین امور ہی پیش کرتا ہوں۔

پہلا ذریعہ نماز ہے جس کے لئے جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے

ِ وَأَقِيمُواْ وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

......(الاعراف ۲۹)

(اور اپنے نفسوں کو قائم کرلو ہر نماز کے وقت اور اس کو پکارو دین خالص کرتے ہوئے اسی کے لئے)۔یعنی اسی کو خلوص کامل اور پوری توجہ سے پکارو۔

اب مولوی فرمان علی صاحب کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں ’’اور ہر نماز کے وقت اپنے منہ (قبلہ کی طرف) سیدھے کرلیا کرو اور اس کے لئے نری کھری عبادت کر کے اس سے دعا مانگو‘‘۔

وجہ کے معنی ہیں ’’اگلا حصہ‘‘ ’’چہرہ‘‘ ’’یا نفس‘‘ لیکن رسول کی بعثت کا مقصد وحید ہی نفس کی اصلاح ہے۔دین کا تو تعلق ہی نفس سے ہے مگر چونکہ مولوی صاحب کے دین کا تعلق روایات سے ہے جو نفس کے ذکر سے خالی ہیں ۔لہٰذا انہوں نے وُجُوھَکُمْ کا ترجمہ ’’اپنے منہ‘‘ کر دیا۔اور وَأَقِیْمُواْ (قائم کرلو) کا ترجمہ منہ کی مناسبت سے ’’سیدھے کرلیا کرو‘‘ کر دیا چونکہ اس ترجمہ سے کچھ مطلب نہ نکلتا تھا لہٰذا ’’کعبہ کی طرف‘‘ بریکٹ میں اپنی طرف سے بڑھا دیا اور وَادْعُوہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ کا ترجمہ ’’نری کھری عبادت کر کے اس سے دعا مانگو‘‘ کیا۔حالانکہ باری تعالیٰ فرماتا ہے ’’اسے خلوص سے پکارو‘‘ اگر قرآن نے مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ کی پوری پوری تفسیر نہ کر دی ہوتی تو علماء پر الزام نہ ہوتا مگر کلام پاک میں تو کتنی ہی ایسی آیات ہیں جن میں بیان کیا گیا ہے کہ جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں اور موجیں گھیر لیتی ہیں اس وقت اللہ کو پکارتے ہیں دین خالص کرتے ہوئے اسی کے لئے۔صرف ایک آیت ہی دیکھ لیں۔ارشاد جناب باری ہے۔

وَإِذَا غَشِیَھُم مَّوْجٌ کَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ......(لقمان ۳۲)

(اور جس وقت ڈھانک لیتی ہے ان کو موج سائبان کی طرح اس وقت اللہ کو پکارتے ہیں دین خالص کرتے ہوئے اسی کے لئے)

اب أَقِيمُواْ وُجُوهَكُمْ کی آیت کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ دوران نماز تمہاری قلبی توجہ مالک کی طرف ایسی ہونی چاہیے جیسی کہ کشتی میں سواروں کی اس وقت ہوتی ہے جب طوفان آجاتا ہے۔اس مضمون کی متعدد احادیث بھی کتب معتبرہ مثل اصول کافی۔جامع الاخبار شیخ صدوق علیہ الرحمۃ وغیرہ میں وارد ہوئی ہیں کہ نماز میں تمہاری آنکھیں جو دیکھیں یا تمہارے کان جو سنیں وہ تم کو مالک کی طرف توجہ کرنے میں حارج نہ ہوں اور آثار حیدری ترجمہ تفسیر منسوب بہ امام حسن عسکریؑ میں صفحہ ۴۶۱ پر ایک حدیث نقل ہے جس کا ایک جزو یہ ہے۔''جب کوئی بندہ نماز میں خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔تو اللہ تعالیٰ اس سے فرماتا ہے اے میرے بندے تو کدھر کا ارادہ کرتا ہے اور کس کو طلب کرتا ہے۔کیا میرے سوائے اور کوئی پروردگار چاہتا ہے''

ان آیات و احادیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہی نماز فائدہ رساں اور نور ایمان تک پہنچاتی ہے جس میں کامل یکسوئی توجہ قائم رہے۔ناظرین خود اندازہ لگائیں کہ کتنے علماء کو انہوں نے ایسی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔

دوسرا ذریعہ اس حکم محکم پر عمل کرنا ہے''وذاکرو اللّٰہ کثیراً لعلکم تفلحون'' (اور اللہ کا ذکر بکثرت کرتے رہو تاکہ تم فلاح پاؤ) کلام اللہ میں بکثرت آیات میں یہ حکم وارد ہوا ہے کہ ہر وقت اللہ کا ذکر کرتے رہو اس کی یاد سے کسی وقت غافل نہ ہو۔سورہ حمد میں ہے''جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش

کرو۔ اور اللہ کا ذکر بکثرت کرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ'' مطلب واضح ہے کہ بعد نماز کاروبار دنیا میں مصروف ہو جاؤ مگر کاروبار میں مصروف رہتے ہوئے بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو بلکہ اس کا ذکر کرتے رہو۔ اس کی یاد فراموش نہ کرو اور تقریباً بیس احادیث میں بھی ہدایت ہے کہ کسی وقت خدا کی یاد سے غافل نہ ہو۔ ہردم ہر لحظہ اس کا ذکر کرتے رہو۔ اب منکرین معرفت ہی بتلائیں کہ مصروفیت امور دنیوی میں وہ کس طرح اور کتنی یاد خدا کرتے ہیں؟

تیسرا ذریعہ خورد ونوش میں پیروی اہل بیتؑ ہے یعنی سادی غذا جو کی روٹی یا آٹا کھانا۔ مرغن غذاؤں اور کثرت گوشت خوری سے اجتناب کرنا لازم ہے تا کہ جذبات میں سکون پیدا ہو اور توجہ یکسو کرنے کی اہلیت پیدا ہو غفلت نفس ولاشعوری میں کمی ہو جائے اور کیفیات نفس کا ادراک ہونے لگے۔ کیا سنت رسولؐ و آل رسولؐ کی متابعت کے لئے علماء نے یہ خوراک کھائی؟ اگر عوام ان احکام پر عمل نہ بھی کریں تو علماء پر لازم ہے کہ وہ سنت رسولؐ پر عامل ہوں۔ اس لئے کہ فرمان رسولؐ کریم ہے کہ جو امر بالمعروف کرے اور خود عامل نہ ہو وہ ملعون ہے۔

اب ناظرین کی توجہ پھر ''احسن الفوائد'' کی طرف منعطف کرتا ہوں۔ کتاب کے صفحہ ۷ پر ایک عنوان مندرجہ ذیل ہے۔

علم کلام کی تدوین

اس عنوان کے تحت یہ ظاہر فرمایا ہے کہ اس جلیل القدر علم کا سر چشمہ خود صاحب شریعت ختمی مرتبت ہی ہیں اور اس کی ترویج آئمہ طاہرین علیہم السلام کرتے رہے

۔(پھر صفحہ ۸ پر ہے) صاحب اعیان الشیعہ نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جناب امیر المومنینؑ ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے علم کلام کی بنا ڈالی ۔پھر تحریر ہے'' جناب ابو الائمہ طاہرین کی طرح ان کے بعد دیگر سب آئمہ دین اس علم کی ترویج وترقی میں برابر حصہ لیتے رہے''

حضرت صادق علیہ السلام کے علم کلام کو ترقی دینے کے علل واسباب

اس کی متعدد وجوہ ہیں۔

وجہ اول ۔چونکہ اس وقت حکومت بنی امیہ کو زوال آرہا تھا اور حکومت بنی عباس کی ابتداء ہورہی تھی اول الذکر اپنی حکومت کو بچانے اور ثانی الذکر اپنی حکومت کو بنانے کی تدابیر میں مشغول ومنہمک تھے اس طرح حضرات صادقین علیہم السلام کو اسلامی حقائق کے نشرواشاعت اور بالخصوص علم کلام کی ترویج وترقی کا اچھا موقع مل گیا۔

وجہ دوم ۔اب تک علم کلام کا کام صرف اسلامی عقائد ونظریات کا اثبات تھا لیکن جب حضرت صادق علیہ السلام کے عصر میں منصور دوانقی نے دنیا کی تمام زبانوں کی علمی و مذہبی کتب کا عربی زبان میں ترجمہ کرانا شروع کیا تو اس کو پڑھ کر سیکڑوں مسلمانوں کے عقیدے متزلزل ہوگئے ۔اس لئے اس وقت علم کلام کے دوسرے شعبے کی طرح ڈالی گئی ۔اور یہ دوسرا شعبہ علم کلام کا وہ تھا جو فلسفہ یونان کے مقابلے کے لئے ایجاد ہوا۔اس طرح علم کلام اگرچہ ابتداء میں ایک مختصر اور سادہ علم تھا لیکن رفتہ رفتہ اس میں جن چیزوں کا اضافہ ہوتا گیا ان کے اعتبار سے اب علم کلام دو چیزوں

کے مجموعہ کا نام ہے۔

ا۔اسلامی عقائد کا اثبات

۲۔فلسفہ ملاحدہ ودیگر مذاہب باطلہ کا رد۔

اندریں حالات پر چونکہ مسلمانوں کے عقائد میں تزلزل پیدا ہورہا تھا اس کے لئے حضرت صادق علیہ السلام نے اس طرف خاص توجہ مبذول فرمائی اورعلم کلام کی ترویج وترقی میں نمایاں حصہ لیا۔

وجہ سوم ۔چونکہ اول اول اسلام فقط عربوں تک ہی محدود تھا جن کی طبیعتوں میں ایک خاص قسم کا جمود وخمود پایا جاتا ہے لیکن جوں جوں اسلام کو زیادہ وسعت ہوئی اورایرانی ویونانی اورتبّتی وغیرہ اقوام اسلام کے حلقہ میں آنی شروع ہوئیں تو عقائد کے متعلق نقطہ آفرینیاں اوربینیاں زیادہ ہوگئیں ۔اس طرح اس علم کی اہمیت وعظمت اور بڑھ گئی ۔حضرت صادق علیہ السلام نے تعلیمات اسلامیہ کی نشر و اشاعت کے لئے جو مدرسہ قائم کیا تھا جس میں اکناف واطراف عالم سے آئے ہوئے تقریباً چار ہزار متعطشان علوم ربانیہ طلبا کسب فیض کر کے اپنی تشنگی علم ومعرفت کو بجھاتے تھے‘‘۔

ناظرین کو حیرت تو ضرور ہوگی کہ جس علم کلام کی بنیاد رسول کریمؐ وامیر المومنینؑ نے ڈالی جس کی ترویج میں آئمہ علیہم السلام کوشاں رہے آج مولف کی طرف سے اس کی مخالفت کی جارہی ہے تو حقیر عرض کرے گا کہ یہ تو التباس لفظی کے سبب ایک فریب ہے جو مندرجہ ذیل بیانات سے ظاہر ہوجائے گا اورآگے چل کر اسی کتاب میں بالکل واضح ہوجائے گا کہ مروجہ علم کلام آئمہؑ کے جاری کردہ علم کلام کے خلاف

WWW.KHROOJ.COM

ہے۔غور فرمائیں کہ التباس لفظی سے کیسی غلط فہمیاں ہوسکتی ہیں ایک لفظ خصم ہی دیکھیں اس کے معنی عربی میں ہیں ''دشمن'' یہی لفظ اردو زبان میں آیا تو اس کے معنی ہوگئے ''شوہر'' یا فقیہ کو دیکھیں جس کے معنی ہیں سمجھنے والا۔پہلی صدی میں دین کے اصول وحقائق کے سمجھنے والے کو فقیہ کہتے تھے دوسری تیسری صدی ہجری میں جب فروع دین کے مسائل ظاہری کی تدوین ہوئی اوران تفصیلی مسائل کو فقہ کہا گیا تو اس علم کے جاننے والے فقیہہ کہلانے لگے۔اسی طرح یہ علم کلام بھی ہے کہ اس میں بھی التباس لفظی ہے ورنہ وہ علم کلام جس کی بنا رسولؐ وامیر المومنینؑ نے ڈالی اور آئمہ علیہم السلام اس کی ترویج کرتے رہے کچھ اور ہے اور مروجہ علم کلام جس میں صفات باری پر لفظی بحثیں کی جاتی ہیں آئمہ طاہرینؑ کے احکام کے خلاف ہے جیسا کہ علامہ صاحب کی کتاب سے ہی ظاہر ہو جائے گا۔

حضرت علامہ مدظلہ اپنی اس کتاب کے صفحہ ۶ پر رقمطراز ہیں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

جہاں بیسیوں احادیث معتبرہ میں اس علم کی عظمت وجلالت اوراس کے علماء کی رفعت وفخامت وارہوئی ہے وہاں ان کے بالمقابل چند ایک احادیث ایسی بھی مل جاتی ہیں جن سے بعض اصحاب قشر وارباب ظاہر علم کلام کی مذمت سمجھتے ہیں۔ان احادیث میں سے ایک حدیث وہ ہے جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے ''ویل" لا صحاب الکلام یقولون ھذا ینقاد وھذا لاینقاد(الخ)

ترجمہ۔فرمایا اصحاب کلام کے لئے افسوس ہے کہ کہتے ہیں یہ مسئلہ صحیح ہے یہ غیر صحیح ہے

WWW.KHROOJ.COM

یہ ہمارے قواعد کلامیہ پر پورا اترتا ہے اور یہ نہیں اترتا۔ یہ ہم سمجھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے۔(اصول کافی) نیز ان ہی معاون قدس وطہارت سے مروی ہے فرمایا هلك المتكلمون و نجى المسلمون اہل کلام ہلاک ہونے والے اور تسلیم کرنے والے ناجی ہیں۔ایضاً الى غير ذالك من الاخبار (یعنی ایسے ہی ان کے علاوہ بھی کچھ اخبار یعنی احادیث ہیں)۔اس شبہ کا جواب باصواب دوطرح پر دیا جاسکتا ہے

جواب اول......اس جواب میں علامہ صاحب کے بیان کا لب لباب یہ ہے کہ متکلم دوطرح کے ہوتے ہیں۔ایک وہ جو اپنا دعویٰ ثابت کرنے اور مدمقابل کو خاموش کرنے میں اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ آیا وہ دلائل جو وہ پیش کررہے ہیں آئمہ علیہم السلام کے فرمودات سے ماخوذ بھی ہیں یا نہیں بلکہ جو کچھ غلط یا صحیح ان کے ذہن میں ہے وہ ہی کہہ گزرتے ہیں دوسرے وہ ہیں جو آئمہ علیہم السلام کے فرمودات سے سرِ موتجاوز نہیں کرتے۔لہٰذا پہلے گروہ کی مذمت کی گئی ہے۔پھر ایک حدیث اصول کافی سے نقل فرمائی ہے جو حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے جب ایک شامی آنحضرتؑ کے اصحاب سے مناظرہ کرنے آیا تو آپ نے یونس بن عبدالرحمٰن کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا'' یا یونس لوکنت تحسن الکلام ''۔

اس کا ترجمہ تو یہ ہے'' اے یونس کاش تم علم کلام میں مہارت رکھتے ہوتے۔اور آج اس شامی سے بحث کرتے'' یونس نے عرض کی'' مولا میں نے اس کے حصول کی کوشش اس لئے نہیں کی کہ آپ کو اہل کلام کی مذمت کرتے سنا تھا۔تو فرمایا'' اے یونس تجھے مطلب سمجھنے میں غلطی ہوئی۔میں نے ان کی مذمت اس صورت میں کی ہے

www.khrooj.com

کہ اگر وہ اسے ترک کر دیں جو کچھ میں کہتا ہوں اور اپنی خود ساختہ دلیلوں سے کام لیں''۔

جواب دوم......متکلم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ فطرتاً ایسے کمزور واقع ہوتے ہیں کہ اگر چہ وہ حق کی تائید کرنا چاہیں لیکن وہ اس سے عہدہ برا نہیں ہو سکتے بلکہ مخالف سے مغلوب ومقہور ہوکر بجائے حق کی نصرت وتائید کے الٹا اس کی توہین و تذلیل کا باعث بن جاتے ہیں۔ دوسرے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اس مہم سے کما حقہ عہدہ برا ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں اور مخالفین کا ناطقہ باحسن وجوہ بند کر سکتے ہیں ۔حضرات معصومین نے اول الذکر کو اس کی ممانعت فرمائی ہے اور ثانی الذکر کو اس کی ترغیب وتحریص دلائی ہے اس کا ثبوت بھی کلام معصوم سے ملاحظہ ہو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے بعض اصحاب کو کلام سے روکا اور بعض کو حکم دیا۔ حاضرین میں سے بعد نے اس کا سبب دریافت کیا۔تو فرمایا میں نے اس لئے اجازت دی ہے کہ یہ اولّہ قائم کرنے میں اس پہلے شخص سے زیادہ بصیرت اور کلام کرنے میں زیادہ رِفق برتنے والا ہے اس سے واضح ہو گیا کہ یہ ممانعت بعض مخصوص لوگوں کے لئے ہے نہ کہ علی الاطلاق ۔اہل کو تو یہاں تک اس طرف متوجہ کیا ہے کہ ارشاد ہے''تم مخالفین سے مباحثہ کرو اور ان کے سامنے اپنی ہدایت وحقانیت کا بیان کرو جس پر تم ہو اور ان کی ضلالت وگمراہی کو ان پر واضح کرو اور علی علیہ السلام کے سلسلے میں مباہلہ بھی کرنا پڑے تو کر گزرو''۔

حضرت علامہ کے مذکورہ بالا بیانات سے یہ امر تو ناظرین پر واضح ہو گیا ہو گا کہ آئمہ

علیہم السلام کے زمانے میں متکلم اس شخص کو کہا جاتا تھا جو مخالف پر اپنے عقائد کو دلائل وبراہین سے اچھی طرح ثابت کر سکے اور نرمی اور شائستگی سے گفتگو کر سکے جس کو آج کل مناظر کہا جاتا ہے اور بحث ومناظرہ کے علم ہی کو علم کلام کہا جاتا تھا۔ مگر پھر تیسری صدی کے بعد صفات الہٰیہ پر تفصیلی مباحث اور متشابہات پر طویل بحثیں لکھی گئیں اور اس علم کو علم کلام ہی کہا گیا۔ اس امر کا ثبوت کہ مروجہ علم کلام جو خدا کی آٹھ صفات ثبوتیہ اور آٹھ صفات سلبیہ پر مبنی ہے آئمہ علیہم السلام کا تعلیم کردہ نہیں ہے خود علامہ کے بیان ہی سے واضح ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۸۹ سطر آخر کہ حضرت علامہ رقمطراز ہیں "بایں ہمہ جو کچھ کتب کلامیہ میں مشہور ہے کہ صفات ثبوتیہ آٹھ ہیں اور اسی طرح صفات سلبیہ بھی آٹھ ہیں غالباً پہلے جناب محقق طوسی علیہ الرحمۃ نے تجرید میں یہ نظریہ قائم کیا۔ پھر حضرت علامہ حلی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب کلامیہ میں اس کی تائید وتشئید فرمائی اور اس طرح رفتہ رفتہ اسے شہرت حاصل ہوگئی"۔

ناظرین ملاحظہ فرمالیں کہ مروجہ علم کلام کا آٹھ صفاتی نظریہ مذکورہ بالا علماء نے قائم کیا جناب محقق طوسی علیہ الرحمۃ کا زمانہ ۵۹۰ھ سے ۶۷۲ھ تک ہے اور حضرت علامہ حلی علیہ الرحمۃ کا زمانہ ۶۴۸ھ تک ہے تو مروجہ علم کلام کی تکمیل ساتویں صدی ہجری کے اختتام پر ہوئی۔ اس پر دعویٰ کہ یہ علم کلام آئمہ علیہم السلام کا تعلیم وترویج کردہ ہے کہاں تک درست ہوسکتا ہے؟

اب ناظرین کے اذہان میں ایک وسوسہ یہ پیدا ہوگا کہ تمام علماء سلف جو اس علم کی ترویج میں کوشاں رہے کیا غلطی پر تھے۔ اس کی تشریحیں توضیحیں کرنے کا الزام ان پر عائد ہوتا ہے مگر یہ وسوسہ قطعی باطل ہے اس لئے کہ اس زمانے میں اشاعرہ اور

WWW.KHROOJ.COM

مجسمہ وغیرہ نے جو علم کلام رائج کیا تھا۔اس میں صفات کو قدیم ٹھہرایا تھا اور فلسفہ قدیم کے رواج سے جو عقائد فاسدہ رائج ہوئے ان کے روکنے کے لئے یہ علم کلام لازمی اورضروری تھا۔لہٰذا ضرورت زمانہ کے لحاظ سے اس علم کلام کی ترویج ناگزیر تھی۔ان محترم ہستیوں پر جنہوں نے اپنی عمریں خلوص سے دین حقہ کی خدمت ترویج واشاعت میں بسر کردیں۔کوئی الزام نہیں بلکہ ان کے لئے تو ان کے خلوص اور خدمت دین کا اجر عظیم خدا کے پاس ہے۔ان کے بعد جو واقفان اسرار ہوتے رہے ان کے لئے بھی اسی علم کلام کی ترویج لابدی تھی۔اس لئے کہ آئمہ علیہم السلام کی توحید تو عوام کی عقل وفہم سے بالاتر ہے۔عوام الناس کے لئے تو ان ہی کے فہم کے مطابق ضرورت ہوتی ہے۔ان کے علم کلام کا مقابلہ کرنے کے لئے اسی علم کلام کی ضرورت تھی پس جب یہ علم علوم دین کا ایک جزو ہو گیا تو متاخرین پر بھی اس کی تقلید لازمی تھی۔یہ تو ایک فطری امر ہے البتہ جب علوم جدیدہ کی روشنی میں فلسفہ قدیم کا بطلان ثابت ہو گیا اور نظام شمسی کے قدیم نظریات اور نظریہ قدامت مادہ سب باطل ثابت ہو گئے اس وقت اس کی طرف توجہ کر کے اس علم میں ترمیم کرنے کے ضرورت تھی مگر جب کوئی توجہ دلانے والا محرک موجود نہ ہو توجہ کیسے ہوسکتی ہے اب ہم کو دہریت کے زبردست پروپیگنڈے کا مقابلہ درپیش ہے اور لوگوں کے ذہنوں کی بھی اتنی تربیت ہو چکی ہے کہ وہ حقائق کو سمجھ سکتے ہیں لہٰذا اب اس کی شدید ضرورت ہے کہ تعلیم توحید اہل بیتؑ پیش کر دی جائے اور علم کلام میں جو متشابہات پر بحثیں ہیں ان کو خارج کر کے حقائق پیش کر دیئے جائیں۔حقیقت سامنے آنے کے بعد جو حق کی مخالفت کرینگے وہ البتہ مستوجب عذاب ہوں گے۔اس رسالہ میں جو کچھ علماء متکلمین

کے متعلق تحریر کیا ہے اس سے ان کی مخالفت یا معاذ اللہ استخفاف منظور نہیں بلکہ صرف حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

مذکورہ بالا بیانات در بارہ علم کلام شاید ناظرین کو پوری طرح مطمئن نہ کر سکے ہوں، اس لئے کچھ مزید وضاحت کی جاتی ہے معلوم ہونا چاہیے کہ علم کلام کے خاص اجزا تین ہیں۔

پہلا اور سب سے اہم جو اصل اصول ہے وہ مسئلہ توحید ہے اس میں اس پر بحث ہوتی ہے کہ وجود باری کے دلائل کیا ہیں۔ اس کے وحدہ لاشریک ہونے کے ثبوت کیا ہیں؟ پھر اس کی صفات پر بحثیں کہ اس کی صفت ذات کیا کیا ہیں اور صفات فعل کیا ہیں۔ اس کی صفات عین ذات ہونے کے دلائل۔ وہ قادر ہے تو کس کس چیز پر قادر ہے کیا محالِ عقلی پر بھی قادر ہے۔ خدا کا علم کیسا ہے۔ اس کو کلیات کا علم ہے یا جزئیات کا بھی ہے۔ جزئیات بدلتے رہتے ہیں اس شبہ کا جواب اور اس طرح کے تفصیلی مباحث اس ذات اقدس کی شان کے لئے جو عقل و فہم، وہم و گمان سے بالاتر ہے علم کلام کا خاص جزو ہے۔

دوسرا جزو نبوت و امامت کے مباحث ہیں۔ مثلاً نبی کی ضرورت کے ثبوت نبوت و رسالت کا فرق۔ نبی کی طینت ہماری طینت کی مثل ہے یا مختلف۔ نبی کی پہچان، اس کا علم وحی والہام، نبی کی عصمت کے دلائل، ترک اولیٰ کا صدور ممکن ہونا، نبی کی کیفیات نفسی، اس کے علم کے حدود۔ امامت کی تعریف، امام کی ضرورت، ہر زمانہ میں امام کا ہونا لازم ہے، اس کے ثبوت، امام کی عصمت کے دلائل، امام کا علم، اس کو علم کب اور کس طرح ملتا ہے، اس کی صفات کیا ہوتی ہیں، اس کی کیفیات نفسی کیسی

ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔

علم کلام کا تیسرا جزو تمام عقائد متعلقہ عالم الغیب پر مفصل بحثیں ہیں۔ ملائکہ نزول وحی لوح محفوظ لوح محو و اثبات آسمان، عرش وکرسی، میزان، صراط، نامہ اعمال، اعراف، حساب کتاب، جنت و دوزخ وغیرہ وغیرہ پر دلائل و براہین قائم کرنا اور ان کی تفصیلات بیان کرنا اور ان پر وارد شدہ شکوک و وساوس کو دلائل سے دفع کرنا۔ ان کی کچھ تمثیلیں حسب ذیل ہیں۔

ملائکہ کے وجود کے دلائل ان کی شکل وصورت ان کے پَر کتنے ہوتے ہیں، ان کی پرواز کی تیز رفتاری کے حدود، وہ وحی کہاں سے اور کس طرح لاتے ہیں، لوح محفوظ کیا ہے کیسی ہے کتنی بڑی ہے کتاب کی شکل ہے یا تختی کی جو عرش کے اوپر مغرب سے مشرق تک پھیلی ہوئی ہے، لوحِ محو اثبات کیا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کچھ لکھوا دیتے ہیں پھر اس کو مٹوا کر کچھ اور لکھواتے ہیں، قلم کی حقیقت کیا ہے جس سے لوحِ محفوظ پر قیامت تک ہونے والے واقعات وحالات لکھے گئے وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ کا عرش کیسا ہے کتنا بڑا ہے، کرسی کیسی ہے، کتنی بڑی ہے کرسی عرش کو گھیرے ہوئے ہے یا عرش کرسی کو، عرش وکرسی کی حقیقت کیا ہے؟ عرش الٰہی کے کتنے پائے ہیں، ان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے، عرش کو کتنے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں، ان حاملان عرش کی صورتیں کیسی ہیں، انسان کی شکل ہے یا گائے بیل شیر چیتے یا مرغ وغیرہ کی۔ وغیرہ وغیرہ۔

اعراف سے کیا مراد ہے؟ وہ پہاڑ ہے کہ دیوار جو دوزخ و جنت کے مابین ہوگی اگر دیوار ہے تو کیسے کھڑی ہوگی، جنت تو ساتویں آسمان کے اوپر ہے اور جہنم ساتویں

زمین کے نیچے تو یہ دیوار کیسے قائم ہو گی افقی تو ہو نہیں سکتی معلق ہو گی تو بھی ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔آخر اس کے متعلق صحیح عقیدہ کیا رکھنا چاہیے تمام وساوس جو اس سے پیدا ہو سکتے ہیں ان کے تفصیلی جوابات۔

میزان...... قیامت میں ترازو کیسی کھڑی کی جائے گی، ایک ترازو ہو گی یا زیادہ اس کے دو پلڑے ہوں گے کہ نہیں، پلڑے کتنے بڑے ہوں گے ان میں اعمال تولنے کے لئے کیسے چڑھائے جائیں گے کپڑے میں باندھ کر چڑھائیں گے یا مجسم کر کے، ڈنڈی ترازو کی کیسی ہو گی ۔چاندی سونا تولنے والے کی طرح ۔ڈنڈی میں سوئی ہو گی کہ نہیں ترازو لٹکانے کو تپائی کھڑی کی جائے گی یا نہیں، اگر تپائی میں لٹکی نہ ہوئی تو اس کا منجھا اعمال تولتے وقت اللہ تعالیٰ خود دست قدرت میں پکڑیں گے یا فرشتے پکڑ کر اٹھائیں گے وغیرہ وغیرہ۔

حساب کتاب...... قیامت میں اللہ تعالیٰ حساب کیسے لیں گے کیا ہر ایک آدمی اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو گا یا اللہ تعالیٰ انبیاء واوصیاء پر آدمیوں کو تقسیم کر دیں گے، اللہ تعالیٰ اس حساب کتاب میں کتنی دیر مصروف رہیں گے، حساب کتاب کس کس چیز کا ہو گا، سوال وجواب ہو گا کہ نہیں، کیا کھانے پینے کا ہی حساب ہو گا یا کپڑوں وغیرہ کا بھی غرضکہ اس کے متعلق صحیح عقیدہ کیا رکھنا لازم ہے، قیامت سے کیا مراد ہے؟ وہ کس طرح آئے گی، میدان حشر کتنا وسیع ہو گا کہاں واقع ہو گا زمین اس وقت کیسی ہو گی، آسمان کیسا ہو جائے گا، اہل محشر کس حال میں ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔

جنت کیسی ہو گی، اس کے محل کیسے ہوں گے، وہاں کے درخت کیسے ہوں گے۔ان

کے پھل کتنے بڑے ہوں گے ڈول کے برابر یا چر سے کے برابر کوثر نہر ہوگی یا حوض، اس کی لمبائی چوڑائی اور گہرائی کتنی ہوگی، ایک ایک مرد کو کتنی حوریں ملیں گی، ان سے صحبت کس طرح کریں گے وہ مسلسل ہوگی کہ منقطع ہر جزو کے لئے صحیح عقیدہ کیا رکھنا چاہیے، اسی طرح جہنم کی تفصیلات اور ان کے متعلق صحیح عقیدہ کیا رکھنا چاہیے۔

غرض ان تفصیلی مباحث کے مجموعہ کو علم کلام کہتے ہیں اور ان کے حامل علمائے متکلمین کہلاتے ہیں۔اب میں ناظرین کو پہلے علم کلام کے اس آخری جزو یعنی عقائد متفرقہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں اول اس پر غور کریں کہ جس شے کا احساس کسی شخص کو نہ ہوا ہو نہ کبھی دیکھی نہ چھوئی ہو تو کیا وہ شخص اس کے متعلق کچھ سمجھ سکتا ہے۔نہیں ہرگز نہیں۔مثلاً کوئی کہتا ہے ''قتیب'' تو اس کے سننے سے کیا نفس پر کوئی اثر ہوتا ہے۔نہیں بالکل نہیں۔ یہ تو ایسا محسوس ہوتا ہے گویا آواز کان کے پردے سے ٹکرا کر لوٹ گئی۔البتہ اگر کسی دیکھی ہوئی چیز سے تشبیہہ دے دیں اور تمثیلاً کچھ کہہ دیں۔مثلاً یہ کہا جائے کہ یہ ایک دو دھارا خنجر ہوتا تھا اب سنیں ''قتیب ،قتیب'' اب پہلی جیسی کیفیت نہ ہوگی بلکہ آواز کان کے پردے سے گزر کر نفس پر اثر انداز ہوگی۔اسی طرح جو شے چکھی نہ ہو اس کا ذائقہ سمجھ نہیں سکتا۔اگر کسی شخص نے لوکاٹ کبھی نہ کھایا ہو تو کوئی شخص بھی اس کو لوکاٹ کا ذائقہ سمجھا نہیں سکتا۔اس کے لئے سمجھنا ممکن ہی نہیں۔اسی طرح تمام حواس و احساسات و کیفیات نفسی کا حال ہے جس شخص پر ایک کیفیت طاری نہ ہوئی ہو اس کیفیت کا اس کو تجربہ نہ ہو چکا ہو اس کے متعلق وہ کچھ سمجھ ہی نہیں سکتا۔سمجھنا تو بڑی بات ہے اس کی طرف نفس کی توجہ ہی نہیں ہوسکتی۔غیر محسوس کی طرف نفس انسان کا متوجہ ہونا تو محال عقلی ہے۔

یہ امر تو ناظرین پر واضح ہو چکا ہے کہ قرآن میں کیفیات نفسی بیان کی گئی ہیں جیسا قرآن کریم نے خود ہی بتلا دیا ہے کہ یہ قرآن تفصیل ہے اس کتاب کی جس میں ریب نہیں ۔اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ خدا کی وہ کتاب جس میں کوئی ریب وشک نہیں ہوسکتا ہے نفس انسان ہے پس جب کسی شخص کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی کیفیت نفس کو جواس پر وارد نہ ہوئی ہو جس کا تجربہ اس کو نہ ہو چکا ہو سمجھ سکے تو بتلائیں کہ قرآن میں جو کیفیات نفسی بیان کی گئی ہیں ان کو کیسے سمجھ سکتا ہے ۔ پھر یہ بھی کھلی ہوئی بات ہے اور ہر صاحب فہم جانتا ہے کہ نفس کی جو کیفیت بھی لفظوں میں بیان کی جائے گی ان الفاظ کے ظاہری معنی مراد نہ ہوں گے اور ایسے بیانات ہی کو متشابہ کہتے ہیں ۔

جو شخص خدا پر ایمان لایا ہے اور اس کو اصدق الصادقین سمجھتا ہے ۔ وہ تو اس پر ایمان لے آئے گا کہ قرآن میں کیفیات نفس بیان کی گئی ہیں لہٰذا سوائے اوامر ونواہی اور احکام معاشرت جن کا تعلق مادی دنیا اور محسوسات سے ہے باقی تمام قرآن متشابہ ہے ۔لہٰذا واضح ہو جاتا ہے کہ علم کلام کے ان تمام عقائد کی بنیاد متشابہات پر قائم کی گئی ہے جس کے لئے خداوند عالم نے فرما دیا ہے کہ متشابہ کے پیچھے وہ لوگ پڑتے ہیں جن کے دل ٹیڑھے ہو گئے ہیں اور احادیث میں بھی اس کی سخت ممانعت کی گئی ہے معصومینؑ نے فرمایا ہے کہ متشابہ کے پیچھے نہ پڑو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے لہٰذا اب تو ہر وہ شخص جو صاحب شعور ہے دیکھ لے گا اور سمجھ لے گا کہ علم کلام کا یہ جزو تو یقیناً باعث ہدایت نہیں ۔

اب علم کلام کے دوسرے جزو کو لیجئے جب یہ امر ہر صاحب فہم جانتا ہے کہ نفس انسان

پر جو کیفیت طاری نہ ہوئی ہو اس کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ یہ تو محال عقلی ہے کہ اکثر ماں باپ یا دوسرے تربیت کرنے والے بچے کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ اس کے ہنسانے کو ہنستے ہیں کبھی اس کو متاثر کرنے کو روتے ہیں، کبھی کشتی لڑ کر خود گر جاتے ہیں اور اس کو شاباش دیتے ہیں کہ ارے پہلوان ڈھا دیا ڈھا دیا۔ واہ واہ شیر ہے شیر، تو کیا کسی بچے کے لئے ممکن ہے کہ وہ سمجھ سکے کہ یہ سب تصنع ہے۔ نہیں اس کا تو امکان ہی نہیں لہٰذا انبیاء و آئمہ علیہم السلام کی جو امت کے باپ ہیں کیفیت نفسی کو امت کے لاشعور افراد کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ یہ تو ممکن ہی نہیں۔ یہ تو عقلی اور فطری دلیل ہوئی۔ مگر روایت پرستوں کے لئے منقولی دلائل بھی موجود ہیں۔ ایک صاحب شعور تو دیکھ لے گا کہ احادیث رسولؐ و آلؑ رسولؐ میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی زندگی کے کام محکم بھی ہیں اور متشابہ بھی اور ناظرین پر یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ انبیاء و آئمہ معصومین علیہم السلام پر خدا کے حکم سے مکر یا تقیہ واجب تھا کہ وہ اپنے قوائے باطنی کو پوشیدہ رکھیں اور عوام الناس کی کیفیات نفسی کی مثل ہی جذبات و کیفیات کا اظہار کرتے رہیں۔ یہ امر احادیث آئمہ طاہرین سے ظاہر ہے انہوں نے بتلا دیا ہے کہ تقیہ ہمارا دین ہے اور ہمارے آباء کا دین اور نوے حصے دین کے تقیہ میں ہیں۔ اب ان آیات و احادیث و اصول فطرت کے مطالعہ کے بعد ہر وہ شخص جس کے پاس سمجھنے والا دل ہے سمجھ سکتا ہے کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام کی کیفیات نفسی کے متعلق ظواہر قرآن و حدیث پر بنا کر کے عقائد قائم کرنا اور ان پر بحثیں کرنا حق سے نزدیک کرنے والا قدم نہیں ہو سکتا۔

اب علم کلام کے جزو اعظم پر جس کا اصل اصول ذات و صفات باری تعالیٰ پر بحثیں

کرنا ہے تھوڑا غور فرمالیں۔ جب کیفیات نفسی لفظوں میں بیان نہیں ہوسکتیں، کسی غیر محسوس کا بیان لفظوں میں نہیں ہوسکتا تو خدا کے متعلق الفاظ میں کچھ بیان کرنا کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟ کیا کوئی اپنی قوت ارادی، قوت فکر، قوت تخیل کے متعلق لفظوں میں بحثیں کر کے کچھ سمجھ سکتا ہے؟ ہر ذی فہم جانتا ہے کہ یہ ممکن نہیں، یہ تو محال عقلی ہے مگر متکلمین کے نزدیک خدائے سبحان کی منزلت کچھ ایسی ہے کہ اس کے متعلق لفظوں میں بحثیں کر کے سمجھ سکتے ہیں۔ اس کی معرفت حاصل کرنے کو صفات کی لفظی بحثوں پر مروجہ علم کلام وضع کیا گیا حالانکہ معصومین علیہم السلام نے اس سے منع فرمایا ہے۔

یہ امر تو ہر شخص تسلیم کرے گا کہ صفات باری کے متعلق سوال کرنے والے بعض نادانوں کو آئمہ علیہم السلام نے جوابات دیئے ہیں مگر وہ تو تمام ایسے ہی ہیں جیسے کہ توالد و تناسل کے متعلق تین چار سالہ بچے کے سوالات کا جواب تمثیلوں میں دے دیا جاتا ہے تاکہ اس کے ذہنی ہیجان میں سکون ہوجائے۔ ایسے جوابات کو حقیقت سمجھ کر بحثیں کرنے والے ہمیشہ گمراہی میں پڑے رہتے ہیں۔ جب ہر ذی فہم جانتا ہے کہ غیر محسوس کے متعلق جو کچھ کہا جائے گا متشابہ ہی ہوگا۔ پس جو لوگ خدائے سبحان کو غیر محسوس جانتے ہیں وہ تو سمجھ جائیں گے کہ تمام ایسی احادیث جو صفات باری کے متعلق ہیں مبنی بر تقیہ اور متشابہ ہی ہیں محکم اور مبنی بر حقیقت نہیں ہیں مگر ان ہی متشابہ آیات و احادیث اور احادیث مبنی بر تقیہ پر علم کلام کی بنیادیں قائم کی گئیں اور احادیث محکم اور مبنی بر حقیقت کو قطعاً نظر انداز کر دیا گیا۔ بلکہ ان کی قیاسی تاویلیں کر کے ان کو رد کر دیا گیا۔ اب ہر ذی فہم آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ صفات باری پر لفظی بحثیں کرنا درست نہیں اور خدا و رسولؐ آلؑ رسولؐ کے احکام کی کھلی ہوئی خلاف

ورزی ہے پہلے کلام اللہ میں دیکھیں۔

() لَيۡسَ كَمِثۡلِهِ شَىۡءٌ ...... (۱۱) الشوریٰ

اس کی شہ مثل بھی کوئی شے نہیں۔

() سُبۡحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يَصِفُونَ (۱۰۰) الانعام

اللہ تبارک تعالیٰ اس سے منزہ ہے جو صفات بیان کرتے ہیں

() لَّا تُدۡرِكُهُ الۡأَبۡصَارُ وَهُوَ يُدۡرِكُ الۡأَبۡصَارَ (۱۰۳) الانعام

نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرتا ہے۔

حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان کا وہم اس کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ کیا تم نے اس آیت پر غور نہیں کیا۔ قَدۡ جَاءَكُم بَصَآئِرُ مِن رَّبِّكُمۡ (۱۰۴) الانعام۔ اس میں بصائر سے مراد بصر عیون نہیں ہے جیسا کہ آگے فرماتا ہے فَمَنۡ أَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِهِ۔ اس سے آنکھ دیکھنا مراد نہیں اور وَمَنۡ عَمِيَ فَعَلَيۡهَا اس سے آنکھوں سے اندھا ہونا مراد نہیں بلکہ احاطہ وہم مراد ہے (بقدر ضرورت نقل کیا) الشافی ترجمہ اصول جلد ا ص ۱۰۹

اب ادعیہ، خطبات اور احادیث رسولؐ و آلِ رسول علیہم السلام ملاحظہ فرمائیں۔

() دعا مشلول۔ یا من لا یعلم ما هو ولا کیف هو ولا این هو ولا حیث هو الا هو (اے وہ کہ کوئی نہیں جانتا وہ کیا ہے نہ یہ کہ وہ کیسا ہے نہ یہ کہ وہ کہاں ہے نہ یہ کہ وہ کس طرح ہے مگر وہ خود)۔

() دعاء صباح۔ یا من دل علیٰ ذاته بذاته (اے وہ کہ دلالت کی اس نے اپنی

ذات پر اپنی ہی ذات سے) یہ بھی وہی مذکورہ بالا مضمون ہے کہ سوائے اس کی ذات کے اور کچھ اس پر دلالت کر ہی نہیں سکتا۔ متکلمین کے نزدیک یہ بات شاید صحیح نہیں وہ اس ذات پر الفاظ سے دلالت کر لیتے ہیں۔

( )ضمیمہ مقبول ترجمہ پارہ ۱۹ بقیہ حاشیہ آیت (یوم یعض الظلم علی یدیه) کے تحت امیر المومنین علیہ السلام کا ایک خطبہ منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' تمام حمد اسی خدا کے لئے ہے جس نے اوہام کو اس طرح معدوم کیا کہ کہیں پائے ہی نہیں جاتے سوائے اس کے کہ خود اس کا وجود (یعنی اس کی ہستی وہم وگمان میں آنے والی نہیں)اور عقلوں پر ایسے پردے ڈالے ہیں کہ اس کی ذات کا خیال ہی نہیں کیا جاسکتا''۔(بقدر ضرورت)

( )الشافی جلد ا ص ۱۱۲) امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا'' ان اللّٰــــه لا یوصف بمحدودية عظم ربنا عن الصفته فکیف یوصف بمحدودية ''

(بے شک اللہ کی صفت محدودصورتوں سے نہیں کی جاسکتی۔ بہت عظیم ہے رب ہمارا صفت سے۔ پس کیونکر وصف کیا جاسکتا ہے اس کا محدودصورتوں سے تا آخر) جناب مترجم صاحب عظم ربنا عن الصفت کا ترجمہ لکھتے ہیں''عظیم ہے رب ہمارا زائد بر ذات صفتوں سے'' صاحب شعور دیکھ سکتے ہیں کہ'' زائد بر ذات'' کے الفاظ مترجم صاحب کی طرف سے اضافہ ہے۔

( ) الشافی جلد ا ص ۱۱۴) امام حسن عسکری علیہ السلام کا خط جو ایک سوال کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا'' فکتب علیه السلام بخطه سبحان من لا یحد ولا یوصف لیس کمثله شی وهو السمیع العلیم ''(ترجمہ پس لکھا آنحضرت

علیہ السلام نے اپنے دست مبارک سے پاک ہے وہ جس کے لئے حد نہیں نہ اس کی صفت بیان کی جاسکتی ہے اور وہ سمیع وعلیم ہے)۔

ناظرین میں سے اکثر خود سمجھ سکتے ہیں کہ لا یوصف کے معنی ''صفت نہیں کی جاسکتی'' کے سوائے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے مگر مترجم صاحب نہ معلوم کیوں لا یـــوصف کا ترجمہ کرتے ہیں ''جس کا وصف اوصاف مخلوق سے نہیں کیا جاتا'' ان کے خیال میں امام حسن عسکری علیہ السلام ''بصفات مخلوق'' لکھنا بھول گئے تھے شاید۔

( )ضمیمہ مقبول ترجمہ پارہ ۲۷ ''ومن کل شیٔ خلقنازوجین '' کے تحت امام ضامن ثامن علیہ السلام کا ایک خطبہ منقول ہے'' اللہ کی سب سے پہلی عبادت اس کی معرفت ہے پس جس نے اس کی نعت کی اس نے اس کی بندگی ہی نہ کی ......تا آخر''۔

افسوس متکلمین کے نزدیک یہ درست نہیں بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس کی عین عبادت یہی ہے کہ اس کی نعت کی جائے ،صفات بیان کی جائیں۔

( )الشافی ص ۹۰ جلد ۱) امام محمد باقر علیہ السلام کی ایک حدیث منقول ہے جس میں یہ فقرے ہیں ''وہ ذات عقل میں آنے والی اور حدود میں محدود ہونے والی نہیں ہے جو تیرے وہم میں آئے وہ اس کے خلاف ہے''

( ) الشافی جلد ۱ ص ۹۱ سطر ۱۴) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ''بیشک وہ سمیع وبصیر ہے لیکن بغیر کسی عضو کے سنتا ہے ،بغیر کسی آلہ کے دیکھتا ہے ،سنتا ہے اپنے نفس سے دیکھتا ہے اپنے نفس سے ،میری مراد یہ نہیں کہ وہ اور شے ہے اور اس کا نفس اور شے ہے بلکہ ارادہ کیا میں نے اظہار کا اس چیز کے جو میرے دل میں ہے تیرے

سمجھانے کے لئے جب تو سوال کرتا ہے (تا آخر حدیث)

ان احادیث میں مولا نے کھول کر بیان کر دیا ہے کہ خدا کے متعلق جو کچھ کہا جائے گا وہ مسائل کے سمجھانے کے لئے ہوگا حقیقت نہیں ہوسکتی جو اس کو حقیقت سمجھ لے گا گمراہ ہوگا حق یہ ہے کہ جو کچھ بھی الفاظ میں اس ذات اقدس کے لئے کہا جائے گا وہ محض اس کی طرف توجہ دلانے کے لئے ہوگا۔ اس لئے کہ نفس کو بغیر الفاظ توجہ دلانا ممکن ہی نہیں۔

( ) الشافی جلد ا ص ۹۲) حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا '' وہ رب ہے، وہ معبود ہے، وہ اللہ ہے لیکن میری مراد اللہ سے، ان حروف کا ثابت کرنا نہیں ا، ل، ہ اور نہ ر، ب کا بلکہ میری مراد وہ ذات ہے جو خالق اشیاء اور ان کا صانع ہے''۔

( ) ص ۹۲ سطر ۱۰) امام نے فرمایا اللہ ہے رب ہے لیکن ان الفاظ کے حروف اس حقیقت اور معنیٰ ذات کو نہیں سمجھاتے ...... تا آخر)''۔

( ) ص ۱۱۵ سطر ۲۳) حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے آپ نے فرمایا '' اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر ہے۔ بندے اس کی صفت بیان کرنے پر قادر نہیں''۔

( ) الشافی جلد ا ص ۱۲۹) فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے '' اسم اللہ کا غیر ہے۔ ہر وہ شے جس کے لئے نام ہو مخلوق ہے۔ سوائے اللہ کے جس چیز کو زبانیں تعبیر کرتی ہیں اور ہاتھ اس میں کام کرتے ہیں وہ مخلوق ہے اس خالق برحق کا نام اس کے نشانات میں سے ایک نشان ہے اور جس کا نشان ہو وہ نشان سے علیحدہ ذات ہوتی ہے اور غایت یا نشان موصوف ہوتا ہے اور جو موصوف ہے وہ مصنوع ہے اور خالق اشیاء غیر موصوف ہے مسمّی کے حدود میں وہ پیدا نہیں ہوتا کہ اس کے ہونے کو غیر کی

www.khrooj.com

صفت سے پہچانا جائے اس کے لئے حد وانتہا بھی نہیں کوئی نشان بھی نہیں اور جو ہے وہ اس کا غیر ہے''۔

()ص ۱۳۰ سطر ۷) خالق ومخلوق کے درمیان کوئی شے مشترک نہیں۔ خدا خالق اشیاء ہے وہ کسی چیز سے خود نہیں پیدا ہوا۔ اس کے ناموں سے اسے موسوم کیا جاتا ہے لیکن اس کی ذات ناموں سے غیر ہے اور نام اس سے غیر ہیں۔

()ص ۱۲۹ سطر ۱۰) حدیث امام رضا علیہ السلام میں ہے'' وہ اس کا محتاج نہیں کہ اس کی ذات کا نام رکھا جائے لیکن اس نے کچھ نام اپنے لئے انتخاب کئے ہیں وہ ان ہی ناموں سے پکارا جاتا ہے اگر کسی نام سے پکارا نہ جاتا تو اس کی معرفت نہ ہوتی''۔

()ص ۱۳۴ سطر ۲۱) حضرت صادق علیہ السلام سے منقول ہے ایک شخص نے آپ کے سامنے کہا'' اللہ اکبر'' فرمایا وہ کس سے بڑا ہے'' اس نے کہا'' ہر شے سے'' تو نے اس کے لئے حد قائم کردی'' اس نے کہا'' پھر کیسے کہوں'' فرمایا کہو'' اللّٰہ اکبر ان یوصف ''یعنی اللہ بزرگ تر ہے اس سے کہ اس کی صفت کی جائے مگر مترجم صاحب ترجمہ کرتے ہیں'' اللہ بزرگ تر ہے اس سے کہ اس کی تعریف کی جائے''۔

()امام باقر علیہ السلام نے فرمایا'' کلام کرو خلق خدا کے بارے میں اللہ کے بارے میں کلام نہ کرو''۔(الشافی ا ص ۱۰۳)

()اسی صفحہ پر) ہر شے کے متعلق کلام کرو سوائے ذات باری کے۔

()از حضرت صادق علیہ السلام ''جب کلام کی انتہا اللہ کی طرف ہو تو خاموش ہو جاؤ''۔ص ۱۰۳

www.khrooj.com

() لوگ طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ خدا کے بارے میں بھی کلام کرتے ہیں۔ جب تم ایسا کلام سنو تو کہو لَا اِلٰـہَ اِلّا اللّٰـہ۔ اللہ وہ ہے جو ایسا واحد ہے جس کی مثل کوئی شے نہیں''۔ ص ۱۰۳

() ص ۱۵۵ و ص ۱۵۶) امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا'' حمد ہے اس خدا کی جو واحد و یگانہ اور بے نیاز و تنہا ہے۔ وہ نہ کسی چیز سے بنا ہے نہ کسی مادے سے خلق ہوا ہے۔ وہ قدرت محض ہے۔ وہ اشیاء سے الگ ذات ہے۔ اشیاء اس سے الگ ہیں۔ اس کی صفت کا ادراک نہیں ہوتا نہ کوئی تعریف ہے کہ اس کی مثال بیان کی جائے۔ تھک کر رہ گئی اس کی صفات کے بیان میں اہل زبان کی طاقت لسانی اور گم ہوگئے اس کے بارے میں ان صفات کے خصوصیت و اقسام جو لوگوں کے دلوں میں ہیں اور حیران ہوکر رہ گئیں اس کی قدرت کے بارے میں غور و فکر کی گہرائیاں اور اس کے علم کے بارے میں وہ تمام الفاظ عاجز و درماندہ ہوگئے جو بڑے وسیع المعنٰی تھے۔ اس کے چھپے ہوئے اسرار تک غیب کے بہت سے پردے حائل ہیں اور اس کے لطیف و نازک امور کے دریافت کرنے میں دور رس عقول حیران ہوکر رہ گئیں''۔

() ص ۱۶۰ سطر ۳) اللہ وہ ہے کہ بلند سے بلند ہمتیں اس تک نہیں پہنچ سکتیں۔ نہ عقل و فہم کی گہرائیاں اس کو پاسکتی ہیں۔ اس کے لئے نہ شمار کیا ہوا کوئی وقت ہے اور نہ کوئی صفت متعین''۔

() ص ۱۶۰ سطر ۲۴) تعریف کرنے والے اس کی صفت کی حقیقت بیان کرنے میں عاجز ہیں اس کی الٰہیت کی معرفت اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے۔

( )ص ۱۶۱ سطر ۱۱) حدیث امام رضا علیہ السلام ’’کہاں وصف کیا جا سکتا ہے اس کا جس کے ادراک سے حواس عاجز ہیں اور اوہام اس کو پا نہیں سکتے ۔ خطرات قلبی اس کی حد بندی نہیں کر سکتے ابصار اس کے احاطہ سے قاصر ہیں واصفون (وصف کرنے والے) جتنا بھی اس کا وصف کریں اس کی شان اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے (تا آخر)‘‘۔ (مترجم صاحب نے وصف اور واصفون کا ترجمہ تعریف اور تعریف کرنے والا کیا ہے)۔

( )ص ۱۶۳ سطر ۱۸) خطبہ امیر المومنینؑ ’’حمد ہے اس خدا کے لئے جس نے اپنے بندوں کے دلوں میں حمد کا الہام کیا‘‘۔ (سطر ۲۲) مخلوق کا باہم مشابہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ اس کے لئے مشابہت نہیں۔ اس کی آیات اس کی قدرت کی گواہ ہیں صفات سے اس کی ذات کا پتہ چلانا ممنوع ہے۔ آنکھوں سے اس کی رویت ممکن نہیں اور اوہام اس کا احاطہ نہیں سکتے (تا آخر)‘‘۔

حیرت ہے کہ متکلمین اللہ کی صفات سے اس کی ذات کا پتہ چلانا ممنوع نہیں سمجھتے۔

( )اسی خطبہ کے سلسلے میں ص ۱۶۴ پر ہے فمن وصف اللّٰہ فقد حدہ (پس جس نے اللہ کی صفت بیان کی اس نے اس کو محدود کر دیا) ومن حدہ فقد عدہ (اور جس نے اس کی حد بندی کی اس نے اسے شمار کر لیا) ومن عدہ فقد ابطل ازلہ (اور جس نے اس کو شمار کیا اس نے اس کی ازلیت کو باطل قرار دیا)۔

مترجم صاحب ترجمہ کرتے ہیں ’’پس جس نے اوصاف مخلوق سے خالق کو موصوف کیا ‘‘کیا امیر المومنینؑ یہ کہنا بھول گئے تھے فمن وصف اللّٰہ بصفات المخلوق‘‘۔

( )ص ۱۶۵، ۱۶۶) امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے توحید کے بارے میں سوال کیا

گیا حضرت نے اپنے قلم سے لکھا''۔سزاوار حمد ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں کو اپنی حمد کا الہام کیا۔اس کے وجود نے عقول واوہام کی جولانیوں کو بیکار بنا دیا ۔دین میں سب سے پہلی چیز اس کی معرفت ہے اوراس کی معرفت کا کمال اس کی توحید ہے اور کمال توحید (نفی الصفات عنہ) صفات کی اس سے نفی ہے''۔(مترجم صاحب ترجمہ میں لکھتے ہیں'' کمال توحید صفات مخلوق کی اس سے نفی ہے''۔ (ناظرین ملاحظہ فرمالیں ،اس طرح اہل بیتؑ کی تعلیم کو متکلمین اپنے قیاس کے مطابق ڈھال لیتے ہیں)''۔ ہر صفت اس پر گواہ ہے کہ موصوف سے غیر ہے اور ہر موصوف اس پر گواہ ہے کہ وہ صفت کا غیر ہے اور یہ دونوں اس پر گواہ ہیں کہ وہ ازلی نہیں ......(فمن وصف اللّٰہ فقد حدہ) پس جس نے اللہ کی صفت بیان کی اس نے اس کو محدود کر دیا''۔مترجم صاحب اس کا ترجمہ لکھتے ہیں''جس نے کیفیات سے خدا کی تعریف کی اس نے خدا کے لئے حد بندی کر دی''۔

(اب خطبہ کے فقرے یہ ہیں)ومن حدّہٗ فقد عدّہٗ (اور جس نے اس کو محدود کیا اس نے اس کو گن لیا)ومن عدّہٗ فقد ابطل ازله (جس نے اسے شمار کیا اس کے ازلی ہونے کو باطل قرار دیا......(غرضکہ آخری فقرہ یہ ہے)

وكذالك يوصف ربنا وفوق مايصفه الواصفون (اوراسی طرح ہمارے رب کا وصف بیان کیا جاتا ہے اور وہ وصف کرنے والوں کے وصف سے بالاتر ہے)

()ص ١٦٧ پر ایک اور خطبہ ہے اس میں سطرے پر ہے وقصرت دون بلوغ صفته اوهام الخلائق (اور قاصر ہیں اس کی صفت کی حد تک پہنچنے میں خلائق کے اوہام)

( ) حضرت علامہ محمد حسین صاحب قبلہ نے اپنی کتاب ''احسن الفوائد'' صفحہ ۸۴ سطر ۲۱ پر امام محمد باقرؑ کی یہ حدیث نقل فرمائی ہے ان کل ما یتصوره احد" فی عقله اوهمه او خیالهٖ فاللّٰه سُبحان غیره ورائه لِانّه مخلوقِ المخلوق لا یکون من صفات الخالق۔

(ترجمہ۔ تحقیق کہ جو کچھ بھی تصور کرے کوئی شخص اپنی عقل یا وہم یا خیال میں پس اللہ سبحانہ اس کے علاوہ کچھ اور ہے (جو کچھ تصور میں آئے اس شخص کی مخلوق ہے) اس لئے کہ وہ مخلوق ہے اور مخلوق خالق کی صفت نہیں ہوسکتی)۔اب حضرت علامہ صاحب کا ترجمہ دیکھیں ''جو شخص اپنی عقل یا وہم یا خیال میں خدا کی ذات کا تصور قائم کرے اسے سمجھ لینا چاہیے کہ خدا اس کے علاوہ کچھ اور ہے، جو کچھ اس کے ذہن میں آجائے وہ اس کے ذہن کی مخلوق ہے مگر خدا خالق ہے مخلوق نہیں''۔

حضرت علامہ نے تصور کو ذات کے لئے محدود کر دیا حالانکہ حدیث کے آخری جملہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ تصور قائم کردہ خالق کی صفت نہیں ہوسکتا۔اس لئے کہ وہ بندہ کی ذہنی مخلوق ہے۔اگر یہاں تصور کا تعلق بجائے صفت کے ذات سے ہوتا تو آخری جملہ یہ نہ ہوتا ''مخلوق خالق کی صفت نہیں ہوسکتی''۔ بلکہ یہی ہوتا جو ترجمہ علامہ صاحب نے کیا ہے'' خدا خالق ہے مخلوق نہیں''۔مگر کلام معصومؑ تو یہ نہیں ہے یہ تو عربی کا مبتدی طالب علم بھی دیکھ سکتا ہے کہ'' والمخلوق لا یکون من صفات الخالق '' کا ترجمہ یہی ہے کہ ''مخلوق خالق کی صفت نہیں ہوسکتی''۔علامہ صاحب نے اس کا ترجمہ یہ کر دیا'' مگر خدا خالق ہے مخلوق نہیں'' ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ معصومؑ نے تو یہ فرمایا ہے کہ جو کچھ تمہارے ذہن میں آئے وہ تمہارے ذہن کی مخلوق

ہے جو خالق کی صفت نہیں ہوسکتی ۔ بات یہ ہے کہ صحیح ترجمہ کرنے سے تو علم کلام کا قلعہ ہی مسمار ہوجاتا ہے لہٰذا اہل کلام کے لئے ضروری ہے کہ ترجمہ میں اپنے عقائد کے مطابق تحریف کریں۔

( )اسی صفحہ ۸۴ سطر ۲ پر حدیث رسول کریم صلعم نقل فرمائی ہے۔ان اللّٰہ احتجب عن العقول کما احتجب عن الابصار (الی آخر) ترجمہ۔تحقیق کہ اللہ عقلوں سے حجاب میں ہے جس طرح وہ نگاہوں سے حجاب میں ہے (یعنی وہ عقل وفہم کی رسائی سے اسی طرح دور ہے جس طرح نگاہوں سے)۔مگر علامہ صاحب ترجمہ کرتے ہیں'' خداوند عالم کی حقیقت عقول وافہام کی دسترس سے اسی طرح بلند و بالا اوران سے مخفی ومستور ہے جس طرح آنکھوں کی رسائی سے بالا ہے''۔یعنی اللہ کے معنی لکھتے ہیں'' خداوند عالم کی حقیقت'' حالانکہ آنکھوں کے سامنے تو شکل ہی آتی ہے نہ کہ حقیقت ذات، ظاہر ہے کہ علامہ صاحب نے اس حدیث کے سلسلے میں واضح طور پر تحریفِ معانی کی ہے۔

( )اسی کتاب کے صفحہ ۸۵ پر یہ حدیث نقل فرمائی ہے''ایاکم والتفکر فی اللّٰہ'' ترجمہ یہ ہے کہ'' اللہ کے بارے میں فکر کرنے سے بچو یا ڈرو'' مگر علامہ صاحب ترجمہ کرتے ہیں'' اللہ سبحانہ کی کہنہ ذات میں غوروفکر نہ کرنا'' یہاں بھی کلام رسولؐ میں تحریف ہے۔

( ) جناب امیرالمومنین علیہ السلام کا مشہور خطبہ جو نہج البلاغہ کا پہلا خطبہ ہے اس کے چند جملوں پر غور کرلیں۔اول الدین معرفتہ (دین میں سب سے پہلی چیز اس کی معرفت ہے)اور مولائے کائنات نے بتلادیا ہے مَن عَرَفَ نَفسَهُ فَقَدْ عَرَفَ

رَبَّـہٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا) اس سے صاف ظاہر ہے کہ رب کی معرفت نفس کی معرفت ہے۔ مگر معرفت نفس کا علم کلام سے تعلق کیسے ہو سکتا ہے جبکہ متکلمین نے اس کی جڑ ہی کاٹ دی اور کہہ دیا کہ نفس کی معرفت محال ہے اب خطبہ کے دو فقرے کافی شرح چاہتے ہیں۔ اب اس جملہ پر آویں ''وکمال الاخلاص نفی الصفات عنه'' (اور اخلاص کا کمال یہ ہے کہ صفات کی اس سے نفی کی جائے) اس سے تو علم کلام کے قصر میں زلزلہ آجاتا ہے لہٰذا متکلمین اس کے ترجمہ میں خوب تحریف کرتے ہیں۔ بعض یہ ترجمہ کرتے ہیں ''کہ اخلاص کا کمال یہ ہے کہ اس سے صفات زائد کی نفی کی جائے''

کوئی صاحب لکھتے ہیں ''صفات زائد بر ذات کی نفی کی جائے'' اور کوئی لکھتے ہیں ''صفات مخلوق کی اس سے نفی کی جائے''۔

اب یہ جملہ آتا ہے۔ لشھادۃ کل صفۃٍ انھا غیر موصوف (ہر صفت شہادت دیتی ہے کہ وہ موصوف کی غیر ہے) ولشھادۃ کل موصوف انه غیر الصفة (اور ہر موصوف شہادت دیتا ہے کہ وہ صفت کا غیر ہے) فمن وصف اللّٰہ سبحانه فقد قرنه (پس جس نے اللہ سبحانہ کی صفت بیان کی اس نے اس کا شریک بنا دیا)۔

امیر المومنینؑ نے تو متکلمین کے علم کلام کا قلعہ ہی مسمار کر دیا ہے انہیں تو مجبوراً ترجمہ میں تحریف کرنی پڑتی ہے۔ کوئی علامہ صاحب ترجمہ کرتے ہیں ''جس نے صفات زائد بر ذات سے اس کی توصیف کی''۔ تو کوئی بزرگوار لکھ مارتے ہیں ''جس نے صفات مخلوق سے اس کو متصف کیا'' ایسے تراجم کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے کہ

متکلمین کے عقائد کی بنیاد صرف ان احادیث پر رکھی گئی ہے جو متشابہ اور مبنی بر تقیہ ہیں اور جن کو معصومینؑ نے نادان، جاہلوں، بچوں، کفار، مشرکین و منافقین کو خدا کی طرف توجہ دلانے کے لئے بیان فرمایا تھا۔ اس سلسلے میں یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ حق پسند علماء موقع محل پر حق ظاہر کر ہی جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ تو لکھ گئے ہیں۔ ''توحید کے متعلق تو کوئی شخص کچھ سمجھ ہی نہیں سکتا مگر کشف سے بعد بہت سی ریاضات و مجاہدات کے''۔

مذکورہ بالا بیانات سے واضح ہے کہ اس مروجہ علم کلام سے باز رکھنے کے لئے آئمہ معصومین علیہم السلام نے کتنا اہتمام فرمایا ہے۔ کیا ایک یہی حدیث کافی نہیں ہے۔ یهلك اصحاب الكلام و ينجو المسلمون (اصحاب کلام ہلاک ہوتے ہیں اور احکام کی اطاعت کرنے والے نجات پاتے ہیں) (اعتقادیہ شیخ صدوق ص ۶۰) اور اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا بنص قرآن لاتلقو بایدیکم الی التهلكه (اپنے تئیں خود ہلاکت میں نہ ڈالو) حرام ہے۔

ناظرین علم کلام کی توحید تو دیکھ چکے اب نبوت کی بھی ایک جھلک ملاحظہ فرمالیں اعتقادیہ شیخ صدوق مطبوعہ مکتبہ امامیہ اردو بازار لاہور صفحہ ۱۷۶۔ ''عصمت کے متعلق عقیدہ'' شیخ ابوجعفر نے فرمایا ہمارا اعتقاد نبیوں وصیوں اور فرشتوں کے بارے میں یہ ہے کہ یہ سب معصوم ہیں ابتداء سے آخر تک کمال اور تمامیتِ صفات اور علم سے موصوف ہیں کسی حال میں بھی یہ حضرات کچھ بھی نقص و جہالت سے متصف نہیں ہو سکتے''۔

کاش اس عقیدے پر سب قائم رہتے مگر متشابہ آیات اور متشابہ احادیث کو محکم سمجھ

لینے سے یہ عقیدہ متزلزل ہوگیا اوراس عقیدے میں کچھ ترمیم کی ضرورت لاحق ہوگئی اور ماننا پڑا کہ انبیاء معصومینؑ سے ترک اولیٰ ہوجاتا ہے۔ چنانچہ متکلمین کا عقیدہ ہے کہ حضور سرورکائنات ''ایک روز انشاءاللہ کہنا بھول گئے تو چالیس روز وحی نہ آئی'' ''ایک یہودیہ نے بالوں میں گرہ لگا کر جادوکردیا تو آنحضرت سخت علیل ہوگئے جب کنوئیں میں سے حضرت امیرالمومنینؑ نے بحکم حضورؐ وہ گرہ لگا ہوا جادو نکالا اور قل اعوذ برب الفلق کی تلاوت کی تو گرہ ٹوٹی اور حضرت کو افاقہ ہوا'' اللہ تعالیٰ نے سخت تاکید فرمائی ''اے رسولؐ جس کا تم کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو''۔

''حضرت سلیمان اور حضرت داؤد سے بھی ترک اولیٰ ہوگیا''۔ ''حضرت موسیٰ کو ایک خیال آ گیا کہ اس وقت میرے برابر کوئی عالم نہیں تو خدا کا حکم ہوا کہ جاؤ ہمارے بندے سے علم سیکھو تو حضرت خضر کے پاس گئے۔ انہوں نے موسیٰ سے عہد لیا کہ کسی امر کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کرنا جب تک میں خود ہی اس کی تاویل تم کو نہ بتلاؤں مگر حضرت موسیٰ عہد کر کے بھولتے رہے''۔ ''حضرت نوحؑ کو حکم ہوا کہ مجھ سے ظالموں کے بارے میں سوال نہ کرنا۔ مگر جب بیٹا ڈوبنے لگا تو محبت پدری جوش میں آئی اور سوال کر ہی بیٹھے'' اور حضرت آدمؑ کے متعلق تو کچھ نہ پوچھئے ''ان سے تو بڑا ترک اولیٰ ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فعصیٰ آدم ربه فغویٰ (آدمؑ نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور گمراہ ہوگئے)'' ''شیطان نے جنت میں جا کر حضرت آدمؑ کو بہکا دیا اور اس کے فریب میں آ کر شجر ممنوعہ کا پھل کھا لیا اور جنت سے نکالے گئے'' اس کی تفصیل وحوالہ جات کی ضرورت نہیں۔ ہمارے برادران ایمانی مجالس میں سنتے رہتے ہیں۔ مولوی فرمان علی صاحب آیہ وافی ہدایہ فازلهما الشیطن

فاخرجھما مما کانا فیہ (تب شیطان نے دھوکے سے آدمؑ حوا کو وہاں سے ڈگمگایا آخران کو جس (عیش راحت) میں تھے اس سے نکال پھینکا) (یہ مولوی صاحب کا ترجمہ ہے) یہ ترجمہ لکھنے کے بعد حاشیہ پر تاویلات لکھتے ہیں۔ ''اگر مان لیا جائے کھانے کی ممانعت کی تھی تو خدا نے ایک درخت کی طرف اشارہ کر کے معین کر دیا تھا اور حضرت آدمؑ نے خالص اس درخت سے نہیں کھایا بلکہ اسی قسم کے درخت سے کھایا چونکہ اس قسم کے درخت سے کھانا بھی حضرت آدمؑ کی شان کے خلاف تھا اس وجہ سے یہ عتاب خدا کی طرف سے ہوا۔

ناظرین ملاحظہ فرمالیں۔ مولوی صاحب نے اپنے قیاس سے حاشیہ تو لکھا حضرت آدمؑ کی حمایت میں مگر لکھتے ہیں کہ ''اس وجہ سے یہ عتاب خدا کی طرف سے ہوا'' ایک نبی کی یہ وقعت ہے کہ ان کو معتوب لکھ رہے ہیں یہ متشابہ کے پیچھے پڑنے کی وجہ سے ہے اور حسبِ فرمان معصومینؑ متشابہ کی پیروی کرنے والے گمراہ ہی ہوتے ہیں علماء متکلمین کا راسخ عقیدہ ہے کہ شیطان حیہ یا سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں داخل ہو گیا مگر جنت کے دربانوں اور محافظ فرشتوں کو پتہ نہ چلا اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ ہی نے آگاہ کیا شیطان نے جا کر حضرت آدمؑ وحوا کو بہکا لیا اس کے بہکانے میں آخر حضرت آدمؑ نے شجر ممنوعہ کا پھل کھا لیا۔ حیرت ہے کہ سینکڑوں برس گزرنے پر بھی یہ حضرات محکم اور متشابہ میں تمیز نہیں کر سکتے اور وہ معذور بھی ہیں کیونکہ ان کے مذہب کی بنیادیں ہی متشابہ آیات و متشابہ احادیث پر قائم ہیں۔ اب ناظرین غور کریں کہ اگر مذکورہ بالا عقیدہ درست ہے تو کتنی بڑی خرابی واقع ہوتی ہے ذرا کلام اللہ پر نظر ڈالیں دیکھیں کہ سورہ النحل میں ارشاد جناب رب العزت ہے۔

WWW.KHROOJ.COM

فَـإِذَا قَرأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (٩٨) إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ (٩٩) إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِيْنَ هُم بِهِ مُشْرِكُونَ ......٩٨،١٠٠النحل

(اور جب تم قران پڑھنے لگو تو شیطان مردود (کے وسوسوں) سے خدا کی پناہ طلب کر لیا کرو۔ اس میں شک نہیں جو لوگ ایماندار ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ان پر اس کا قابو نہیں چلتا اس کا قابو چلتا ہے تو بس ان ہی لوگوں پر جو اسے دوست بناتے ہیں اور اس کو (خدا کا) شریک بناتے ہیں (ترجمہ فرمان علی)۔

مذکورہ بالا عقائد کو اس آیت کے سامنے رکھ کر ملا لیجئے۔ اگر شیطان کا قابو ایمان والوں پر نہیں چلتا اور شیطان کے دوستوں اور مشرکین ہی پر چلتا ہے تو انبیاء شیطان کے فریب میں کیسے آ سکتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متشابہ کی پیروی کو گمراہی بتلایا ہے اور آئمہ علیہم السلام نے بھی سخت تاکید کی ہے کہ متشابہ کے پیچھے نہ پڑو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ تو جو لوگ متشابہ کو محکم جان کر اس کی تشریحیں کریں گے گمراہ ہی ہوں گے اور ہزاروں تاویلیں کر لینے پر بھی وساوس ان کے دل سے دور نہ ہوں گے۔ حقیقت امر یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی زندگی کا ہر حرکت وسکون ہدایت خلق کے لئے ہوتا ہے۔ وہ خلق اللہ کو توبہ و استغفار سکھانے کے لئے مظاہرہ کرتے ہیں اور لوگوں پر ظاہر کرتے ہیں کہ ان سے لغزش ہوگئی۔ اس وجہ سے معتوب ہو گئے۔

اب الحاح وزاری کر کے رب سے مغفرت کے طالب ہیں۔ افسوس ہمیں شیطان نے بہکا دیا۔ اس کے بہکانے سے ہم نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ وائے ہوا س نفس خبیث پر جو شیطان کے فریب میں آ گیا۔ اب جس طرح اور جن الفاظ میں کسی

نبی نے اپنی امت پر تقیۃً اظہار کیا ہوگا وہی قرآن میں ہوگا۔اس کو محکم سمجھ کر اس پر بحثیں کر کے تاویلوں سے کتب خانے بھر دینے سے یہ مسائل حل نہیں ہوسکیں گے بلکہ وساوس بڑھتے ہی رہیں گے اور علم دین شیطان کی آنت ہو جائے گا جس کے پڑھنے اور سمجھنے کے لئے عمر نوحؑ درکار ہوگی ۔حضرت امیر المومنین سید العارفین یعسوب الدین نے فرما دیا ہے۔العلم نقطة" کثره الجاهلون ۔(علم تو ایک نقطہ ہے جاہلوں نے اسے بڑھا لیا ہے)

ناظرین نے علم کلام کی نبوت کی تو ایک ہلکی سی جھلک دیکھ لی اب ذرا امامت کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں"علم کلام میں امام اس شخص کو کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت وخلافت پر مقرر کیا جائے۔

(ضیا النفوس ترجمہ حیات القلوب ص١٠ سطر٦) حضرت علامہ نے یہ نہیں کہا ہے کہ ان کا عقیدہ یہ ہے بلکہ متکلمین کا عقیدہ بیان فرما رہے ہیں۔علم کلام میں بعض کے نزدیک نبی کی منزل امام سے اعلیٰ ہے۔متکلمین کے مروجہ مذہب میں"ولایت" نہ اصول دین میں ہے نہ فروع دین میں حالانکہ روزانہ اذان میں اعلان کیا جاتا ہے کہ علیؑ"ولی اللہ" ہیں مگر بعض حضرات اس کے بعد"وصی رسول" کے الفاظ بھی پیوست کرتے ہیں۔پہلے واضح ہو چکا ہے کہ مومنین عارفین کی منزل سے بلند پہلی ہی منزل، منزل وصایت ہے۔پھر دوسری عبدیت کی، تیسری نبوت کی، چوتھی رسالت کی پانچویں خلت کی، چھٹی امامت کی اور سب سے اعلیٰ ساتویں منزل منزل ولایت

ہے۔لہٰذا جب ''وصی رسول اللہ'' کے الفاظ ادا ہوئے تو اس اعلان وصایت سے عملاً ولایت علیؑ کا بطلان ہوا کیونکہ متکلمین کی نظر میں اگر ولایت کی منزل اعلیٰ ہوتی تو ولی کہنے کے بعد وصی کیوں کہتے ۔یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کہیں کہ فلاں شخص اس ملک کا صدر ہے بلکہ ڈپٹی کمشنر ہے۔

افسوس تو یہ ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے فضائل میں جو احادیث محکم اور مبنی بر حقیقت ہیں ان پر سے متکلمین اس طرح گزر جاتے ہیں جس طرح کہ اغیار فضائل اہل بیتؑ کی احادیث اپنی کتب میں دیکھ کر نظر انداز کر جاتے ہیں ۔متکلمین کے رویہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے مذہب میں فضائل اہل بیتؑ پڑھنا ،لکھنا، بیان کرنا تو بڑا ثواب ہے مگر سمجھنا منع ہے ۔شاید اس سے ان کو کافر ہوجانے کا یا غالی ہوجانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ ......البقرہ ۲۸۵

(ایمان لایا رسول اس پر جو اس کی طرف نازل کیا گیا اس کے رب کی جانب سے اور مومنین بھی)

اس آیہ وافی ہدایہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس میں ایسے ایمان والوں کا ذکر ہے جو رسولؐ کے ساتھ ہی ایمان لائے ۔اگر ایسا نہ ہوتا تو وقف ''من ربہ'' پر ہوتا۔

مومنون کے بعد وقف ہونا اس پر دلالت کرتا ہے کہ آمن کے تحت رسولؐ و مومنین شریک ہیں۔ پھر اس کا تکرار بھی کر دیا ہے۔والمومنون کے بعد ہے''کل''امن باللّٰہ و ملائکتہٖ وکتبہٖ ورسلہٖ (سب کے سب ایمان لائے اللہ پر اس کے ملائکہ پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر) اس سے بھی ظاہر ہے رسولؐ اور

مومنوں کو ملا کر فرما دیا کہ یہ سب ایمان لے آئے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ ایسے مومن ہیں جن کو ایمان باللہ میں رسولؐ کی معیت حاصل ہے۔ اب غور کریں تو ظاہر ہوگا کہ یہ یوم الست کا ذکر ہے۔ جب عالم ارواح میں خطاب ہوا ''الست بربکم '' تو سب سے پہلے بلیٰ کہنے والا کیا محبوب رب العالمین نہ تھا۔ بے شک پس رسولؐ کے ساتھ ہی رسولؐ کے ہم زبان اور مومنین بھی ''بلیٰ'' کہنے میں اس کے شریک تھے یہ وہ ہیں جن کو معیت رسولؐ حاصل ہے۔

اب حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیل علیہما السلام کی دعا پر نظر کریں جو بناء کعبہ کے وقت کر رہے تھے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِن ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ (۱۲۸) رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنتَ العَزِيزُ الحَكِيمُ ......البقرہ ۱۲۹

(اے رب ہمارے ہمیں اپنا مسلم بنا لے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مسلم بنا دے اور ہم کو ہمارے مناسک دکھا اور ہماری توبہ قبول کر۔ بیشک تو بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اے رب ہمارے ان میں ان ہی میں سے ایک رسولؐ بھیج کہ تیری آیات ان پر تلاوت کرے اور ان کو علم وحکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے بیشک تو صاحب غلبہ اور صاحب حکمت ہے)۔

لائق غور امر یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو عرض کیا ''مُسْلِمَيْنِ لَكَ'' یا ''امة مسلمة لك'' یہاں ''لك'' سے کیا مراد ہوسکتی ہے صرف مسلمین یا امة مسلمة

WWW.KHROOJ.COM

بھی کہتے تو مطلب پورا تھا۔ یہ ''لك'' کیوں بڑھایا۔ یہ بھی قرآن ہی سے دیکھیں ۔اس سے اگلے رکوع میں یہ آیت موجود ہے۔

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْن ......البقرة ۱۳۱

(جب اس کے (ابراہیم کے) رب نے اس سے کہا اسلام لا کہا کہ میں رب العالمین کے لئے مسلم ہوگیا (یعنی اسلام قبول کیا) مطیع کامل بن گیا۔

اب تو واضح ہوگیا کہ ''مُسْلِمِيْنَ لَكَ'' سے کیا مراد ہے ''مُسْلِمِيْنَ لَكَ'' صرف وہ ہی مسلم ہو سکتے ہیں جن کو کوئی دوسرا شخص اسلام کی طرف دعوت دینے والا نہ ہو بلکہ خود ان کا ضمیر ہی ان کو ہدایت کرے۔ضمیر کی پکار ہی رب کی پکار ہے۔اب ذریت ابراہیمؑ میں اس گروہ کو بھی دیکھ لیں جو حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے مطابق '' امة مسلمة لك'' کا مصداق ہے جن کو ایمان لانے کی طرف سوائے خود ان کے ضمیر کے کوئی دوسرا دعوت دینے والا نہ تھا چونکہ جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

إِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لآيَاتٍ لِّأُوْلِی الأَلْبَابِ(۱۹۰)الَّذِيْنَ يَذْكُرُونَ اللّهَ قِيَاماً وَقُعُوداً وَعَلَىَ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِیْ خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ......(آل عمران ۱۹۱)

(اس میں شک نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی خلقت اور رات و دن کے اختلاف میں صاحبان عقل کے لئے نشانیاں ہیں۔وہ جو اٹھتے بیٹھتے کروٹ لیتے ہر دم خدا کا ذکر کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی خلقت میں غور وفکر کرتے رہتے ہیں اور (کہتے ہیں) اے رب ہمارے تو نے ان کو بیکار خلق نہیں کیا۔ پاک ہے تو پس ہم کو

دوزخ کے عذاب سے بچا۔

رَّبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِياً يُنَادِي لِلإِيمَانِ أَنْ آمِنُواْ بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الأبْرَارِ (١٩٣) رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدتَّنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلاَ تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لاَ تُخْلِفُ الْمِيعَادَ (١٩٤) فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لاَ أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُواْ وَأُخْرِجُواْ مِن دِيَارِهِمْ وَأُوذُواْ فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُواْ وَقُتِلُواْ لأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ ثَوَاباً مِّن عِندِ اللّهِ وَاللّهُ عِندَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ...... (آل عمران ١٩٥)

(اے رب ہمارے ہم نے ایک پکارنے والے کی پکار سنی کہ ایمان کے لئے بلاتا تھا کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر پس ہم ایمان لے آئے ۔اے رب ہمارے، ہمارے گناہ بخش دے اور تمام برائیوں کو ہم سے دور کردے اور ہمیں نیکو کاروں کے ساتھ منتقل کرنا ۔اے رب ہمارے عطا کردے ہمیں وہ جس کا تو نے ہمارے لئے اپنے رسولوں سے وعدہ کیا تھا اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا ۔بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا ۔پس ان کے رب نے ان کے لئے قبول کیا بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہ کروں گا مرد ہوں یا عورت ۔تمہارے بعض بعض میں سے ہیں پس وہ جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں اذیت دیئے گئے اور انہوں نے قتال کیا اور قتل ہوگئے البتہ دور کردوں گا ان سے ساری برائیاں اور داخل کروں گا ان کو جنتوں میں بہتی ہوں گی ان کے نیچے

نہریں۔اللہ کے پاس یہ ثواب ہے اور اللہ کے پاس بہت اچھا بدلہ ہے۔

ان آیات وافی ہدایہ سے واضح ہے کہ مذکورہ گروہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں سے کچھ وعدے کئے ہوئے تھے اور وہ ایسے ہی مسلم ہیں جیسے کہ حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام تھے جو بغیر کسی ترغیب دلانے والے کے ضمیر کی آواز پر ایمان لائے لہٰذا امتہ مسلمة لك کے مصداق ہیں جن کے لئے حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی تھی اور اس امت مسلمہ کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ ان میں کے بعض بعض میں سے ہیں اور ان میں ہجرت کرنے والے بھی ہیں جو بہ جبر وظلم اپنے گھروں سے نکال دیئے جائیں گے اور خدا کی راہ میں سخت اذیتیں اٹھائیں گے اور راہ حق میں قتال کریں گے اور خود قتل ہو جائیں گے۔اب دیکھ لیں کہ ذریت ابراہیمؑ میں وہ کونسا گروہ ہے جس کے بعض بعض میں سے ہیں اس آیت کے مصداق کون ہیں؟

دیکھئے علیؑ منی وانا منه (علیؑ مجھ سے ہیں میں علیؑ سے ہوں) انا وعلیؑ من نورٍ واحد (میںؐ اور علیؑ ایک نور سے ہیں) الفاطمةؑ بضعة منی (سیدہؑ میرا ایک پارہ ہے) حسینؑ منّی و انا من الحسینؑ (حسینؑ مجھ سے ہے میں حسینؑ سے ہوں) الحسنؑ والحسینؑ عینینی (حسنؑ اور حسینؑ میری دونوں آنکھیں ہیں۔

ان ہی کے لئے حضرت ابراہیمؑ سے امامت مطلقہ کا وعدہ کیا گیا تھا۔اب اس وعدہ کی ایفا بھی دیکھ لیں ارشاد جناب باری ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّهُ عَلَى الْمُؤمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِي ضَلالٍ مُّبِيْن ......(آل عمران ۱۶۴)

(البتہ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا جب بھیجا ان میں ایک رسول ان ہی کے نفسوں میں سے کہ تلاوت کرے ان پر اللہ کی آیتیں اور ان کا تزکیہ کرے اور تعلیم دے ان کو کتاب اور حکمت کی)

اس آیہ وافی ہدایہ سے صاف ظاہر ہے کہ کچھ مومن قبل بعثت موجود تھے ۔ان میں سے ایک کو رسول بنا دیا ۔ یہ ایسے ہی مسلم ہیں جیسے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیل علیہما السلام تھے کہ وہ اپنے ضمیر کی آواز پر ایمان لانے والے مومن ہیں ۔جن کو معیت رسولؐ حاصل ہے عالم نور سے ہی رسولؐ کے ساتھ ہیں اور ہر امر میں ان کو رسولؐ کردگار کی معیت حاصل ہے ۔اب اس گروہ کی معیتِ رسولؐ کو سورہ مزمل میں ملاحظہ فرمائیں ۔ارشاد جناب رب العزت ہے

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَى مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَى وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَاقْرَؤُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضاً حَسَناً وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْراً وَأَعْظَمَ أَجْراً وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ......(المزمل ۲۰)

(بے شک تیرا رب جانتا ہے کہ تم تقریباً دو تہائی آدھی رات تہائی رات کھڑے رہتے ہو اور ایک چھوٹا سا گروہ بھی جن کو تمہاری معیت حاصل ہے اور اللہ ہی اندازہ کرتا ہے دن اور رات کا ۔اللہ جانتا ہے کہ تم اس کا احصا نہیں کر سکتے تو اس نے تم پر

مہربانی کی۔ پس جتنا آسانی سے پڑھ سکو قرآن سے پڑھ لیا کرو۔ وہ جانتا ہے تم میں مریض ہوں گے اور دوسرے ایسے لوگ ہوں گے جو اللہ کے فضل کی طلب میں زمین پر مارے مارے پھریں گے اور کچھ ایسے ہوں گے جو اللہ کی راہ میں قتال کریں گے پس جو کچھ اس سے (قرآن سے) بآسانی پڑھ سکو پڑھو اور نماز قائم کرو اور زکواۃ دو اور اللہ کو قرض حسنہ دو اور جو تم نیکیوں میں سے اپنے نفسوں کے لئے آگے بھیجو گے اس کو اللہ کے پاس پاؤ گے اور اس کے ساتھ بہت بڑا اجر ہے اور اللہ سے بخشش طلب کرو بے شک اللہ تو بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

لائق غور امر یہ ہے کہ یہ چھوٹا سا گروہ کونسا ہے جس کو معیت رسولؐ حاصل ہے اس کی علامت یہ ہے کہ اس میں سے مریض ہوں گے۔ اب ایسا مریض تلاش کریں جس کے ساتھ کچھ ایسے لوگ ہوں خواہ عورتیں اور بچے ہی ہوں جو رضائے الٰہی کی طلب میں زمین پر مارے مارے پھرے ہوں اور دوسرا گروہ ایسے لوگوں کا ہو جنہوں نے راہ خدا میں قتال کیا ہو اور قتال کے بعد بھی قرآن میں سے جو کچھ بہ سہولت تلاوت کر سکتے تھے تلاوت کرتے رہے ہوں۔ خواہ نوک نیزہ ہی پر ہوں اور جنہوں نے قیامت تک کے لئے نماز کو قائم کر دیا ہو اور جان و مال کی زکواۃ دی ہو اور اللہ کو اپنا سب کچھ قرض حسنہ میں دے دیا ہو خواہ وہ عورتوں بچوں کے زیور، کانوں کے بندے ہوں یا ہاتھ کے کڑے۔ حتیٰ کہ مخدرات عصمت کے سروں کی چادریں بھی قرض حسنہ میں دے دی ہوں۔ ان کا بہت بڑا اجر اللہ کے پاس ہے۔

صاحبان فہم اور اہل عقل ہی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کونسا مقدس گروہ ہے جس پر ایک ایک لفظ صادق آتا ہے۔ اب احادیث سے بھی اس گروہ کی معیت دیکھ لیں۔

()انا وعلی" من نورِوَّاحد (میں اور علیؑ ایک نور سے ہیں)

()حسینؑ منی وانا من الحسینؑ (حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں)

()صِغارُونا و کبارنا سواء" (ہمارے چھوٹے بڑے سب برابر ہیں)۔

()اوّلنا محمّد وَ اوسَطنا محمَّد و اٰخرنا مّحمد وَ کُلنا مُحَمَّد (ہمارا پہلا بھی محمدؐ ہے اور درمیان بھی محمدؐ ہے آخر بھی محمدؐ ہے ہم سب ہی محمدؐ ہیں)۔

()علی منّی وانا منہ (علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں)۔تحفۃ الابرار ۔ترجمہ جامع الاخبار شیخ صدوق ص۲۴)۔

() خدانے مجھ کواور علیؑ وسیدہؑ کواور حسنؑ وحسینؑ اور باقی آئمہؑ کوایک نور سے پیدا کیا ہے (جامع الاخبار ص۲۰)

() علیؑ کی فضیلت ویسی ہی ہے جیسی رسولؐ کی اور رسولؐ اللہ افضل ہیں اللہ کی تمام مخلوق سے (حدیث حضرت صادق علیہ السلام، الشافی جلد ا ص ۲۴۳ سطر ۲۳) (۸)

اس وقت تک کوئی شخص حقیقت ایمان کو پا نہیں سکتا جب تک یہ یقین حاصل نہ کرے کہ ہمارے آخری کے لئے وہی (فضل وکمال) ثابت ہے جو ہمارے پہلے کے لئے ہے (احسن الفوائد ص ۲۰۶ سطر ۲۳) ان آیات واحادیث سے ہر عاقل سمجھ لے گا کہ یہ چودہ معصومینؑ ایک ہی ہیں ہر ایک میں روح اعظم عامل ہے۔ باطناً سب ایک ہی منزل پر ہیں مگر ظاہراً ان کے فرائض منصبی کے لحاظ سے ان کے مراتب بھی مختلف ہیں۔تمام کائنات میں بلند ترین مرتبہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے ۔ان کے بعد آئمہ طاہرین صلواۃ اللہ علیہم اجمعین افضل ترین خلائق ہیں۔

اکثر علمائے شیعہ کے عقائد مذہبی کی بنیاد چونکہ متشابہ آیات و متشابہ احادیث اور

WWW.KHROOJ.COM

احادیث مبنی بر تقیہ پر قائم ہے لہٰذا وہ احادیث محکم مبنی بر حقیقت پر یقین نہیں کر سکتے۔ حالانکہ ان احادیث کو خود اپنے قلم سے نقل کرتے ہیں اور منبروں پر بھی بیان کرتے ہیں مگر اپنے غلط عقائد ذہنی پر قائم رہتے ہیں۔ متکلمین میں اکثریت ان علماء کی ہے جن کے نزدیک آئمہ طاہرین علیہم السلام کی منزل، منزل انبیاء سے پست ہے بعض ان میں سے رسولوں کو آئمہؑ سے افضل جانتے ہیں اور بعض آئمہؑ کو اوصیائے خاتم النبیین کہتے ہیں اور ان کی منزلت دیگر انبیاء سے کم گردانتے ہیں۔ ان کا تخیل تو وصایت و امامت تک ہی محدود رہتا ہے اگر ذرا بھی غور کرتے تو حضرت ابراہیمؑ کے حال ہی میں دیکھ لیتے کہ امامت مطلقہ کی منزل تو صرف نبوت سے ہی نہیں بلکہ منزل رسالت سے اعلیٰ اور منزل خلت سے بھی افضل ہے لہٰذا واضح ہوا کہ معصومینؑ کے لئے محض امامت ہی امامت کا تکرار کئے جانا نادانی ہے۔ وہ تو منزل ولایت مطلقہ پر فائز ہیں جو اتنی بلند منزل ہے کہ منتہائے کمال عبدیت ہے۔

آیئے پہلے غور کریں کہ نبی کون ہوتا ہے۔ نباء کہتے ہیں خبر کو۔ لہٰذا نبی خبر دینے والے کو کہتے ہیں۔ اب لائق غور امر یہ ہے کہ وہ کونسی خبر ہے جس کو مخلوق تک پہنچانے کے لئے نبوت کا درجہ ملتا ہے۔ شیعہ حضرات میں سے تو ہر شخص واقف ہے کہ تمام انبیاء و رسل حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلواۃ اور ان کے بعد آنے والے اولیاء اللہ کی خبر دیتے چلے آئے ہیں۔ یہی وہ خبر بزرگ ہے جس کی تبلیغ کرنے والا منزل نبوت پر فائز ہوتا تھا۔ اس کا ایک ثبوت تو یہ ہے کہ ایک شخص نے امیرالمومنین علیہ السلام سے پوچھا عم یتسائلون عن النباء العظیم الذی هم فیه مختلون۔ (وہ لوگ آپس میں کس چیز کا حال پوچھتے ہیں۔ ایک بہت بڑی خبر کا حال جس میں

یہ لوگ اختلاف کرتے ہیں) یہ خبر بزرگ کونسی خبر ہے۔ حضرت نے فرمایا ''انا النباء العظیم الذی انتم فیه تختلفون ''۔(وہ خبر بزرگ میں ہوں جس میں تم لوگ اختلاف کرتے ہو)۔ غور کریں کہ حضور سرور کائنات جو منزل امامت مطلقہ اور ولایت پر فائز تھے ان کو نبی کیوں کہا گیا۔ یہ منزل تو منزل امامت مطلقہ سے بھی بہت پست ہے۔ آخر وہ کونسی خبر باقی تھی جس کے پہنچانے کے لئے آپ کو بھی نبی کہا گیا۔ اس کا جواب کلام اللہ سے ہی ملے گا۔ دیکھیں کہ جناب رب العزت کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ...... المائدہ ٦٧

(اے رسول پہنچادو وہ خبر نازل کی گئی تم پر تمہارے رب کی طرف سے اور اگر یہ نہ کیا تو ہماری رسالت ہی نہ پہنچائی بے شک اللہ بچائے گا تم کو لوگوں کے شر سے)۔

غور کریں وہ کونسی خبر تھی جس کے نہ پہنچانے سے نبوت و رسالت ہی ختم ہوئی جاتی تھی سب جانتے ہیں کہ وہ نباء عظیم حضرت امیر المومنین سید العارفین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کی خبر تھی۔ وہ خبر بزرگ یہ تھی کہ یہ منزل ولایت مطلقہ جو عظیم ترین منزل ہے۔ میرے بعد علیؑ کے لئے اور ان کی نسل میں قیامت تک جاری رہنے والی ہے پس جب ولایت مطلقہ کی قیامت تک جاری رہنے کی خبر خلق اللہ کو پہنچادی گئی تو خبریں بھی ختم ہوگئیں اور نبوت کی ضرورت تھی باقی نہ رہی۔ اس خبر کے پہنچاتے ہی خوشخبری نازل ہوگئی۔ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيناً ۔(آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو اتمام تک پہنچا دیا اور میں اس دین اسلام سے تمہارے

لئے راضی ہو گیا) پس جب دین اکمل ہو گیا تو نبوت بھی ختم ہو گئی اگر چہ کار رسالت اب اولیاء اللہ کے کاندھے پر آ گیا جس کے وہ بدرجہ احسن متحمل ہو سکتے ہیں۔

مندرجہ بالا بیان سے ظاہر ہے کہ رسولؐ اور اس کے بارہ نامزد خلیفہ باقی انبیاء و رسل سے کہیں افضل ہیں اور اسی لئے انبیاء مرسلین وقت مدد ان کو پکارتے تھے یا ان کے ناموں کا واسطہ دیتے تھے۔ اس سلسلے میں رسالہ ''ایلیاء'' مرقوم حکیم سید محمود گیلانی بھی مفید ہو گا۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے ہر شخص پر درایتاً واضح ہو جائے گا کہ

(۱) حضرت انبیاء نے ان پنجتن پاکؑ سے فریادیں کی ہیں اور مدد چاہی ہے اور

(۲) حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی کی تختی پر یہ لکھوایا تھا ''اے میرے مددگار اپنے رحم و کرم سے میرا ہاتھ پکڑ اپنے مقدس نفوس کے تحت، محمدؐ، ایلیاؑ، شبرؑ، شبیرؑ، سیدہؑ۔ یہ تمام عظیم ترین اور واجب الاحترام ہیں۔ دنیا ان کے لئے قائم کی گئی۔ ان کے ناموں کی بدولت میری مدد کر، تو ہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرنے والا ہے۔

ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ اس کے محبوب ترین بندے ہیں جن سے انبیاء و رسل طالب نصرت ہوتے رہے۔ پس جن کے در کے انبیاء سائل رہے ان کی کیا منزلت ہو گی۔ آپ آسانی سے یہ سمجھ سکتے ہیں کہ سائل افضل ہے یا مسئول جس سے نصرت طلب کی جائے اس کی منزلت زیادہ ہے یا اس کی جو طالب نصرت ہو۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کی شہادت موجود ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ یہی وہ مقدس ہستیاں ہیں جن کے لئے کائنات خلق کی گئی۔

سورہ فرقان کے آخری رکوع میں جناب باری تعالیٰ عز اسمہ ارشاد فرماتا ہے۔

تَبَارَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْ السَّمَاءِ بُرُوجاً وَجَعَلَ فِیْهَا سِرَاجاً وَقَمَراً مُّنِیْراً
(٦١) وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ أَرَادَ أَن یَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ
شُكُوراً (٦٢)وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِیْنَ یَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْناً وَإِذَا
خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَاماً (٦٣)وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّداً
وَقِیَاماً......الفرقان ٦٤

(بڑی برکت والا ہے جس نے آسمان میں برج قرار دیئے اور اس میں روشن چراغ (سورج) اور چمکتا چاند قرار دیا وہی وہ ہے جس نے رات اور دن کو آگے پیچھے آنے والا قرار دیا۔ (یہ سب کچھ) ان لوگوں کے لئے جو نصیحت حاصل کرنے یا شکر گزار ہونے کا ارادہ کریں اور وہ رحمٰن کے بندے زمین پر فروتنی سے چلتے ہیں ۔اور جب جاہل ان سے خطاب کرتے ہیں تو سلامتی کی بات کہتے ہیں اور وہ جو رات بسر کرتے ہیں اپنے رب کے لئے سجدے کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے

وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَاماً (٧٢)وَالَّذِیْنَ إِذَا
ذُكِّرُوا بِآیَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ یَخِرُّوا عَلَیْهَا صُمّاً وَعُمْیَاناً (٧٣)وَالَّذِیْنَ یَقُولُونَ
رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّیَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْیُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ إِمَاماً
......الفرقان ٧٤

(اور وہ جو لغویات کے پاس نہیں جاتے اور جب کسی بے ہودہ کام کے پاس سے گزرتے ہیں تو بزرگانہ انداز سے گزر جاتے ہیں اور وہ جب ان کو پروردگار کی آیات سے نصیحت کی جاتی ہے (یا یاد دلائی جاتی ہے) تو ان پر اندھے بہرے بن کر نہیں گرتے اور وہ لوگ جو عرض کرتے ہیں اے رب ہمارے ہماری ازواج سے

www.khrooj.com

اور ہماری اولاد سے ہمیں خنکی چشم کا سامان عطا فرما اور ہمیں متقین کا امام قرار دے
ان آیات سے ثابت ہوجاتا ہے کہ یہ عالم، اللہ نے اپنے بندوں کے لئے خلق کیا ہے جو متقین کے امام ہیں۔اب یہ حدیث قدسی بھی دیکھ لیں جو اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے لولاك لما خلقت الافلاك (اے حبیب اگر تم نہ ہوتے تو ہم آسمانوں کو بھی خلق نہ کرتے) اس حدیث سے بھی واضح ہوجاتا ہے کہ یہی وہ محبوب الٰہی ہیں جن کے لئے تمام کائنات خلق کی گئی لہٰذا وہ ان سب سے افضل ہیں جو ان کے طفیل وجود میں آئی۔اگر ان کو مدد کے لئے انبیاء نے پکارا تو یہ بھی قرآن کی اس آیت کے منشاء کے عین مطابق۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ اتَّقُواْ اللّهَ وَابْتَغُواْ إِلَيهِ الْوَسِيلَةَ......المائدہ ۳۵

بحکم خدا ہے اور ان کو اللہ کی طرف وسیلہ سمجھ کر نہ خود ان کو اللہ سمجھ کر پکارا جارہا ہے۔

اس آیت میں جو چھٹے پارے کے دسویں رکوع میں ہے پہلے متقی بننے اور پھر وسیلہ تلاش کرنے کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ متقی بننے کے بعد کوئی مخلوق کو خالق نہیں گردانے گا اور اس کے مشرک ہوجانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ یہ عام فضائل لکھنے کے بعد ایک بہت اہم مسئلہ باقی رہ جاتا ہے اس کا تحریر کردینا نہایت ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ علمائے متکلمین نے یہ بات ذہن نشیں کرادی ہے کہ فضائل اہل بیتؑ کا لکھنا پڑھنا اور بیان کرنا بہت ثواب ہے لہٰذا ہمارے بھائی فضائل پڑھ کر اور سن کر بہت مسرور ہوتے ہیں اور وجد میں آکر درود کے نعرے بلند کرتے ہیں۔افسوس ان کو یہ خبر نہیں کہ کلام معصوم تو نور ہے جو اہل کے لئے جنت اور نا اہل کے لئے جہنم ہے۔
آفتاب کی شعاعوں ہی کو دیکھ لیں کہ زندہ انسان وحیوان کے لئے ممد حیات ہیں

،مردے پر پڑیں تو سڑنے لگے گا ، زہریلے جراثیم اور کیڑے مکوڑوں کے لئے باعث ممات ہیں ۔ اسی طرح فضائل اہلبیتؑ کا سننا طالبان ایمان کے لئے باعث اجر وثواب ہے ۔مگر غافلوں کے لئے مضر کیوں؟ اس کا سبب یہ ہے کہ جو شخص جتنے زیادہ فضائل سنتا ہے اتنی ہی زیادہ اس پر متابعت اہل بیتؑ لازم ہوتی ہے ۔ پس جو یہ فضائل عظیم پڑھ کر اور سن کر بھی ان کی عملاً تکذیب کرتا رہے وہ کیوں نہ مستوجب عذاب ہو جائے

شیعوں کی مستند کتاب عقائد شیخ صدوق میں یہ حدیث موجود ہے امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک طولانی حدیث میں فرمایا جو شخص خدا کا مطیع ہے وہی ہمارا دوست ہے اور جو شخص خدا کا نافرمان ہے وہی ہمارا دشمن ہے''۔ (نشر کردہ مکتبہ امامیہ لاہور صفحہ ۲۱۲ سطر۴)

اس مضمون کی تقریباً تیس حدیثیں آئمہ معصومین علیہم السلام سے وارد ہوئی ہیں کہ ہمارے شیعہ وہ ہیں جو ہماری پیروی کریں ۔امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا ''شیعتنا من اطاع اللّٰہ وعمل اعمالنا ''۔(ہمارے شیعہ وہ ہیں جو احکام خداوندی کی پیروی کریں اور ہمارے جیسے کام کریں)۔

اور اعتقادیہ شیخ صدوق صفحہ 300 باب تقیہ میں دیکھیں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا یا بن رسولؐ اللہ میں ایک شخص کو مسجد میں دیکھتا ہوں جو آپ کے دشمنوں کو کھلم کھلا برا کہتا اور ان کے نام لیتا ہے ۔حضرت نے فرمایا کیا ہو گیا ہے اس کو اللہ اس پر لعنت کرے کہ وہ ہم کو معرض ہلاکت میں ڈالنا چاہتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور وہ جنہیں وہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں انہیں برا مت کہو

مبادہ وہ دشمنی میں بغیر جانے بوجھے (یعنی بسبب اپنی جہالت کے) اللہ کو برا کہنے لگیں۔(سورہ الانعام آیت ۱۰۸)۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس کی تفسیر میں فرمایا ان کو برا نہ کہو ورنہ یہ لوگ تمہارے علیؑ کو برا کہیں گے۔یہ احادیث دیکھنے کے بعد جو ان کا شیعہ اور محبّ ہونے کا دعویٰ اور حکم سے سرتابی کرے وہ ان کی تکذیب کرنے والا ہے یہ تصدیق؟ نام نہاد شیعوں نے مخالفین کو کھلم کھلا سب وشتم کر کے عوام کے دلوں میں اہلبیتؑ کی عداوت کی آگ بھڑکا دی۔اس پر دعویٰ ہے کہ ہم اہلبیتؑ کے پیرو ہیں۔

یہ درست ہے کہ اہل بیتؑ کی پیروی ہمارے لئے قریب قریب ناممکن ہے مگر کیا اس کی طلب بھی ممکن نہیں۔بندے پر تو صرف طلب واجب ہے کہ بارگاہ رب العزت سے یہ طلب کرتا رہے کہ وہ ہمیں اہل بیتؑ کے اعمال کی نقل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔شیعہ حضرات نماز عید میں جو دعائے قنوت پڑھتے ہیں یہ طلب اس میں موجود ہے" الٰہی ہم کو بھی ان تمام نیکیوں میں داخل کردے جن میں محمدؐ و آلؑ محمدؐ کو تو نے داخل کیا اور ہم کو بھی ان تمام برائیوں سے نکال دے جن میں سے تو نے محمدؐ و آلؑ محمدؐ کو نکالا"۔بتلایئے اہل بیتؑ نے تو ہدایت کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ذرا غور کریں کہ نماز عید میں کتنے متنفس ایسے ہوتے ہیں جو صدق دل سے یہ دعا کرتے ہیں؟اس کا سبب یہ ہے کہ متکلمین کا کہنا تو یہ ہے کہ صرف پڑھنا ہی بڑا ثواب ہے۔اس پر جنت واجب ہو جاتی ہے۔انہوں نے آلؑ رسولؐ کے ہر حکم کو الٹ دیا ہے۔اس پر لوگوں کو بتایا جاتا ہے کہ یہ اہل بیتؑ کا مذہب ہے حالانکہ آئمہ علیہم السلام کی بہت سی احادیث میں بے سمجھے پڑھنے کی مذمت کی گئی ہے۔مگر علماء

متکلمین نے ہمارے دلوں پر اور کانوں پر مہر کر دی ہے آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے یہ سبق پڑھا کر ہم شیعہ اہل بیتؑ ہیں ۔ہم مومن ہیں ، ہم محبّ اہل بیتؑ ہیں ، ہم متمسک بالثقلین ہیں ، ہم کشتی نجات میں سوار ہیں غرضکہ جتنے بھی مراتب اعلیٰ ایمان کے ہو سکتے ہیں وہ تو ہم کو حاصل ہو چکے ہیں ۔ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اہلبیتؑ کے اعمال کی نقل کی طلب بھی پیدا نہ ہوگی ۔حب اہل بیتؑ تو نور ہے جو اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک ایسی طلب صادق پیدا نہ ہو جس سے دل میں تڑپ پیدا ہو جائے ۔خدا تعالیٰ نے تو محبت کی تعریف پیروی ہی بتلائی ہے جیسا کہ ارشاد ہے قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي (کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو) غور طلب امر یہ ہے کہ بچپن سے سنے سنائے ناموں کی محبت اور اپنے ذہن نشین عقائد کی محبت کو اہل بیتؑ کی محبت سمجھ لینا کہاں تک درست ہے ۔

اب مدعیان ایمان و محبت اور طالبان ایمان و محبت کے درمیان فرق بھی دیکھ لیں مدعیان ایمان و محبت و شیعت فضائل اہلبیتؑ سن کر مسرور ہوتے ہیں وجد کرتے ہیں ''آہا ہمارا مذہب حق ہے ہم حق پر اور ہدایت یافتہ ہیں'' ۔اور طالب محبت جب فضائل سنتا ہے تو اس کا دل تڑپتا ہے آنکھوں سے سیل اشک جاری ہو جاتا ہے کہ اللہ اکبر یہ عرش کے گوشوارے ہمارے لئے خاک و خون میں لوٹیں ہمیں برائیوں سے بچانے کے لئے اپنے بوڑھے جوان اور بچے قربان کریں اور ہم ایسے بدبخت کہ ان کی پیروی کی ہمیں طلب بھی نہ ہو ۔ایسے شخص ہی کے لئے فضائل سننے کا ثواب ہے اور جس کو فضائل سن کر یہ خواہش نہ ہو وہ مستوجب عذاب ہو جاتا ہے ۔اس کے نفس پر غفلت زیادہ ہوتی ہے اور حق سے اور زیادہ دور ہو جاتا ہے ۔لہٰذا ضروری ہے کہ

ہر وہ شخص جو آلؑ رسولؐ امام مفترض الطاعت جانتا ہے بارگاہ احدیت سے طلب کرے کہ وہ ہمیں ان کی پیروی کی توفیق عطا کرے۔

ناظرین کو متکلمین کے عقائد مذہبی سے تھوڑی بہت واقفیت تو ہو ہی گئی۔ان کی کتابوں میں بے شمار روایات خلاف عقل وفطرت بھری ہوئی ہیں جو تذلیل وتوہین اہل بیتؑ پر دال ہیں۔اس زمانہ میں تو یورپ وامریکہ میں سائنسدانوں نے فزکس اور کیمسٹری میں اور بہت سے روحانیین نے نفس کے قوائے باطنی کے متعلق ایسی معلومات حاصل کرلی ہیں اگر ہمارے شیعہ بھائی اب بھی متکلمین کے قیاسی عقائد پر قائم رہے اور تعلیم اہل بیتؑ کی طرف متوجہ نہ ہوئے جو ان کی کتابوں میں دفن ہے اور عوام پر ظاہر نہیں کی جاتی اس کو خود دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش نہ کی تو دنیا کی نظر میں ذلیل ہو جائیں گے اور تعلیم یافتہ نوجوان مذہب سے متنفر ہوکر دہریت کی طرف راغب ہو جائیں گے۔

اس حصہ دوم میں متکلمین وعلم کلام کا کچھ تذکرہ آیا ہے۔مزید تفاصیل کے لئے اگلے صفحات بھی ملاحظہ فرمائیں۔

علمِ کلام پر مزید روشنی

www.khrooj.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ناظرین کتاب کے لئے علم کلام کی توحید کے متعلق کچھ مزید معلومات پیش کرتا ہوں پہلے ایک آیت اور ایک حدیث کی طرف توجہ دلاتا ہوں جناب باری تعالٰی عزاسمہ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔

اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ......(المجادلۃ ۱۹)

(غالب آ گیا ان پر شیطان پس اس نے ان کو اللہ کی یاد سے غافل کر دیا وہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں آ گاہ ہو جاؤ کہ شیطان کا گروہ ہی تو نقصان اٹھانے والا ہے۔)

لائق غور امر یہ ہے کہ شیطان کے غالب آنے سے کیا مراد ہوسکتی ہے۔منجملہ دیگر مطالب کے ایک مطلب یہ بھی ہے کہ قیاسی بحثوں میں پھنسا دے۔علماء کرام سے سنتے رہتے ہیں۔ اول من قاس ابلیس (سب سے پہلے جس نے قیاس کیا وہ ابلیس تھا) اور یہ بھی سنتے رہتے ہیں کہ قیاس وحی شیطانی ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے ان الشّیطٰن لیوحون الیٰ اولیآء ھم (بیشک شیاطین اپنے دوستوں پر وحی کرتے رہتے ہیں) پس جو شخص بھی قیاس کرنے کی طرف مائل ہوتا ہے۔شیطان اس کے قلب پر وحی کرتا ہے اور وہ مباحث قیاسی میں پھنس کر گمراہی میں رہتا ہے۔ اس پر حق واضح ہو ہی نہیں سکتا اور اس پھندے سے نکلنا ناممکن ہوتا ہے۔

احتجاج طبرسی میں ہے کہ ایک شخص نے امام عسکری علیہ السلام سے سوال کیا کہ جناب رب العزت فرماتا ہے۔انھم اتخذوا احبار ھم ورھبانھم اربباً من دون اللّٰہ

(بیشک انہوں نے اپنے عالموں اور تارک الدنیا فقیروں کو اللہ کے سوائے اپنا رب بنالیا) اس کا مطلب کیا ہے۔ آنخضرت نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک بہت طویل حدیث بیان فرمائی اس کا ایک جزو کتاب اظہار حقیقت رد کتاب شہید انسانیت مطبوعہ لکھنو صفحہ ۱۷۰، ۱۷۱ سے نقل کرتا ہوں ظاہر نما شیعہ یزیدی لشکر سے بدتر ہیں۔

فانه من ركب اتصبائح والفواحش مراكب قسقة فقهاء العامة فلا تقبلوا منها عنا شيئاً ولا كرامة انها كثرت تخليط فيما يتحمل عنا اهل البيت لذالك لان الفقهته يتحملون عنا فيحرفونه باسره بجهلهم ويضعون الاشياء غير وجهها لقلة معرفتهم و آخرون يتعمدون الكذب علينا يجروامن عرض الدنيا۔ و ما هو زادهم الىٰ نارجهنم ومنهم قوم نصاب لا يقدرون القدح فينا يتعلون بعض علومنا الصحيحه فيتو جهون به عند شيعتنا و ينقصون بنا عبد نصابنا ثم يضيفون اليه اضعافه واضعاف اضعافه من الاكاذيب علينا۔ التى براء منها فيتقبله المسلمون من شيعتنا على انه من علومنا ۔فضلوا واضلوا هم اضر على ضعفاء شيعتنا من جيش يزيد على الحسين بن على عليهما السلام واصحابه فانهم يسلبو نهم الارواح والاموال وهاء و لآء علماء السوٓ النا صبون المشتبهون بانهم لنا موالون والاعداء اننا معادون يدخلون الشك والشبهته فيضلونهم ويمنعو نهم عن قصد الحق المصيب۔

(پس شیعہ علماء میں سے جو فاسق فقہائے عامہ کی طرح بدکاریوں اور برائیوں کے

حامل ہوتے ہیں ان سے ہماری کوئی حدیث وفضیلت کو قبول نہ کرو۔ یہ اس لئے کہ ہم اہل بیتؑ سے جو چیزیں نقل کی جاتی ہیں ان میں بہت زیادہ یہ لوگ غتر بود وتحریف کر دیتے ہیں اور ہم سے روایت کر کے اپنی نادانی کی وجہ سے سرے سے ہی تحریف کر دیتے ہیں اور اپنی کمی معرفت کی وجہ سے غلط معنی بتلاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ جان بوجھ کر جھوٹی باتیں ہماری طرف منسوب کرتے ہیں تاکہ وہ دنیا میں عزت حاصل کر لیں (جو ان کا اصل مطلوب ہے) حالانکہ وہ اس حرکت سے جہنم میں جائیں گے اور ان میں بعض علماء ایسے دشمن ہیں جو ہماری قدح کرنے پر قادر نہیں اور ہم سے علوم صیحہ حاصل کر کے ہمارے شیعوں سے تو بیان کر دیتے ہیں اور ہمارے دشمنوں سے ان ہی علوم کے ذریعے ہماری منقصت کرتے ہیں بلکہ یہ بھی کرتے ہیں کہ ہماری حدیثوں میں ایسی جھوٹی باتوں کا وہ چند بلکہ صد چند اضافہ کر دیتے ہیں جن سے ہم بَری ہیں اور ان کو ہمارے شیعہ یہ سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں کہ وہ ہمارے علوم ہیں پس ایسے تمام لوگ گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا وہ ہمارے کمزور عقیدے کے شیعوں کے لئے زیادہ مضر ہیں لشکر یزید سے جتنا کہ وہ حسین ابن علی علیہ السلام اور ان کے اصحاب کے لئے مضر تھا۔ یہ اس لئے کہ لشکر یزید نے تو قتل و غارت کیا لیکن یہ ہمارے دشمن علماءِ سُو جو لوگوں کو اس شبہ میں مبتلا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دوست ہیں اور ہمارے دشمنوں کے دشمن ہیں حالانکہ وہ ہمارے شیعوں کے دلوں میں شک وشبہ پیدا کر کے ان کو گمراہ کرتے ہیں اور ان کو صحیح حق کا قصد کرنے سے روک دیتے ہیں)

ناظرین اس آیت وحدیث کے مضامین کو ذہن میں رکھیں اور علم کلام کی توحید کی

www.khrooj.com

طرف نظر کریں۔ بالکل واضح ہو چکا ہے کہ خدا کے صفات لفظوں میں بیان کرنا اور اس کی صفات پر بحثیں کرنا قرآن وحدیث کی رو سے ممنوع ہے اس کی تفصیل گزر چکی ہے آئمہ معصومین علیہم السلام نے اس کو حرام قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہے یھلك اصحاب الکلام (متکلمین ہلاک ہوتے ہیں) ھلك المتکلمون (خدا کی صفات پر لفظی بحثیں کرنے والوں کے لئے افسوس ہے)۔

باوجود ان آیات وخطبات واحادیث وادعیہ ماثورہ اور روایات کے جن میں خدا کی صفات بیان کرنے کی ممانعت کی گئی ہے متکلمین نے خدا کی صفات ثبوتیہ اور سلبیہ کا تعین کر ہی دیا۔

ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ہر خطبہ یا حدیث میں جہاں ''نفی الصفات ''یا'' من وصفه ''یا''من وصف الله ''وارد ہوا ہے اس کے ترجمہ میں اپنی طرف سے کچھ الفاظ بڑھا دیتے ہیں کوئی صاحب ''صفات زائد بر ذات'' لکھ دیتے ہیں۔کوئی علامہ صاحب لکھ دیتے ہیں ''جس نے صفات مخلوق سے اس کی صفت کی اس نے اس کا شریک قرار دیا''۔ایسی تحریف کی مثالیں سابق میں بہت کافی گزر چکی ہیں۔ظاہر ہے کہ علماء جب قیاسی بحثوں میں پھنس جاتے ہیں تو شیطان ذکر اللہ بھلا دیتا ہے اگر خدا اور رسولؐ کا ذکر کرتے رہیں مثلاً درود ہی پڑھتے رہیں تو کیفیات نفس کا شعور ہونے لگے اور معرفت نفس کی طرف بڑھتے جائیں اور حقائق منکشف ہونے لگیں مگر جو لفظی اور قیاسی بحثوں میں ہی عمر گزاریں ان کو تو حقیقت کا کچھ بھی پتہ نہیں چل سکتا ۔اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دین کا تعلق نفس انسان سے ہے۔لہٰذا حدیث میں یا قرآن میں جو الفاظ ہوں گے وہ نفس کی کیفیات ظاہر کریں گے ۔ مثلاً ایمان کی

www.khrooj.com

تعریف میں آئمہ نے فرمایا ہے کہ الایمان بین الخوف والرجاء (ایمان خوف وامید کے درمیان ہے) کہیں فرمایا ''اگر مومن کے دل کے دو حصے کیئے جائیں تو نصف پورا خوف ہوگا اور دوسرا نصف پورا امید ہوگا''۔(اصول کافی) متکلمین میں شاذ ہی کوئی ایک فرد ایسا ہوجو''امید'' و''خوف'' کے معنی سمجھتا ہو۔ان میں تو ہر شخص خود بھی یقین رکھتا ہے کہ وہ ناجی ہے اور اپنے تمام معتقدوں کو بھی نجات کا یقین دلاتا ہے حالانکہ ایک عام آدمی بھی جانتا ہے کہ جس چیز کے ملنے کا یقین نہ ہو مگر اس کی طلب ہو تو ملنے کی امید ہو سکتی ہے۔یقین کے بعد امید فنا ہو جاتی ہے نیز جب تک کسی شے کے نہ ملنے کا خوف ہو ملنے کا یقین نہ ہو اسی وقت تک خوف قائم رہ سکتا ہے جب ملنے کا یقین ہو جائے گا خوف معدوم ہو جائے گا۔متکلمین کو نہ خوف ہوتا ہے اور نہ امید اور یہی کیفیت ان کے مقتدیوں کی ہے کیونکہ ان کے ذہن میں یہ بات نقش کر دی گئی ہے کہ ہر مومن کی نجات یقینی ہے۔(مومن ان کے نزدیک ہر زبانی ایمان رکھنے والا ہے) لہٰذا وہ امید وبیم کی کیفیت سے محروم ہو جاتے ہیں اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ امام زمانہ کی طرف توجہ کرنے اور لو لگانے کا دھیان ہی نہیں آتا اور سبیل اللہ سے دوری ہو جاتی ہے۔

ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضرت علامہ مصنف کتاب ''احسن الفوائد'' نے علم کلام کی عظمت ثابت کرنے کے لئے تو دو احادیث نقل فرمائیں (ا) سرکار ختمی مرتبت صلعم فرماتے ہیں

() اول الدین معرفة الجبار ۔دین کی پہلی بنیاد معرفت باری ہے۔

() اسی طرح امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔اول الدین معرفته ۔دین کی

پہلی کڑی معرفت خالق ہے ان احادیث سے اپنے مطلب کا اثبات فرمایا مگر معرفت نفس سے جو معرفت باری کا ذریعہ واحد ہے منکر ہو گئے جیسا کہ ناظرین کے مطالعہ سے گزر چکا ہے کہ اپنی اس کتاب کے صفحہ ۱۸۹ پر رقمطراز ہیں'' چنانچہ مشہور ارشاد نبویؐ یا علویؑ ہے۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) کے متعلق ہمارے اکثر علماء محققین نے کہا ہے کہ یہ تعلیق الامر علی المحال کی قسم سے ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح خداوند عالم کی کنہہ حقیقت کی معرفت محال ہے اسی طرح نفس وروح کی کنہہ حقیقت معلوم کرنا محال ہے''۔

اگر اس پر غور کریں کہ معرفت نفس کو محال کہنے کا سبب کیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ علماء نے حدیث مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ میں رب سے ذات باری مراد سمجھ لی اور معرفت ادراک اوصاف کو کہتے ہیں تو اوصاف باری کے متعلق بہت سی احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ صفات باری تک انسان کے عقل وفہم، وہم وگمان کی رسائی ممکن نہیں اس کی صفات کا ادراک محال ہے ۔اس کی معرفت یہی ہے کہ اس امر کا ادراک ہو جائے کہ ذات واجب کی صفات تک بھی رسائی ممکن نہیں ۔لہذا علماء نے فتویٰ دے دیا کہ نفس کی معرفت محال ہے حالانکہ اس حدیث میں رب سے مراد رب الارباب نہیں ہے بلکہ یہاں رب سے مراد امام ہے جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے جو حقیر مئولف نے اپنے رسالہ'' جاہلیت کی موت'' میں جلاء العیون سے نقل کی ہے وہ حسب ذیل ہے۔

'' امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا اے ابوبصیر ہم ہیں رب عرش وکرسی کے، ہم ہیں

رب آسمان و زمین کے، ہم ہیں رب انبیاء و ملائکہ کے اور ہم ہی ہیں سب چیزوں کے رب، حضرت یوسفؑ نے ایک قیدی سے کہا جس کو وہ جانتے تھے قید سے رہا ہوگا ۔وَاذکرُنی عند ربك (اپنے رب سے میرا ذکر کر دینا) پھر جب شاہی قاصد قید خانہ میں حضرت یوسفؑ کے پاس آیا تو حضرت یوسفؑ نے اس سے کہا۔ارجع الیٰ ربك (اپنے رب کے پاس لوٹ جا) اے ابوبصیر خدا نے اپنے کلام میں امام کو رب فرمایا ہے واشرقت الارض بنور ربها (اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی) رب کے نور سے مراد نور امام ہے نہ نور خدا۔اور حوض کوثر کے ساقی کو سقاهم ربهم شراباً طهوراً (ان کا رب ان کو پاک و پاکیزہ شراب پلائے گا) یہاں رب سے مراد امام ہے۔(تا آخر)

اس حدیث کو دیکھنے کے بعد کوئی مدعی شیعیت اس سے انکار نہیں کرسکتا کہ امام ہی رب الخلق ہے۔خصوصاً آیت سقاهم ربهم شراباً طهوراً سے یہ امر اور بھی واضح ہوجائے گا کہ رب سے مراد امام ہی ہے کیونکہ اکثر مسلم جانتے ہیں کہ ساقی کوثر امیر المومنین ہی ہیں۔اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حدیث معرفت میں ربہ سے مراد امام ہی ہے نہ کہ ذات واجب۔

اب ذرا اس حدیث کو بھی دیکھیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے مَن مَاتَ وَلَم یعرف امام زمانه مات میت الجاهلیه (الخ) جو مر گیا اس حال میں کہ اس نے اپنے امام زمانہ کی معرفت حاصل نہ کی وہ جاہلیت کی موت مرا'' اور یہ امر واضح ہو چکا کہ امام رب الخلق ہے لہٰذا بغیر معرفت نفس امام کی معرفت ممکن نہیں۔پس جو حضرات معرفت نفس کو محال کہتے ہیں ان کے پاس جاہلیت

www.khrooj.com

کی موت مرنے سے محفوظ رہنے کا کیا ذریعہ رہ جاتا ہے؟

اب ناظرین ملاحظہ فرمالیں کہاں معرفت باری اور کہاں علم کلام۔ جب دین کا تعلق ہی نفس سے ہے اور رسولؐ کی بعثت کا مقصد وحید ہی تزکیہ نفس ہے اور رسولؐ و آل رسولؐ نے بتلا دیا مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کی معرفت حاصل کی) اور علم کلام میں نفس کی معرفت کا ذکر تک بھی نہیں۔ اس میں تو خدا کی ذات پر لفظی بحثوں کے سوائے کچھ نہیں جس کو آئمہ معصومینؑ نے ممنوع قرار دیا ہے اور چونکہ معبود حقیقی کی طرف توجہ دلانا ضروری اور لازمی ہے اور نفس انسان کی توجہ صرف محسوسات کی طرف ہی ہوسکتی ہے لہٰذا خود نفس کی صفات ہی سے رب کی طرف توجہ دلائی جاسکتی ہے۔ حضرات معصومین علیہم السلام نے واضح طور پر فرمادیا ہے کہ خدا کے لئے لفظوں میں جو کچھ کہا جائے گا وہ حقیقت نہ ہوگی بلکہ محض اس کی طرف توجہ دلانے کے لئے ہوگا۔ جیسے جیسے بندہ اپنی کیفیات نفسی کا شعور حاصل کرتا جائے گا تو سمجھتا جائے گا یہ تو میرے نفس کی صفت ہے میرا رب تو اس سے منزہ اور کہیں زیادہ عظیم ہے کہ اس کی صفت سمجھ میں آسکے تب ہی تو وہ رب کی معرفت حاصل کرلے گا کہ اس کی صفات تو عقل و وہم و گمان سے بالاتر ہیں۔ اس کی معرفت محال عقلی ہے ماعرفناك حق معرفتك پر اس وقت ایمان لاسکے گا اور یقین حاصل کرلے گا کہ اس کی معرفت یہی ہے کہ بندے کو عجز کا احساس ہوجائے اور جان لے کہ اس کی معرفت محال ہے۔

اس کی صرف دو مثالیں ہی دیکھ لیں ارشاد باری ہے کُلَّ یومٍ ھو فی شان (وہ ہردم کسی نہ کسی شان میں ہے) متکلمین اس کو صفات باری میں شمار کرتے ہیں مگر جب

معرفت نفس کی راہ پر گامزن ہوگا اور آل رسولؐ کے احکام پر عمل کرے گا تو ذرا شعور حاصل ہوتے ہی اس کو احساس ہو جائے گا کہ میرا نفس ہر دم و ہر لحظہ اپنے تصاویر و احساسات کے نقوش کے ذخائر کو لوٹتا پلٹتا رہتا ہے اور اپنے مدرکات کے انبار سے بازی کرتا رہتا ہے اور سیکنڈ کے ہزارویں حصہ کے لئے بھی بے کار و معطل نہیں بیٹھتا ۔اسی وقت تو یہ سمجھ سکے گا کہ یہ صفت تو نفس انسان کی ہے تب ہی تو ''سُبحَان اللّٰه عما یصفون '' (منزہ ہے وہ ذات اقدس اس سے جو لوگ اس کی صفت بیان کرتے ہیں) پر ایمان لا سکے گا اور سمجھ سکے گا کہ من وصفهٗ فقد قرنهٗ کا کیا مطلب ہے، (بیشک جس نے اس کی صفت بیان کی اس نے اس کا شریک قرار دیا) حق ہے میرا رب تمام ان صفات سے منزہ اور بالاتر ہے جو انسان کے عقل و وہم و گمان میں آ سکیں ۔

دوسری مثال دیکھیں ''روز نامہ جنگ کراچی سنڈے ایڈیشن مورخہ یکم اپریل ۱۹۶۸ء میں صفحہ ۷ پر رئیس صاحب امروہی کا جو مضمون کیفیات نفس پر شائع ہوا تھا۔ اس میں ''مس لونیا مخالونا'' ایک روسی لڑکی کے متعلق بیان تھا کہ وہ آنکھوں پر پٹی باندھ کر کتابیں پڑھتی تھی۔ آخر اس کو ایک کمرے میں بٹھایا اور دوسرے کمرے میں دیوار کے پیچھے کتابیں رکھ دیں۔ اس نے دیوار حائل ہونے کے باوجود کتاب کے مضامین پڑھ کر سنا دیئے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ نفس انسان کے قوائے باطنی اگر ترقی کر جائیں تو وہ بغیر آنکھ کے دیکھ سکے گا اور بغیر کان کے سن سکے گا۔ تب ہی تو اس پر ایمان لا سکے گا کہ رب نے جو فرمایا ہے وَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعاً بَصِيْراً (ہم نے انسان کو سمیع بصیر بنایا) حق ہے اور جان لے گا کہ یہ صفت تو نفس انسان کی ہے جس

کومتکلمین بڑے فخر سے صفات خدا کے عقائد میں بیان فرماتے ہیں غرضکہ جب کسی کو اس کا شعور ہوگا تب ہی سمجھے گا کہ رب تو کہیں عظیم تر ہے اس سے کہ اس کی صفات کا انسان کو ادراک ہو سکے۔ بیشک ''سُبحان اللّٰہ عمّا یصفون '' حق ہے، لاریب رب کی معرفت محال ہے۔تعالیٰ اللّٰہ عمّا یشرکون ۔رب اس سے کہیں بلند تر ہے جو یہ متکلمین صفات کو اس کا شریک قرار دیتے ہیں۔ بیشک امیرالمومنینؑ کا ارشاد ہے ''من وصفہ فقد قرنہ '' حق ہے کہ جس نے اس کی صفت بیان کی اس نے اس کا شریک قرار دیا۔ اسی وقت تو وہ کلام معصومؑ پر ایمان لا سکے گا کہ ا۔ل۔ہ اور ر۔ب۔ یہ حروف وکلمات اس پر دلالت نہیں کر سکتے۔اس کا کوئی نام نہیں جس کے لئے نام ہو وہ مخلوق ہے۔ جو کلمہ بھی ہم بولتے ہیں وہ ہمارا مخلوق ہے اور مخلوق کی مخلوق خالق پر دلالت نہیں کرسکتی۔تمام کلمات جو ہم اس کا نام سمجھ کر ان سے اس کو پکارتے ہیں صرف اس کی طرف توجہ دلانے کے لئے ہیں مگر متکلمین کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے بہت سے نام ہیں وہ ہر روز نیا کام کرتا ہے وہ قدرت محض ہے (جو تھوڑی بہت کتے بلی میں بھی ہوتی ہے)ارادہ محض ہے بلکہ کلی ارادہ ہے مگر مشکل یہ ہے کہ ارادہ تو صدور فعل سے ختم ہو جاتا ہے لہٰذا خلقتِ کائنات کے بعد ارادے کا ختم ہونا ضروری اور اگر اور مخلوق خلق کرنی ہے تو ارادہ میں خلقتِ کائنات سے کمی تو ضرور ہو ہی گئی ۔ یہ ہیں علم کلام کے کرشمے اور یہ ہے متکلمین کی معرفت ۔

اب تو ہر ذی فہم شخص دیکھ لے گا اور سمجھ لے گا کہ رسولؐ و آلؑ رسولؐ کا مقصد وحید معرفت نفس عطا کرنا تھا جس سے معرفت باری اور ایمان قلبی حاصل ہوتا ہے۔لشکر یزید نے جو حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کے اجسام کو قتل کیا تو انہوں نے دنیا و آخرت کی

تباہی اور عذاب الٰہی خریدا مگر حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب نے اپنے مقصد میں بڑی کامیابی حاصل کی اپنے متوسلین کے قلوب کو تڑپانے کے لئے سامان درد مہیا کر دیا جس سے بے شمار صاحبان معرفت پیدا ہو گئے۔

ع حسینؑ درد کے پروردگار کیا کہنا (جوشؔ)

یہ امر تو بالکل واضح ہے کہ حسینؑ مظلوم اور آنحضرت کے اصحاب کا مقصد اپنے متوسلین کو معرفت نفس عطا کرنا تھا تو جو معرفت نفس سے لوگوں کو باز رکھیں اور دلوں میں شکوک و وساوس ڈال کر پھر ان وساوس کے قیاسی جواب سنا کر لفظی بحثوں میں پھنسا کر ان بحثوں کا عادی بنا کر تعیش ذہنی میں مبتلا کر کے مصیب کی طرف رجوع کرنے یعنی اپنے امام زمانہ سے جو شہید ہے اور ہر دم و ہر لحظہ ان کے ساتھ ہے لو لگانے اور اس کی طرف توجہ بالقلب کرنے سے روکتے ہیں کیا وہ عوام شیعہ کے لئے بے حد مضر نہیں؟

وہ حدیث جو اوپر نقل کی گئی اسی میں چند سطور آگے یہ مضمون ہے' ہماری امت کے بُرے علماء وہ ہیں جو ہماری راہ سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور ہماری طرف آنے والوں کی راہ زنی کرتے ہیں'' رسولؐ و آلؑ رسولؐ کی راہ معرفت نفس ہی ہے۔

رسولؐ کی بعثت کا مقصد ہی تزکیہ نفس ہے معرفت نفس کے بغیر معرفت امام حاصل ہونا محال ہے پس جو علماء اس راہ سے روکیں ان کے کلام کو معصومین کا کلام سمجھ کر ان کی تعلیم پر چلنا پتھر کے بت پوجنے سے کہیں زیادہ گمراہ کن ہے اس لئے کہ پتھر کے بت حق کو باطل کا لباس نہیں پہناتے مگر علماء حق کو باطل اور باطل کو حق بنا کر دکھاتے ہیں اور علوم اہل بیتؑ کو جہل بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں جس سے عوام راہ حق

WWW.KHROOJ.COM

سے دور ہو جاتے ہیں اس کا ثبوت اگر دیکھنا چاہیں تو ''احسن الفوائد صفحہ ۱۸۹ سطر ۹ پر دیکھ لیں کہ حضرت علامہ رقمطراز ہیں۔

''چنانچہ مشہور ارشاد نبوی (یا علوی) مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس شخص نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا) کے متعلق اکثر علماء محققین نے کہا ہے کہ یہ تعلیق الامر علی المحال کی قسم سے ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح خداوند عالم کی کہنہ حقیقت کی معرفت محال ہے اسی طرح نفس و روح کی کنہہ و حقیقت معلوم کرنا بھی محال ہے''

اب دیکھ لیجئے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ کے معنی میں کس طرح تحریف کی گئی ہے کہ لکھ دیا ''نفس و روح کی کنہہ و حقیقت معلوم کرنا محال ہے'' بھلا رسولؐ رب العالمین یا امیر المومنینؑ یہ نہ فرما سکتے تھے ''مَن عَرَفَ کنہہ حقیقت نَفْسَهٗ'' کیا وہ غلطی کر گئے جس کو درست کرنے کے لئے علماء اپنی طرف سے کچھ فقرے بڑھا کر صحیح معنی سمجھا دیتے ہیں اب ناظرین کو حدیث کے ان فقرات کی طرف توجہ دلاتا ہوں'' اور علماء میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو جان بوجھ کر جھوٹی باتیں ہماری طرف منسوب کر دیتے ہیں تاکہ وہ دنیا میں عزت حاصل کر لیں جو ان کا اصل مطلب ہے۔حالانکہ وہ اس حرکت سے جہنم میں جائیں گے''۔اب یہ بھی ملاحظہ فرمالیں کہ متاخرین نے کیسے کیسے جھوٹ اور افترئ رسولؐ و آلؑ رسولؐ پر باندھے ہیں۔عوام سے اپنی تقلید کرانے کے لئے ضروری تھا کہ علماء سلف کا پروپیگنڈا کیا جائے لہٰذا علماء کے فضائل میں خوب جھوٹی روایات تصنیف کی گئیں۔صرف چند مثالیں ہی ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

بڑی مشہور حدیث ہے۔ایڈیٹر رسالہ الشّمس کراچی نے بھی 'اللہ و کائنات'' کے

مقدمہ میں نقل فرمائی ہے ''مدا والعلماء افضل من و ماء الشهداء '' (علماء کی دوات کی سیاہی شہداء کے خون سے افضل ہے) سبحان اللہ کیا کہنا ہے اس منزلت کا جن کی دوات کی سیاہی حسینؑ واصحاب حسینؑ کے خون سے افضل ہے۔فریاد برغریبی وبے یاری حسینؑ

ایک پوری جلد تقریباً چھ سو صفحے کی تفسیر لکھ کر امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف منسوب کردی گئی جس میں آئمہ معصومینؑ پر بہتان باندھے گئے ہیں اس میں ستر اسی فیصدی سے زیادہ خلاف عقل وفطرت قصے کہانیاں ہیں جو امام حسن عسکریؑ کا فرمان ظاہر کئے گئے ہیں اس کا نام تفسیر امام حسن عسکریؑ رکھا گیا ہے۔

ان لوگوں نے تو اپنی افترٰی پردازی سے حضرت حجۃؑ کو بھی نہیں چھوڑا۔ایک طویل جعلی خط وضع کیا گیا اور عوام میں شائع کردیا گیا کہ یہ خط حضرت حجت علیہ الصلواۃ والسلام نے شیخ مفید علیہ الرحمۃ کے نام لکھا تھا جس میں حضرت شیخ اعلیٰ اللہ مقامہ کی مدح وتوصیف کے بعد حضرت نے لکھا '' تم نے ہم سے خط وکتابت کو جاری رکھا اور ہمارے دوستوں کو اپنی اطاعت کی وجہ سے اعزاز عطا فرمایا''۔

اب ناظرین غور کریں کہ غیبت کبریٰ ۳۲۹ھ میں ہوئی اور حضرت شیخ مفید اعلیٰ اللہ مقامہ غیبت سے سات سال بعد ۳۳۶ھ میں پیدا ہوئے۔اللہ اکبر اس منزلت کو کون سمجھ سکتا ہے کہ ولادت سے بیسیوں سال قبل عالم ارواح سے بذریعہ ملائکہ امام زمانہ سے خط وکتابت کرتے رہے۔ناظرین ملاحظہ فرمالیں کہ اپنی پوجا کرانے کے لئے کس طرح ان علماء نے معصومینؑ پر بہتان باندھے ہیں۔

اب ذرا ''احسن الفوائد'' کی طرف اک نظر فرمائیں۔اس کے صفحہ ۴ سطر ۵ پر حضرت

علامہ رقمطراز ہیں۔

''اور دوسرے سلسلے میں حضرات معصومین علیہم السلام نے اس علم کے علماء کی رفعت و عظمت بیان کرتے ہوئے انہیں عباد و زہاد بلکہ دیگر سب علوم کے علماء و فضلاء پر افضلیت و اشرفیت کی سند عطا فرمائی ہے چنانچہ معاویہ بن عمار بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آپ کے شیعوں میں ایک شخص ایسا ہے جو آپ کی فرمائشات وتعلیمات کو کثرت کے ساتھ نقل کرتا ہے اور کمزور شیعوں کے اعتقاد کو محکم و مضبوط کرتا ہے آیا وہ افضل ہے یا وہ عبادت گزار زاہد شب زندہ دار جو اس سابقہ فضیلت سے محروم ہے۔ آنجناب نے فرمایا کہ وہ عالم جو مخالفین کا دفاع کرے اور ہمارے ضعیف الاعتقاد شیعوں کے اعتقاد کو محکم کرے ایسے ہزار عابدوں سے بہتر و برتر ہے (اصول کافی)

(مئولف گوید) اول تو اس روایت کو اگر عقل و فطرت کی کسوٹی پر کسا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضوعہ ہے۔ کوئی شخص ایسا سوال بغیر تحریک خارجی کر ہی نہیں سکتا۔ اس سوال سے پہلے ضروری ہے کہ سائل نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ نماز و ذکر و تلاوت میں ہر وقت مصروف رہتا ہے پھر کسی دوسرے شخص کو دیکھا کہ وہ نقل و ترویج احادیث میں مصروف رہتا ہے اور نوافل بھی نہیں پڑھتا۔ ایسے شخص سے سائل نے کہا کہ تمہارا فلاں شناسا ہر وقت عبادت میں مصروف رہتا ہے اور تم نوافل بھی نہیں پڑھتے اس پر وہ جواب دے کہ میں جو کام نشر احادیث کا کر رہا ہوں اس کو میں خشک عبادت سے بہتر جانتا ہوں۔ اب اس جواب کے سننے پر سائل کے نفس میں تحریک و خواہش پیدا ہوگی کہ اس کے متعلق معصوم سے سوال کرے مگر مذکورہ روایت سے

ایسا کوئی محرک ظاہر نہیں ہوتا۔لہٰذا یہ فطرت کے خلاف ہے۔
قطع نظر اس کے اگر اس کو صحیح بھی مان لیا جائے تو ظاہر ہے کہ یہ اس لئے نقل کی گئی ہے کہ علماء متکلمین کی فضیلت ثابت کر کے عوام کو ان سے مرعوب کیا جائے یعنی حدیث میں جن علماء کی فضیلت بیان کی گئی ہے وہ ہم علماء متکلمین ہیں۔ ناظرین غور کریں کہ اس سے تو وہ علماء مراد ہیں جو کمزور عقیدے کے شیعوں کے اعتقاد کو محکم کریں اور مخالفین سے ان کا دفاع کریں مگر علماء متکلمین تو مشابہات کی قیاسی تفسیروں سے کمزور عقیدے کے شیعوں کو دہریت کی طرف دھکیلتے ہیں۔ بے شمار حماقت و جہالت کے عقائد تعلیم فرماتے ہیں اوران بے عقلی کی باتوں کو اہل بیتؑ سے منسوب کرتے ہیں جس کی وجہ سے نوجوان تعلم یافتہ طبقہ دہریت ولا مذہبیت کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ بھلا یہ علماء اس حدیث کا مصداق کیسے ہو سکتے ہیں جو اپنے قیاسی عقائد کی طرف دعوت دیتے ہیں اور کہتے ہیں اگر ان عقائد کی تصدیق بالقلب نہ کی تو سیدھے جہنم میں جاؤ گے۔
اب یہ مضمون اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ جناب رب العزت بہ تصدیق محمدؐ و آلؑ محمدؐ ہمارے افراد قوم کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ خود تعلیم اہلبیتؑ کی طرف توجہ کریں اور ہم سب کو پیروی اہل بیتؑ کی طرف ہدایت فرمائے اور ہمارے نفسوں کے اور شیطان کے شر سے ہمیں محفوظ رکھے۔آمین وصلی اللہ علی حبیبہٖ وآلہٖ الطاہرین۔
حقیر مئولف نے ''اہل بیتؑ'' حصہ سوئم میں بارہ مضامین کی آیات قرانی لکھی ہیں ۔اس کا نام بھی ''اثنا عشر'' رکھا ہے۔ ہر آیت کے تحت احادیث متشابہ اور احادیث مبنی بر تقیہ اور متکلمین کے بیانات لکھ کر آئمہ علیہم السلام کی احادیث محکم مبنی بر حقیقت

بھی درج کر دی ہیں تا کہ عقل سے کام لینے والے خود ہی سمجھ لیں کہ کونسی احادیث متشابہ یا مبنی بر تقیہ ہیں اور کونسی محکم اور مبنی بر حقیقت ہیں ۔ اور ان احادیث کی رو سے حقیقی تفسیر جو اہل بیتؑ کا مقصود ہے کیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ناظرین کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین

www.khrooj.com

حصہ سوم (اثناء عشر)

() ختم قلوب۔دلوں اور کانوں پر مہر

() نامہ اعمال کے متعلق آیات

() اعمال ومیزان کے متعلق آیات

() شہاب ثاقب

() کوثر کے متعلق آیات واحادیث

() طوبیٰ کے متعلق آیات واحادیث

() شب قدر میں بیت المعمور پر نزول قرآن

() اطمینانِ قلب واضطرار

() خوف وحزن کے متعلق آیات وحدیث

() علم کے متعلق آیات واحادیث

() حضرت آدمؑ کا شجرِ ممنوعہ سے پھل کھانا

() اہل البیتؑ

www.khrooj.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد ونعت درود وصلواۃ معروض کہ حقیر مولف نے حصہ دوم میں عرض کیا تھا کہ اہل بیتؑ حصہ سوم الموسوم بہ اثناء عشر میں بارہ مضامین کی آیات پیش کروں گا۔ ہر آیت کے تحت احادیث متشابہ اور احادیث مبنی بر تقیہ اور ان کے متعلق متکلمین کے بیانات لکھ کر آئمہ علیہم السلام کی احادیث محکم مبنی بر حقیقت بھی نقل کر دوں گا تاکہ ہر صاحب عقل خود ہی سمجھ لے کہ کونسی احادیث متشابہ اور مبنی بر تقیہ ہیں اور کون سی محکم اور مبنی بر حقیقت اور ان احادیث محکم کی رو سے اصل تفسیر جو مقصود اہل بیتؑ ہے کیا ہے۔ لہٰذا حسبِ وعدہ اب بارہ مضامین کی آیات مع تفسیر پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اصل حقیقت سمجھ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ختم قلوب، دلوں اور کانوں پر مہر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لاَ يُؤْمِنُونَ۝ البقرہ ٦

(وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کے لئے یکساں ہے خواہ ان کو تم ڈراؤ یا نہ ڈراؤ وہ ایمان نہیں لائیں گے)۔

چونکہ ''لفظ کفروا'' سے ہر شخص کا ذہن 'وہ جو کافر ہوئے'' کی طرف جاتا ہے یعنی وہ لوگ جو مسلمان نہیں ہوئے پس ان کے ذہن میں یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ یہ ایمان نہ لائیں گے تو پھر ان کو دعوت اسلام دینے کا حکم کیوں

WWW.KHROOJ.COM

دیا۔ ایسے وساوس الفاظ کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے سے پیدا ہوا کرتے ہیں ''کفر'' کے معنی ہیں انکار کرنا، روگردانی کرنا، منہ پھرانا، کسی بات سے روگردانی کرنا۔ یہی ہے کہ اس کی طرف توجہ نہ کرے۔ پس یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی بات سننے کی طرف توجہ ہی نہ کرے تو وہ بات مانے گا کیسے۔ یہ تو قانون فطرت ہے کہ جب کسی کہنے والے کی بات کوئی توجہ سے سنے گا تب ہی سمجھ سکے گا اور اسی وقت وہ اس کو مان سکے گا۔ پس آیت کا مفہوم صاف ہے کہ جو لوگ حق سننے کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے ان کو خواہ تم ڈراؤ یا نہ ڈراؤ جب وہ توجہ ہی نہ کریں گے تو ایمان کیسے لائیں گے۔ وہ تو ایمان لا ہی نہیں سکتے۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ......البقرۃ ۷

(اللہ نے مہر کر دی ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے اور ان کے لئے بہت بڑا عذاب ہے)۔

(مقبول ترجمہ)۔ ان کے دلوں پر اور کانوں پر خدا نے نشان کر دیا ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

(ترجمہ فرمان علی)۔ ان کے دلوں پر اور کانوں پر (نظر کر کے) خدا نے تصدیق کر دی ہے (کہ یہ ایمان نہ لائیں گے) اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے اور ان ہی کے لئے (بہت) بڑا عذاب ہے۔

اس آیت کے حاشیہ پر مولوی فرمان علی صاحب رقمطراز ہیں ''ختم کا مطلب تو یہ ہے کہ جب ان لوگوں نے یہ ہٹ دھرمی اختیار کی تو خدا نے ان سے نیک توفیق سلب کر

لی یا یہ ہے کہ ختم کے معنی علامت مقرر کرنے کے ہیں یعنی خدا نے ان کی یہ حالت دیکھ کر ان کے کان اور دل پر علامت مقرر کر دی کہ یہ ایمان لانے والے نہیں یا ختم کے معنی شہادت کے ہیں یعنی خدا گواہی دیتا ہے کہ ان پر تمہارے ڈرانے کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ یا ختم کے معنی تصدیق کرنے کے ہیں یعنی خدا ان کے کان اور دل کی حالت دیکھ کر یہ تصدیق کرتا ہے کہ یہ لوگ ایسے ہی ہیں اور ہرگز ایمان نہیں لائیں گے''۔

مولوی مقبول احمد صاحب حاشیہ پر لکھتے ہیں ''ان کے دلوں پر ایسی نشانی لگائی ہے جسے اولیاء اللہ اور فرشتوں میں سے وہ خاص جن کی نسبت خدا کو منظور ہوتا ہے دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہ ایمان نہ لائیں گے''۔

''عَلٰی اَبۡصَارِھِمۡ غِشَاوَۃٌ'' کا مطلب یہ ہے کہ جس بارے میں ان کو غور کرنا لازم تھا اس میں فکر کرنے سے باز رہے اور جو مقصد ان کی پیدائش سے رکھا گیا تھا اس میں کوتاہی کی اور جس چیز کا یقین ان کے ذمے لازم تھا اسے جان بوجھ کر نہ پہچانا پس وہ ایسے ہو گئے گویا کہ دونوں آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے کہ سامنے کی کوئی چیز نظر نہیں آتی گویا پیش پا افتادہ باتیں بھی نہیں سمجھتے''۔

ان تراجم و حواشی کو دیکھنے والا آیت کا مفہوم کیا سمجھ سکتا ہے۔ قرآن تو کہتا ہے کہ اس میں کیفیات نفس کا بیان ہے مگر لفظ پرست کہاں کہاں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ یہ تو ایک کیفیت نفس کی تفصیل ہے ایک بزرگوار نے اس کی تفسیر سنائی اور بیان کیا ''میں عالم مسافرت میں ایک جگہ مہمان تھا ایک کمرہ مہمانوں کے لئے مخصوص تھا۔ اس کے برابر کے کمرے میں ڈھائی تین فٹ بلندی پر کھڑکیاں لگی تھیں جن میں لوہے کی سلاخیں نصب تھیں۔ ایک کھڑکی کے اوپر وال بریکٹ لگا ہوا تھا جس میں بلب بھی لگا

تھا ہم اس کھڑکی کے نیچے فرش پر بیٹھا کرتے تھے وہیں جلسہ جمتا اور گفتگو ہوتی۔ مہمان خانہ کے مہتمم ایک شریف نوجوان تھے۔ ایک روز وہ کہنے لگے یہ بتلایئے کہ ختم اللّٰہ علی قلوبھم والی آیت سے کیا مراد ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اللہ تعالیٰ مہر بھی کر دیں اور پھر عذاب بھی کریں۔ میں نے کہا اس کا اصل مفہوم اس وقت سمجھنا ممکن نہیں اگر کسی دن اس کی عملی تفسیر سامنے آ گئی تو آپ کو دکھلا دوں گا اور آپ اس کی تفسیر اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اس پر وہ کچھ مکدر ہو کر چلے گئے۔ خدا کی شان تیسرے ہی دن مہتمم صاحب تین نوجوان رفقاء کے ساتھ تشریف لائے کہنے لگے کہ اس کھڑکی پر جو وال بریکٹ لگا ہے اس میں سے بلب اتارنا ہے میں نے کہا۔ آپ کیا تکلیف کریں گے میں ہی اتار دوں گا۔ چنانچہ میں سلاخ پکڑ کر کھڑکی پر چڑھ گیا بلب کو دبا کر گھمایا تو ہولڈر گھومنے لگا میں فوراً اتر آیا اور ان سے کہا کہ آپ ایک سیڑھی لے آئیں بغیر اس کے یہ بلب نہیں نکل سکتا اس لئے کہ ہولڈر گھومتا ہے کہنے لگے واہ میں اتار لوں گا میں نے کہا بسم اللہ چنانچہ وہ چڑھے اور ناکام اتر آئے۔ پھر ان کے ایک ساتھی نے کہا میں اتار لوں گا۔ میں نے کہا آپ لوگ کیوں اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ جب ہولڈر گھوم رہا ہے تو ضرورت اس کی ہے کہ آپ کے دونوں ہاتھ خالی ہوں کہ ایک ہاتھ سے ہولڈر پکڑیں اور دوسرے سے بلب کو دبا کر گھمائیں اسی وقت تو بلب نکل سکے گا۔ یہاں آپ ایک ہاتھ سے سلاخ پکڑتے ہیں اور دوسرے سے بلب نکالنے کی کوشش کرتے ہیں تو بتلایئے کہ جب ہولڈر گھومتا ہے بلب کیسے نکلے گا مگر میرا یہ تفصیلی بیان بھی ان لوگوں پر کچھ اثر نہ کر سکا۔ دوسرے صاحب کھڑکی پر چڑھے اور کوشش کر کے ناکام اتر آئے اب تیسرے صاحب کو

جوش آیا کہنے لگے میں ضرور اتارلوں گا۔ وہ بھی ناکام رہے تو چوتھے صاحب کہنے لگے ارے تم سے اک ذرا سا بلب نہیں اترتا۔ دیکھو میں ابھی اتارلاتا ہوں۔ چنانچہ وہ بھی کھڑکی پر چڑھے اور بلب نکالنے کی کوشش کرتے رہے۔ بالآخر ناکام اتر آئے تب ان میں سے ایک صاحب گئے اور چھوٹی سیڑھی لے کر آئے اور بلب اتارا گیا۔ اب یہ چاروں حضرات بلب لے کر چلنے لگے تو میں نے مہتمم صاحب سے کہا۔ اب ذرا بیٹھ جایئے اور سن لیجئے کہ آپ کے سوال کا جواب ہوگیا کہ نہیں کہنے لگے کونسا سوال؟ میں نے کہا ختم اللّٰہ علی قلوبھم کی تفسیر۔ کہنے لگے میں کچھ نہیں سمجھا۔ میں نے کہا یہ نفس انسان کی فطرت ہے کہ جب کوئی خیال اس کے ذہن میں قائم ہو جاتا ہے تو پھر اس کے خلاف نہ کچھ سن سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ آپ چار آدمی ہیں آپ کے پاس آٹھ کان آٹھ آنکھیں اور چار قلب ہیں۔ مجھے ناکام لوٹتے دیکھا مگر کیا کوئی شخص اس کا سبب سمجھ سکا۔ دوسرے کو ناکام لوٹتے دیکھا مگر ایسا ہی ہوا گویا کہ دیکھا ہی نہیں میں نے بار بار کہا۔ اس کے نہ اترنے کا سبب بہ تفصیل بیان کیا کہ اس وجہ سے بلب نہیں اتر سکتا مگر ان آٹھ کانوں میں سے کسی ایک نے نہ سنا۔ ان چار قلوب میں سے کسی ایک نے بھی نہ سمجھا کہ جب ہولڈر گھوم رہا ہے تو بلب بغیر سیڑھی پر کھڑے ہوئے اتر ہی نہیں سکتا۔ اب آپ نے اس آیت کی تفسیر دیکھ لی۔ یہ قانون فطرت ہے کہ جو عقیدہ یا خیال انسان کے ذہن میں بیٹھ جاتا ہے اس کے خلاف پھر کچھ سن نہیں سکتا۔ دوسروں کو نقصان اٹھاتے ناکام ہوتے دیکھتا ہے مگر ایسا ہی ہوتا ہے گویا کہ دیکھا ہی نہیں۔ کتنا ہی اس کو سمجھائیں وہ سمجھ ہی نہیں سکتا۔ یہ تخیل کی مہر ہے جو کانوں اور دلوں پر لگ جاتی ہے اور آنکھوں پر پردہ پڑ

www.khrooj.com

جا تا ہے اور نتیجہ میں سخت نقصان اٹھا تا ہے۔ یہ ہے اس آیت کا اصل مفہوم۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ وہ تو فرما تا ہے وما ربک بظلامٍ للعبید ......(تیرا رب بندوں کے لئے ظلم کرنے والا نہیں ہے)۔فالحمدُلِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِین۔

۲۔نامہ اعمال کے متعلق آیات

وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ (۱۰) كِرَاماً كَاتِبِيْنَ (۱۱) يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۔سورہ انفطار ۱۲

(ترجمہ)...... بے شک تم پر نگران ہیں بزرگ لکھنے والے۔ وہ جانتے ہیں کہ جو کچھ تم کرتے رہتے ہو۔

وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَآئِرَهُ فِىْ عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَاباً يَلْقَاهُ مَنشُوراً (۱۳) اقْرَأْ كَتَابَكَ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْباً ......سورہ بنی اسرائیل ۱۴

(ترجمہ)...... اور ہم نے ہر انسان کا عمل اس کے گلے کا ہار کر دیا ہے اور نکالیں گے ہم اس کے لئے یوم قیامت ایک کتاب کہ اس کو پھیلا ہوا پائے گا۔ اپنی کتاب پڑھ لے۔ آج تو خود ہی اپنے نفس پر محاسبہ کے لئے کافی ہے۔

أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُم بَلَى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ......سورہ زخرف ۸۰

(ترجمہ)...... کیا یہ لوگ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کے بھید اور انکی سرگوشیوں کو نہیں سنتے۔ ہاں (ضرور سنتے ہیں) ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس لکھتے جاتے ہیں۔

إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ (17)مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ......سورہ ق ۱۸

(ترجمہ)...... جب لیتے جاتے ہیں دو لینے والے داہنے بائیں بیٹھے۔ نہیں بولتا کوئی بات مگر یہ کہ اس کے پاس نگراں موجود ہے۔

اس کے متعلق اعتقادیہ شیخ صدوق (ناشر مکتبہ امامیہ اردو بازار لاہور) صفحہ ۱۱۹، ۱۲۰ پر ہے ''شیخ ابو جعفر نے فرمایا اس کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ کوئی بندہ نہیں ہے مگر یہ کہ اس پر دو فرشتے مقرر ہیں جو اس کے سارے اعمال کو لکھتے ہیں (سطر ۱۴) یہ دونوں فرشتے بندہ کا ہر کام لکھ لیتے ہیں یہاں تک کہ اگر وہ بندہ راکھ میں پھونک مارتا ہے تو اسے بھی درج کر لیتے ہیں۔ خدا نے فرمایا بہ تحقیق تم پر محافظ ہیں بزرگ مرتبہ فرشتے جو لکھ لیتے ہیں در آں حالیکہ جانتے ہیں ان باتوں کو جو تم کرتے ہو (ص ۱۲۱ سطر ۱۴) اور دونوں فرشتوں کے بیٹھنے کی جگہ اولاد آدم کی گردن کی دونوں رگیں ہیں۔ داہنی طرف والا فرشتہ نیکیاں اور (۱۲۲) بائیں جانب والا فرشتہ برائیاں درج کرتا ہے۔ ان کے دونوں فرشتے بندے کے اعمال نہار لکھتے ہیں اور رات کے دونوں فرشتے بندے کے اعمال شب تحریر کرتے ہیں''۔

آیات مذکورہ بالا میں سے آخری آیت إِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَن کا ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب لکھتے ہیں ''جبکہ دائیں اور بائیں سے دو لینے والے بیٹھے بیٹھے ہر بات کو لیتے جاتے ہیں ایک بات بھی منہ سے ایسی نہیں نکالتا کہ اس کے لئے نگران پاس ہی

WWW.KHROOJ.COM

موجود نہ ہو‘‘

اور مولوی فرمان علی صاحب لکھتے ہیں’’ جب (وہ کوئی کام کرتا ہے) دو لکھنے والے (کراماً کاتبین) جو اس کے دائیں بائیں بیٹھے ہیں لکھتے ہیں ۔کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس رہتا ہے

اور حضرت علامہ محمد حسین صاحب قبلہ اپنی کتاب احسن الفوائد کے صفحہ ۲۹۵ سطر ۸ پر تحریر فرماتے ہیں۔’’ نیز ارشاد قدرت ہے وَرُسُلُنَا لَدَيۡهِمۡ يَكۡتُبُونَ ۔ہاں ہمارے (فرستادہ فرشتے) ان کے پاس (ان کے اعمال) لکھتے ہیں ۔اور ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے

إِذۡ يَتَلَقَّى الۡمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيۡدٌ ()مَا يَلۡفِظُ مِن قَوۡلٍ إِلَّا لَدَيۡهِ رَقِيۡبٌ عَتِيۡدٌ......سورہ ق

(ترجمہ)......انسان کوئی لفظ منہ سے نہیں بولتا مگر یہ کہ (اس کے لکھنے کے لئے) اس کے پاس دو فرشتے رقیب (نیکیاں لکھنے والا) اور عتید (برائیاں لکھنے والا) موجود ہوتے ہیں۔

(مئولف گوید) حضرت علامہ نے رقیب یعنی نگراں کا ترجمہ کیا ۔نیکیاں لکھنے والا ۔حالانکہ اس کے معنی صرف نگراں ہیں ۔اور عتید کے معنی ہیں’’ تیار‘‘ جس کا ترجمہ فرماتے ہیں’’ برائیاں لکھنے والا‘‘ ۔

حضرت علامہ نے اپنی کتاب میں باب کتابت اعمال کی بڑی مفصل شرح صفحہ ۲۹۳ سے ۲۹۸ تک تحریر فرمائی ہے صفحہ ۲۹۳ پر ہے’’ ملائکہ کے موجود ہونے اور ان کی عبادات کے اقسام کا بیان‘‘ اس سرخی کے ماتحت تحریر کا لب لباب یہ ہے’’ اس امر

پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ملائکہ خداوند عالم کی ایک نوری مخلوق ہیں اور اس قدر کثیر التعداد ہیں کہ ان کی صحیح تعداد کا علم سوائے علام الغیوب (ومن علمه اللّٰه) اور کسی کو نہیں ہے جن وانس کی طرح ان کی غرض خلقت بھی خداوند عالم کی عبادت کرنا ہے لیکن ان کی عبادت کی نوعیت ہماری عبادت سے قدرے مختلف ہے ان کے اشغال واعمال بھی متفرق ہیں کسی کا کام تحمید وتمجید اور کسی کا وظیفہ تہلیل وتکبیر۔ کسی کا عمل رکوع وسجود، کسی کا فعل قیام وقعود، کسی کی عبادت بنی نوع انسان کی حفاظت و حراست کرنا ہے، کسی کی اطاعت قبور میں اموات سے سوال کرنا۔ کسی کا شعار مارنا جلانا اور کسی کا وقار تدبیر عالم کرنا۔ اسی طرح ایک گروہ کا وظیفہ متکلمین کے نیک یا بد اعمال لکھنا ہے''

پھر صفحہ ۲۹۴ سطر ۱۱ پر ''یہ تو کوئی مسلمان کہہ نہیں سکتا کہ خداوند عالم خود ان کاموں کو انجام دینے سے معاذ اللہ قاصر ہے اور ملائکہ کی امداد واعانت کا محتاج ہے جیسا کہ بعض جہال وضلال کا خیال ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ بعض مصالح وحکم کی بنا پر اس نے ان کی عبادت ان امور کی انجام دہی قرار دی ہے۔ بنا بریں کوئی صحیح العقیدہ مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ خداوند عالم نے کتابت اعمال اس لئے فرشتوں کے ذمے لگائی ہے کہ اس طرح اپنے بندوں کے اعمال پر اطلاع حاصل کرے کیونکہ اس کے بغیر اسے ان کی اطلاع نہیں ہوسکتی۔ معاذ اللہ''۔

کراماً کاتبین کے تقرر کا وقت اور ان کا کام

لہٰذا تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس نے اپنی صوابدید کے مطابق بعض ملائکہ کی یہ عبادت

قرار دی ہے کہ جب بھی کوئی مرد یا عورت سن بلوغ کو پہنچ جائے تو اس کے پاس دو فرشتے بھیج دیتا ہے اور وہ ان کے ہر ہر قول و فعل کو خواہ اچھا ہو خواہ بُرا ہو ضبط تحریر میں لاتے ہیں اور فرشتوں کے اس گروہ کو قرآنی اصطلاح میں کراماً کاتبین کہا گیا ہے''۔ پھر صفحہ ۲۹۵ پر ہے۔

''شب اور روز کے وقت اعمال کے فرشتے علیحدہ علیحدہ ہیں''

روایات آئمہ اہل بیتؑ سے بھی مستفاد ہوتا ہے کہ دن اور رات کے اعمال لکھنے والے فرشتے علیحدہ علیحدہ ہیں بلکہ بعض روایات سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قدر کثیر التعداد ہیں کہ جو ایک مرتبہ آ کر واپس جاتے ہیں انہیں دوبارہ اس شخص کے پاس قیامت تک آنے کا پھر اتفاق نہیں ہوتا (انوار نعمانیہ) علامہ جزائری مرحوم فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ حدیث سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ ستار العیوب نہیں چاہتا کہ ملائکہ انسان کے گناہوں پر بار بار آگاہ ہوں (جل الخالق یا من اظهر الجميل و ستر البقيح) دن والے فرشتے اس کے اعمال کو صبح سے لے کر شام تک لکھتے ہیں اور شام کے وقت دفتر اعمال کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

فرشتوں کا نامہ اعمال کو جناب رسولؐ خدا اور آئمہ ہدیٰ کی خدمت میں لے جانا

بعد ازاں ان کے بعد والے آئمہ طاہرین کی خدمت میں لے جاتے ہیں اور سب سے آخر میں حضرت امام زمانہ کے حضور میں حاضر کرتے ہیں اور امام زمانہ دونوں دفتروں کو ملاحظہ فرماتے ہیں (۲۹۶ سطر ۹) اس کے بعد اسے بارگاہ الٰہی میں لے کر

WWW.KHROOJ.COM

آسمان پر چلے جاتے ہیں۔ یہ ہے مطلب آیہ مبارکہ قل اعملوا فیری اللّٰہ عملکم و رسوله والمومنین ۔کا یعنی تم عمل کیئے جاؤ تمہارے اعمال کو خدا دیکھ رہا ہے اور اس کا رسولؐ بھی دیکھ رہا ہے اور کچھ خاص مومنین یعنی آئمہ طاہرین بھی دیکھ رہے ہیں اور صبح صادق کے وقت چاروں فرشتوں کا مبارک اجتماع ہوتا ہے رات والے فرشتے جارہے ہوتے ہیں اور دن والے آرہے ہوتے ہیں جو بندہ مومن نماز صبح کو اول وقت ادا کرتا ہے اس کو شب و روز والے دونوں فرشتے لکھ لیتے ہیں''۔ پھر اسی صفحہ پر ہے۔

کتابت اعمال کے بعض اسرار ورموز کا بیان

اس کتابت اعمال کے حقیقی اسرار ورموز کا علم تو اسی خالق حکیم کو ہے جس نے یہ سلسلہ جاری کیا ہے۔ ہماری مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے بھی بعض اسرار کا سراغ مل جاتا ہے کہ اس سلسلہ کے اجراء کا ایک راز کہ نبی وامام کو امت کے اعمال سے آگاہ کیا جائے۔ (اگرچہ وہ توجہ فرمائیں تو اس کے بغیر بھی حالات معلوم کرسکتے ہیں) اس کا دوسرا راز جو بعض آیات وروایات سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بروز قیامت جو شخص جنت یا جہنم کا مستحق ہے اس کا یہ استحقاق علیٰ رؤس الاشہاد اس کے نامہ اعمال کی روشنی میں جو معصوم فرشتوں کا لکھا ہوا ہے واضح اور آشکار ہوجائے تاکہ کوئی خدا کی جزا یا سزا کے بعد فرشتوں کے متعلق مراعات بے جا یا ظلم ناروا کا توہّم نہ کرسکے ۔ارشاد ہوگا۔اقراء کتابك کفی نفسك اليوم عليك حسيباً۔

علمائے متکلمین نامہ اعمال کے مباحث پر تقریباً ایک ہزار سال سے تشریحیں

توضیحیں ان کے اسرار ورموز لکھتے چلے آئے ہیں۔ان بیانات سے ناظرین پر یہ تو واضح ہوگیا کہ ان علماء کا عقیدہ ہے کہ ہر شخص کے کندھوں پر دو فرشتے ٹانگیں لٹکائے بیٹھے رہتے ہیں اور یہ فرشتے اس وقت بھیجے جاتے ہیں جب کہ کوئی زن و مرد سن بلوغ کو پہنچ جائے ۔فرشتوں کے بیٹھنے کی جگہ آدمی کی گردن کی دونوں رگیں ہیں ۔وہ بندے کا ہر حرکت وسکون ہر قول وفعل لکھتے رہتے ہیں ۔دن رات کے فرشتے الگ الگ ہیں ۔صبح وشام ڈیوٹیاں بدل جاتی ہیں ۔ڈیوٹی سے فارغ ہوکر نامہ اعمال کی مثلیں رسولؐ کریم کے حضور پیش کرتے ہیں ۔پھر ہر ایک امامؑ کے سامنے یکے بعد دیگرے معائنہ کے لئے پیش کرتے ہیں اس سے فراغت پاکر وہ اعمال کی مثلیں بارگاہ الٰہی میں لے کر آسمان پر چلے جاتے ہیں ۔سبحان اللہ علمائے متکلمین کے اللہ تعالٰی کی بارگاہ اوپر ہے آسمان پر ۔حالانکہ سطح زمین کے اوپر جس نقطہ پر بھی عمودی خط کھڑا کیا جائے اس کا رخ اوپر ہی ہوگا صرف ایک مربع انچ سطح پر پنسل سے بغیر خوردبین کی مدد کے دس لاکھ نقطے لگائے جا سکتے ہیں اور اگر خوردبین کی مدد سے لگائے جائیں تو دس کروڑ بھی ہو سکتے ہیں ۔معلوم نہیں کہ ان ہر مربع انچ کے دس کروڑ اوپر میں سے ہمارے علماء کرام کے اللہ تعالٰی کی بارگاہ کونسے اوپر پر واقع ہے ۔اب تو معلوم ہوگیا ہے کہ اوپر نیچے کوئی سمت ہی نہیں اور آسمان کا تخیلی وجود معدوم ہو چکا ہے تو کیا اللہ تعالٰی کی بارگاہ ہی معدوم ہو چکی ہے ۔افسوس کہ علوم اہل بیتؑ کو ان متکلمین نے جہل بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔

اچھا مان لیا کہ فرشتے اعمال کی مثلیں بارگاہ الٰہی میں لے کر آسمان پر چلے جاتے ہیں متکلمین کی کتابوں میں پتہ نہیں چلتا کہ پھر وہ مثلیں کہاں جاتی ہیں شاید علماء کے

WWW.KHROOJ.COM

مفروضہ عرش پر کوئی بہت بڑا محافظ خانہ ہوگا جس میں وہ محافظ دفتر کی خدمت میں لے جا کر جمع کرادی جاتی ہوں تو ضروری ہے کہ ہر شخص کی مثل نمبر دار علیحدہ علیحدہ ہو اور روزانہ صبح وشام ہر شخص کا اس روز کا نامہ عمل اس کی مثل میں نتھی کیا جاتا ہو اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہر شخص کی پوری مثل محافظ خانے سے نکلوا کر اس کے گلے میں لٹکا دیں شاید نخرج له یوم القیامۃ کتاباً یلقٰه منشوراً (نکالیں گے ہم ہر شخص کے لئے قیامت کے دن ایک کتاب اور اس کو وہ پھیلا ہوا پائے گا) کا یہی مطلب ہو۔

ناظرین سوچیں اس وقت دنیا میں تین ارب آبادی ہے۔ چھ ارب فرشتے دن کے اور چھ ارب رات کے بارہ ارب فرشتے اعمال لکھنے میں مصروف ہیں۔ ہمارے علماء کرام کو یہ خبر تو ہے ہی نہیں کہ زمین کے ایک خط طول البلد پر جس وقت صبح ہوتی ہے اس کے مخالف سمت کے خط پر اسی وقت شام ہوتی ہے اور سیکنڈ کا لاکھواں حصہ بھی ایسا نہیں ہوتا کہ زمین پر صبح وشام نہ ہو رہی ہو۔ کس قدر حیرت انگیز معاملہ ہے کہ سیکنڈ کے ہر ہزارویں حصہ میں لاکھوں فرشتے ڈیوٹی سے فارغ ہو کر رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔ حساب لگائیں کہ ان بارہ ارب مثلوں کے معائنہ پر کتنا وقت صرف ہوتا ہوگا۔ اگر ایک سیکنڈ میں دس مثلیں بھی فرض کر لی جائیں تو بارہ ارب مثلوں کے معائنہ کے لئے تین لاکھ تینتیس ہزار تین سو تینتیس گھنٹے درکار ہوں گے جبکہ دن رات ۲۴ گھنٹے کے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے تو حقیقت کو صاف وصریح الفاظ میں ظاہر کر دیا ہے مگر قرآن سے تو متقین ہدایت پاتے ہیں۔ کفار و منافقین اس سے کچھ حاصل نہیں کر سکتے قرآن نے کہا ہے۔ان اللّٰہ علی کل شی

شہید (اللہ ہر شے پر حاضر و ناضر ہے) اور رسولؐ و آلؑ رسولؐ کے لئے ہے وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً۔ (اسی طرح ہم نے تم کو (خالق و مخلوق کی) درمیانی امت قرار دیا تا کہ تم لوگوں پر شہید ہو اور رسولؐ تم پر شہید ہو) علمائے متکلمین کے نزدیک شہید ہونے سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور گواہوں کے کٹہیرے میں کھڑے ہو کر گواہی دیں گے اور رسولؐ اللہ ان کی گواہیوں پر گواہی دیں گے کہ ہاں اللہ تعالیٰ یہ درست کہتے ہیں۔ وائے برایں عقل و دانش۔

قرآن تو شہادت دے رہا ہے کہ رسولؐ و آلؑ رسولؐ کو رب العزت نے شہید بنایا ہے کہ وہ ہر دم و ہر لحظہ تمام خلائق کے نفوس پر شہید ہیں ان کے ہر حرکت و سکون ہر قول و فعل حتیٰ کہ خیالات کا بھی مطالعہ کرتے ہیں جس پر دوسری آیت قل اعملوا سیری اللّٰه عملكم ورسوله و المومنون ۔ (کہہ دو تم عمل کرو تمہارے اعمال اللہ دیکھتا ہے اور اس کا رسول اور مومنین) شاہد ہے کہ ہر شخص کے اعمال اللہ اور رسولؐ اور آلؑ رسولؐ دیکھ رہے ہیں مگر حضرت علامہ نے اس آیت کا مطلب یہ بتلایا کہ اعمال نامے رسولؐ اور آلؑ رسولؐ کے سامنے اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوتے ہیں اس طرح تمہارے عمل اللہ اور اس کا رسولؐ اور آلؑ رسولؐ دیکھ لیتے ہیں ۔کیا یہ علوم قرآن کو جہل بنا کر پیش کرنے کے مترادف نہیں حالانکہ حضرت علامہ خود ہی لکھتے ہیں کہ اگر آئمہ معصومینؑ توجہ کریں تو بغیر اس کے بھی (یعنی بغیر نامہ اعمال کے پیش ہونے کے) حالات معلوم کر سکتے ہیں مگر خود ہی نہیں سمجھتے کیونکہ عقل سے کام نہیں لیتے۔

ہر آدمی جانتا ہے کہ پیدائش سے لے کر اس وقت تک جو چیز بھی اس نے دیکھی جو بات سنی یا کہی جو ذائقہ چکھا، جو خوشبو یا بدبو سونگھی، جو شے بھی چھوئی جو کیفیت نفس پر گزری، جو خیال بھی آیا۔سب کے نقوش اس کے نفس کے اندر موجود ہیں۔حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نامہ اعمال کی حقیقت تحریر فرما گئے ہیں۔دیکھیں کتاب الشافی ترجمہ اصول کافی جلد۲ صفحہ۱۰ اسطر۲۰۔

''کتاب مرقوم کی توضیح میں علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ مرارۃ العقول میں تحریر فرماتے ہیں۔انسان جو چیزیں اپنے حواس سے محسوس کرتا ہے اس کا اثر اس کی روح پر واقع ہوتا ہے اور یہ سب اس کے صحیفہ ذات اور خزانہ مدرکات میں جمع ہوتے رہتے ہیں۔اسی طرح ہر ذرہ برابر نیکی یا بدی وہاں مرتسم ہو جاتی ہے جس طرح بار بار کرنے سے کوئی عادت یا ملکہ راسخ ہو جاتا ہے۔پس افعال مکتوۃ یا عقائد راسخہ نفوس میں اسی طرح جم جاتے ہیں جیسے نقوش کتابت کاغذ پر جیسا کہ خدا فرماتا ہے اولئك كتب فی قلوبهم الايمان ۔(یہی وہ ہیں جن کے قلوب پر اللہ نے ایمان کو لکھ دیا ہے) ان ہی صحائف نفسیہ کو صحائف الاعمال کہا گیا ہے۔اسی طرف اشارہ ہے اس آیت میں اذا الصحف نشرت (جب یہ صحیفے کھول دیئے جائیں گے اور یہ بھی فرمایا كل انسان اكزمناه طائره فی عنقهٖ و نخرج له يوم القيامة كتابا يلقٰهُ منشورا ۔(اور روز قیامت ہر انسان کا اعمالنامہ اس کی گردن پر پڑا اڑ رہا ہوگا۔اور روز قیامت ہم وہ کتاب نکالیں گے جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا)۔یہ وہی کتاب ہوگی جو نفس انسان پر لکھی گئی ہوگی پس نیکیوں کی یہ کتاب طینت علیین سے متعلق ہوگی اور فجار کی سجین سے'' اس سے روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ ان عقائد پر

WWW.KHROOJ.COM

متکلمین کی بحثیں ایسی ہی ہیں جیسے کہ ''گاءزبان'' کو گائے کی جیب سمجھ کر اس کی بہت مفصل تشریحیں لکھی جائیں ۔اب خدا کے واسطے بتائیں کہ ان تشریحات و تفصیلات کا'' گاءزبان'' سے دور کا واسطہ بھی ہوسکتا ہے اور ایسا علم جہالت کا منبع اور جہنم کی طرف لے جانے والا ہوگا یا حق کی اور جنت کی طرف ہدایت کرے گا۔

یہ درست ہے کہ اکثر احادیث متشابہ مبنی بر تقیہ ایسی وارد ہوئی ہیں جن پر متکلمین نے اپنے مذکورہ بالا عقائد کی بنیادیں قائم کر رکھی ہیں۔مگر حضور سرور کائنات نے تو آگاہ فرمایا ہے انا محشر الانبیآءِ امرنا ان نکلم الناس علیٰ قدرِ عقولھم (ہم گروہ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے ان کے اندازہ عقل کے مطابق کلام کریں) پس حضورؐ نے اور حضورؐ کے خلفاء باطنی نے جو باتیں نادان جاہلوں بچوں اور احمقوں کے انذار کے لئے ان کی ہدایت کے لئے ان کے اندازہ عقل کے مطابق تمثیلات میں بیان فرمائی ہیں وہ صاحبان شعور کے لئے تو نہیں ہیں۔وہ تمام متشابہ اور مبنی بر تقیہ ہیں۔ جب ان حضرات اولیاء اللہ نے حقائق بھی بیان فرما دیئے ہیں تو جو لوگ سمجھنے والے دل اور دیکھنے والی آنکھیں رکھتے ہوں گے وہ تو دیکھ لیں گے اور سمجھ لیں گے کہ یہ احادیث متشابہ مبنی بر تقیہ ہیں اور یہ محکم اور مبنی بر حقیقت ہیں۔ مگر نفس کی فطرت ہے کہ وہ اپنے ہم جنس کے ساتھ ہی رہنا پسند کرتا ہے جیسا کہ ضرب المثل ہے کند ہم جنس با ہم جنس پرواز ۔ایک سفیہ نادان تو ان ہی باتوں کو حقیقت سمجھے گا جو اس کی کیفیت نفس رکھنے والے گروہ سے کہی گئی ہوں گی مگر علماء کے لئے تو غور وفکر لازم ہے ان کی توجہ تو احادیث محکم مبنی بر حقیقت کی طرف ہونی چاہیے اگرچہ وہ تعداد میں کم ہوں لیکن چونکہ احادیث متشابہ مبنی بر تقیہ کثرت سے داخل کتب

ہیں وہ ان کی کثرت سے مرعوب ہو کر انہیں اپنا لیتے ہیں اور احادیث محکم مبنی بر حقیقت کی تاویل کر دیتے ہیں اور اپنے عقائد کی بنیادیں متشابہ احادیث پر ہی قائم کرتے ہیں۔امیر المومنینؑ نے تو بتلا دیا کہ نفس انسان ہی تو خدا کی بولتی ہوئی کتاب ہے۔اس پر عوام یا علماء نہ سمجھیں کہ نفس انسان ہی خدا کی کتاب ہے تو آئمہ کا کیا قصور ہے۔ جناب رب العزت ان کو اور ہم سب کو عقل سے کام لے کر سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین۔وصلی اللّٰہ علی خیر خلقه محمّدٍ وآلهٖ الطیبین الطاھرین ۔

....

نوٹ......بعض ناظرین کو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ اس بیان میں کراماً کاتبین کے وجود سے انکار کیا گیا ہے، یہ خیال درست نہیں بلکہ کائنات میں تمام کام فرشتوں کے ذریعے ہوتے رہتے ہیں ان کو ہی کراماً کاتبین کہا گیا ہے جو نوری قوتیں اور نوری مخلوق ہیں۔

www.khrooj.com

۳ اعمال و میزان کے متعلق آیات

فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ()وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَـئِكَ الَّذِينَ خَسِرُواْ أَنفُسَهُم بِمَا كَانُواْ بِآيَاتِنَا يِظْلِمُونَ ......الاعراف ۹

(پس جن کی میزانیں (ثقل) بھاری تھیں وہی فلاح پانے والے ہیں اور وہ جن کی میزانیں خفیف (ہلکی) تھیں وہی تو وہ ہیں جنہوں نے اپنے نفسوں کا نقصان کیا۔ اس وجہ سے کہ وہ ہماری نشانیوں کے ساتھ ظلم کرتے رہے)

ترجمہ مولوی فرمان علی صاحب۔ پھر تو جن کے نیک اعمال کے پلے بھاری ہونگے تو وہی فائز المرام ہوں گے اور جن کے (نیک اعمال کے) پلے ہلکے ہوں گے تو ان ہی لوگوں نے ہماری آیات سے نافرمانی کرنے کے سبب سے یقیناً اپنا آپ نقصان کیا

ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب۔ پس جن کی نیکیاں بھاری ہوگئیں وہ ہی تو کامیاب ہیں اور جن کی نیکیاں ہلکی ہوگئیں وہ وہی ہیں جنہوں نے ہماری نشانیوں پر ظلم کرنے کے سبب اپنے آپ کو نقصان پہنچایا دوسری آیات ......

فَأَمَّا مَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُه()فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَّاضِيَةٍ()وَأَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ()فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ()وَمَا أَدْرَاكَ مَا هِيَهْ()نَارٌ حَامِيَةٌ ......القارعۃ ۱۱

(پس وہ جن کی میزانیں ثقل (بھاری تھیں وہ خوشنودی کی زندگی میں ہوں گے لیکن وہ جن کی میزانیں ہلکی تھیں پس ان کا ٹھکانہ ہاویہ ہے اور تم کیا جانو ہاویہ کیا ہے ۔دہکتی ہوئی آگ ہے)

ترجمہ مولوی فرمان علی صاحب۔تو جس کے نیک اعمال کے پلے بھاری ہوں گے وہ من بھائے عیش میں ہوگا اور جس کے (نیک اعمال کے) پلے ہلکے ہوں گے اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہے اور تم کو کیا معلوم ہاویہ کیا ہے۔دہکتی ہوئی آگ ہے۔

ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب۔

''پس جس کے اعمال نیک کی تول بھاری اترے گی وہ خاطر خواہ عیش میں ہوگا اور جس کے اعمال نیک کی تول کم اترے گی تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا اور تم کیا سمجھے ہاویہ کیا ہے، دہکتی ہوئی آگ ہے''۔

مولوی صاحبان کے مذکورہ بالا تراجم کو دیکھ کر ہر صاحب فہم سمجھ سکتا ہے کہ یہ ترجمے نہیں ہیں بلکہ مترجم صاحبان نے اپنے قیاسی اور ذہنی عقائد کی تفسیر لکھی ہے۔ان تراجم سے ناظرین پر واضح ہوجائے گا کہ علماء کا راسخ عقیدہ ہے کہ روز قیامت جناب رب العزت اپنی بارگاہ قدس میں دو پلڑے کی ترازو میں اسی طرح اعمال خلائق تولیں گے جس طرح غلہ تولا جاتا ہے۔افسوس تو یہ ہے کہ علماء آئمہ طاہرین علیہم السلام کی احادیث محکم نہ صرف کتب میں پڑھتے ہیں بلکہ اپنے قلم سے نقل بھی کرتے ہیں اس کے باوجود وہ ان کا اپنے ذہن پر اثر نہیں لیتے اور متشابہ احادیث مبنی بر تقیہ کے ظاہری معنوں پر اپنا مدار قائم رکھتے ہیں۔مثلاً مولوی فرمان علی صاحب نے پ ۸ ع ۸ میں آیت مذکورہ کے حاشیہ پر خود ہی یہ حدیث نقل فرمائی ہے'' جب کسی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کیا اعمال تولے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا اعمال اجسام نہیں جو تولے جائیں گے اس کے علاوہ تولنے کی ضرورت تو اس کو ہوتی ہے جو اس کی گرانی اور سبکی کو نہ جانتا ہو۔خدا پر کوئی چیز پوشیدہ

نہیں۔ پوچھا پھر ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہ کے کیا معنی ہیں۔ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے جس کے اچھے اعمال غالب ہوں گے'' مولوی مقبول احمد صاحب نے بھی اس مضمون کی حدیث اس آیت کے حاشیہ پر نقل فرمائی ہے۔ مگر ہر دو حضرات نے ترجمہ یا تشریح کرتے وقت اس حدیث سے ہم آہنگی اختیار نہ کی اور اس پر دعویٰ یہ ہے کہ یہ ترجمہ احادیث اہل بیتؑ کے مطابق ہے۔ کیا یہ خود فریبی نہیں ہے اور عوام کو غلط راہ دکھانا نہیں ہے۔

اب اعتقادیہ شیخ صدوق علیہ الرحمۃ ملاحظہ ہو۔ باب الاعتقاد فی الحساب والموازین (حساب اور میزانیوں کے متعلق اعتقاد)'' شیخ ابو جعفر نے فرمایا (ص ۱۳۰) سطر ۱۵)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے، قول خدا کی کہ روز قیامت ہم انصاف کی میزانیں قائم کریں گے۔ پس کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا تفسیر پوچھی گئی۔ حضرت نے فرمایا کہ میزانوں سے انبیاء اور اوصیاء مراد ہیں''۔

حضرت علامہ محمد حسین صاحب قبلہ مدظلہ نے اعتقادیہ شیخ صدوق کی مفصل شرح لکھی ہے وہ اپنی کتاب ''احسن الفوائد'' میں صفحہ ۳۲۳ پر رقمطراز ہیں۔

حقیقت میزان کا بیان

میزان کے اجمالی عقیدے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے بلکہ اس کا اعتقاد رکھنا ضروریات اسلام سے ہے۔ اس کے متعلق آیات متکاثرہ اور احادیث متواترہ موجود ہیں۔ ہاں البتہ اس کی حقیقت و ماہیت میں قدرے اختلاف ہے۔ اول جو

علماء اسلام نے اختیار کیا ہے کہ بروز قیامت دو پلڑے والا ایک جسمانی ترازو قائم کیا جائے گا جس میں متکلفین کے اعمال تولے جائیں گے۔ دوم یہ کہ میزان سے مراد عدل خداوندی یعنی اعمال کے مطابق سزا یا جزا دینا ہے۔ سوم یہ کہ اس سے مراد انبیاء واوصیاء ہیں۔ اگرچہ خدائے تعالیٰ کے مظاہر عدل انبیاء واوصیاء کو بھی جن کا اتباع باعث دخول جنت اور مخالفت موجب دخول نار ہے میزان کہا جاتا ہے لیکن ظواہر قرآن وحدیث اور اکثر علماء اسلام کے اقوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ میزان جس کا اعتقاد ضروری ہے وہ بمعنی اول ہی ہے۔ ارشاد قدرت ہے

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ () وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُوْلَـئِكَ الَّذِينَ خَسِرُواْ أَنفُسَهُم بِمَا كَانُواْ بِآيَاتِنَا يِظْلِمُون ......الاعراف ۹

اس آیت میں وزن اور اس کے اوصاف ثقل وخفت کا تذکرہ اسی ظاہری میزان پر دلالت کرتا ہے۔ ایک اور مقام پر ہے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئاً وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِينَ ......انبیاء ۴۷

ترجمہ ......(اور قیامت کے دن ہم انصاف کی ترازو میں کھڑی کردیں گے تو کسی شخص پر ظلم نہ کیا جائے گا اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوتا تو ہم اسے لا حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں) اس آیت میں بھی میزان نصب کرنے اور اس میں چھوٹے یا بڑے عمل کو وزن کرنے کا بالصراحت ذکر موجود ہے اس مضمون کے اخبار جن میں میزان کے نصب کرنے اور اس میں اعمال تولے جانے کا ذکر موجود

ہے۔اس قدر زیادہ ہیں کہ یہاں ان کا تعدد ذرا مشکل ہے جو شائقین تفصیل چاہتے ہوں بحارالانوار وغیرہ کتب مفصلہ کی طرف رجوع کریں‘‘

دوشبہات کے جوابات

اول یہ کہ آیا خداوند عالم کواس میزان کے بغیر یہ علم نہیں کہ کس انسان کے حسنات کس قدر ہیں اور سیّئات کس قدر۔ تاکہ ترازو قائم کرنے کی ضرورت لاحق ہو۔ دوم یہ کے اعمال کس طرح تولے جائیں گے۔تولی تو وہ چیز جاتی ہے جو جسم دار ہو۔ جو ہر ہو۔اعمال تو عرض اور قائم بالغیر ہیں نہ جو ہر تو پھر انہیں کس طرح تولا جائے گا‘‘۔

پہلے شبہ کا پہلا جواب

پہلے شبہ کے سلسلے میں پہلا جواب تو یہ ہے کہ ممکن ہو مختلف لوگوں کے اعتبار سے میزان مختلف ہوں جیسا کہ علامہ جزائری نے اس نظریہ کو اختیار کیا ہے ۔ نیز صاحب سبیل النجاۃ نے بھی اسے پسند فرمایا ہے یعنی کامل اہل ایمان کے لئے تو میزان سے مراد عدل خداوندی اور انبیاء واوصیاء علیہم السلام ہوں مگر فساق وفجار اور منافقین واشرار کے لئے ترازو قائم کی جائے تاکہ ان کا انجام محسوس و مشاہد ہو جائے اور ان کی کارکردگی ان کے سامنے آجائے اور دیگر اہل محشر بھی مشاہدہ کرلیں تاکہ ان کو یقین کامل ہو جائے کہ ان کی سزا انہی کے عقائد واعمال ناشائستہ کا نتیجہ ہے اور اس سلسلے میں خدائے رحمان کو موردالزام قرار نہ دیں‘‘۔ وَمَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحداً‘‘۔

ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ اس جواب میں اصل سوال کا کہیں جواب موجود نہیں ہے سوال تو یہ تھا کہ آیا خداوند عالم کو ظاہری میزان کے بغیر علم نہیں ہوسکتا۔اس کا کوئی

www.khrooj.com

جواب نہیں۔

ایک توجیہہ تو یہ ہے کہ "ان کا انجام محسوس و مشاہد ہو جائے" تو حضور وہ کونسا حرکت و سکون یا قول وفعل ہے جو نفس انسان پر لکھا ہوا موجود نہیں۔ چونکہ دنیا میں اس پر اکثر و بیشتر غفلت طاری ہے اس وجہ سے نظر نہیں آتے۔ قیامت میں تو تمام نقوش مشاہد و محسوس ہونگے اسی کے لئے ارشاد باری ہے اِقْرَأْ كِتَابَكَ كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْباً (اپنی کتاب نفس پڑھ لے آج تو اس کی مدد سے اپنا محاسبہ کرنے کے لئے خود ہی کافی ہے) اصل یہ ہے کہ دین کا تعلق نفس انسان سے ہے۔ دین کے متعلق تو وہی شخص کچھ سمجھ سکتا ہے جو نفس کا مطالعہ کرے۔ لفظ پرست علماء اس کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ ان کے نفوس پر غفلت کے تاریک حجاب پڑے ہوئے ہیں ان کی وجہ سے ان کو اپنے اعمال کے نقوش جو نفس پر بنے ہوئے ہیں نظر نہیں آتے۔ مگر اس غفلت کی حالت میں بھی ذرہ ارادہ کر کے جھانکیں تو کسی گزشتہ وقت کا واقعہ جس کا خیال کریں اس کے نقوش ان کو نظر آجائیں گے کیونکہ پیدائش سے لے کر اس وقت تک جو کچھ دیکھا، سنا، کہا، چکھا، چھوا یا خیال کیا، ان سب کے نقوش نفس پر موجود ہیں۔ رسول کریم صلعم کے ارشاد کے بموجب " النَّاس نِيَام" اَذَا مَاتوا اَنْتَبهُوا " (لوگ سوئے ہوئے ہیں جب مریں گے تب جاگیں گے) دوسری توجیہہ یہ بیان فرمائی کہ خدائے رحمٰن کو الزام نہ لگائیں تو الزام تولنے کے بعد بھی لگایا جا سکتا ہے۔ بندہ کہہ سکتا ہے کہ ربا میرے اعمال تو ساری زمین پر پھیلے ہوئے تھے۔ تیرے فرشتے سب کو سمیٹ کر نہیں لائے لہٰذا قول صحیح نہیں ہے اس لئے دونوں توجیہیں درست نہیں ہیں۔ پھر علامہ صاحب لکھتے ہیں۔

دوسرا جواب ۔ اوراس شبہ کا دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے تمام لوگوں کے لئے ظاہری جسمانی طور پرترازو قائم کیا جائے اوراس کی وجہ یہ ہوکہ اہل ایمان کو اپنے امتحان میں کامیابی وکامرانی کا مشاہدہ کرکے بے حساب فرحت وانبساط اوراہل جہنم کو دخول جہنم سے پہلے انتہائی ذلت ورسوائی اورحسرت وندامت کا سامنا ہو۔اس امرکی مقبولیت میں کوئی معقول انسان کلام نہیں کرسکتا''۔

انسان دنیامیں جہاں جاتا ہےاس کے اعمال وہاں ہوتے رہتے ہیں۔اس زمانے میں تو بےشماراشخاص کے اعمال تمام روئے زمین بلکہ فضا وچاندوغیرہ سیارگان پر پھیلے ہوئے ہیں۔علامہ صاحب نے اس کی توضیح بیان نہیں فرمائی کہ وہ کس طرح سمیٹے جائیں گےاورجسمانی ترازومیں رکھے جائیں گے جبکہ اعمال خوداجسام نہیں ہوتے۔

دوسرے شبہ کا جواب باصواب

دوسرے شبہ کے جواب میں گزارش ہے کہ ظاہری میزان کے قائلین کے درمیان اس امرمیں اختلاف ہے کہ میزان میں کیا تولا جائے گا۔چنانچہ ایک قول تو یہ ہے کہ مخالف اعمال تولے جائیں گے۔دوسراقول یہ ہے کہ اعمال حسنہ ایک خوبصورت شکل میں مشکل کرکےاوراعمال سئیہ ایک بدصورت ہئیت میں تبدیل کرکے لائے جائیں گے۔تیسراقول یہ ہے کہ خوداعمال حسنہ اورسئیہ اس عالم میں مجسم ہوجائیں گے اگرچہ دارِدنیا میں عرض کا جوہراورجوہر کا عرض ہوجانا محال ہے لیکن عالم کے بدل جانے سے یہ انقلاب ممکن ہے چنانچہ محقق جلیل علامہ شیخ بہائی علیہ الرحمۃ اپنی

کتاب اربعین میں فرماتے ہیں ''اَلْحَقَّ اِنَّ الْمُوزُونَ ......'' یعنی حق یہ ہے کہ بروز قیامت خود اعمال تولے جائیں گے نہ کہ صحیفہائے اعمال اس کے بعد نشاط اخرویہ میں انقلاب ماہیت کے جواز پر دلائل نقل فرماتے ہیں۔اسی طرح علامہ نعمت اللہ جزائری انوار نعمانیہ میں فرماتے ہیں ''اِنَّ الصَّوَابَ هُوَ الصَّوْلَ يَوْمَ الْقِيَامَ '' یعنی اخبار مستفیضہ بلکہ متواترہ سے جو امر صراحتاً ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اعمال مجسم ہو جائیں گے اور خود یہی اعمال بروز قیامت میزان عدل میں تولے جائیں گے''۔

یہاں بھی علماء نے مضمون تشنہ چھوڑ دیا اور اس کی وضاحت نہ فرمائی کہ سارے عمل ایک جگہ خمیر کر کے گوندھ کر ایک ہی مجسمہ بنایا جائے گا۔یا ہر عمل کا علیحدہ علیحدہ ایک مجسمہ ہوگا۔اب حضرت علامہ لکھتے ہیں۔

قیامت میں تجسیم اعمال کے دلائل

اس تجسیم اعمال پر مختلف دلائل قائم کئے گئے ہیں۔بعض کے طرف یہاں اشارہ کیا جاتا ہے ''يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَراً وَمَا عَمِلَتْ مِن سُوَءٍ '' ...... بروز قیامت ہر شخص اپنے اعمال خیر و بد کو حاضر پائے گا ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِراً لوگ اپنے اعمال کو وہاں حاضر پائیں گے۔ان آیات سے بھی مترشح ہوتا ہے کہ خود ان کے اعمال وہاں موجود ہوں گے اور وہی تولے جائیں گے''۔اعمال کے حاضر ہونے کا مجسم ہونے سے کیا تعلق ہے اس کا اندازہ ناظرین خود کر سکتے ہیں۔

www.khrooj.com

اب علامہ کی دوسری دلیل ملاحظہ ہو صفحہ ۳۲۴۔ ۳۲۵

(۲) ''جناب سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ فرمایا

اِنَّـمَا هِیَ اَعمَالُکُم تُردِّیٰ اَلَیکُمۡ ۔ یہی تمہارے اعمال بروز قیامت تمہیں لوٹا دیئے جائیں گے''۔

(۳) آنحضرت صلعم کی حدیث ذیل سے بھی یہی مطلب ثابت ہوتا ہے۔ جناب قیس بن عاصم سے فرمایا ''اے قیس تیرا ایک یقیناً ہم نشیں ہے جو تیرے ساتھ قبر میں دفن اور تیرا اس کے ساتھ حشر ہوگا۔ اگر تیرا وہ ہم نشیں شریف وکریم ہوا تو تیرا اکرام واحترام کرے گا اور اگر بُرا ہوا تو تجھے اپنے حال پر چھوڑ اجائے گا اور پھر اس کا حشر تیرے ساتھ اور تیرا حشر اس کے ساتھ ہوگا اور تجھ سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا پس اگر وہ صالح ہوا تو تُو اس کے ساتھ مانوس ہوگا اگر فاسد ہوا تو تجھے اس سے وحشت وگھبراہٹ ہوگی۔ یہ ہم نشیں تیرا عمل ہی ہے۔ (اربعین شیخ بہائی سبیل النجاۃ وغیرہ)

(۴) اسی طرح کئی احادیث میں بعض اعمال کے متعلق وارد ہے کہ وہ مجسم ہو کر آدمی کو برزخ اور عرصات محشر میں مانوس کریں گے اس قسم کے بعض احادیث حالات قبر وبرزخ میں گزر چکی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ ادلہ تجسیم اعمال پر نص صریح نہیں ہیں بلکہ اس میں دوسرے قول یعنی اعمال حسنہ کا صور جمیلہ میں اور قبیحہ کا صور قبیحہ میں مُتَمَثِّل ہو جانے کا احتمال برابر قائم رہتا ہے (تا آخر) (صفحہ ۳۳۶ سطر ۶ سے)

''پس ان حقائق سے واضح ہوگیا کہ میزان کو اپنے حقیقی معنی پر ہی محمول کرنا اولیٰ اور انصب ہے۔ باقی میزانوں کو تفاصیل آیا قیامت کو ایک ہی میزان نصب ہوگا یا ہر شخص

WWW.KHROOJ.COM

کے لئے الگ الگ میزان قائم کئے جائیں گے اور بصورت تعداد اصول دین و فروع دین کے لئے ایک ہی میزان ہوگا یا مختلف ہوں گے۔ان تفاصیل کا علم حاصل کرنا ضروری نہیں بلکہ اجمالی ایمان رکھنا کافی ہے۔ان ہی حقائق سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ جو قول متن میں اختیار کیا گیا ہے کہ (میزان سے مراد اوصیاء ہیں) یا جو قول اس کی شرح میں شیخ مفید الرحمۃ نے اختیار فرمایا ہے کہ اس سے مراد عدل خداوندی ہے اور بس اور اپنے اس نظریہ کی بنیاد محض ظاہری میزان کے استبعاد پر رکھی ہے اور اس طرح تمام طور پر ظواہر قرآن وحدیث کی تاویل فرمائی ہے۔وہ محل نظر واشکال ہے واللّٰہ اعلم بحقیقۃ الحال۔اسی لئے علماء متاخرین نے ان کی فرمائش کو نقد وتبصرے کی میزان پر جانچتے ہوئے فرمایا ہے ''لَا یَمْکُن الْخُروُجَ مِنْ ظَوَاھِرَ الایات ......وَانَّہُ لَاؤھَن البَیُوت''۔یعنی ان عقلی وجوہ اور وہمی اعتبارات کی وجہ سے جو تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہیں آیات وروایات کے ظاہری معانی سے دست وبرداری اختیار نہیں کی جاسکتی۔(حق الیقین علامہ سید عبداللہ شبر)''

غرضکہ ادلہ براہین سے علماء اسی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ دو پلے والی جسمانی ترازو ہی پر ایمان لانا ضروری ہے مگر اب مشکل یہ آپڑی کہ اگر ایک ہی ترازو ہو تو لاتعداد و بے شمار آدمیوں کے اعمال ایک ترازو پر کیسے تلیں گے۔لہٰذا یہ قیاس کرلیا گیا کہ ممکن ہے ہر شخص کے لئے علیحدہ ترازو قائم کی جائے تو اس حالت میں میدان حشر ترازوؤں سے بھرا ہوگا۔ان مختلف وساوس سے بچنے کے لئے یہ راہ فرار اختیار کی گئی کہ تفاصیل کا علم حاصل کرنا ضروری نہیں اور بے دلیل یہ قول اختیار کرلیا گیا۔اگر مندرجہ بالا تفاصیل کا علم ضروری ہے تو مزید تفاصیل کا علم حاصل کرنا کس دلیل سے غیر ضروری

قرار دیا گیا اور جب کوئی دلیل نہیں تو قیاس ہے جو مذموم ہے۔
دوسرا امر یہ ہے کہ علماء متکلمین کے نزدیک جب مدار نجات عقائد پر ہے تو تفاصیل پر ایمان لانا ضروری ہے ورنہ ایمان ناقص رہے گا۔
تیسرا اہم امر یہ ہے کہ جب آیات و روایات کے ظاہری معانی سے دست برداری اختیار نہیں کی جاسکتی اور اس پر علماء متکلمین کے مذہب کی بنیاد قائم ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سورہ یٰسین کی اس آیت کے کیا معنی ہوں گے۔
وَجَعَلْنَا مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدّاً وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدّاً فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ......یٰسین ۹
(اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار قائم کی اور ان کے پیچھے ایک دیوار اور اوپر سے ڈھانک دیا پس وہ دیکھ نہیں سکتے)۔
اس آیت کے ظاہری معنی کے مطابق ہر کافر کے آگے پیچھے دیوار کا ہونا ضروری ہے تو علماء فہم وتدبر سے بتلائیں کہ یہ دیواریں مٹی کی ہیں، یا اینٹوں کی یا سیمنٹ کی؟
اب حضرت علامہ تحریر فرماتے ہیں ''پس اگر شیخ مرحوم (یعنی شیخ مفید) اپنی اس تاویل کی بنیاد بجائے عقلی وجوہ پر قائم کرنے کے بعض ان احادیث پر رکھتے جو ان کی تائید میں وارد ہوئی ہیں تو کسی حد تک یہ امر درست بھی تھا۔ کیونکہ بعض روایات میں میزان کی تاویل عدل باری اور انبیاء و اوصیاء کے ساتھ کی گئی ہے چنانچہ احتجاج طبرسی میں ہشام بن حکم سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک زندیق نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا۔ اعمال تولے جائیں گے امامؑ نے فرمایا نہیں۔ کیونکہ اعمال کوئی جسم نہیں رکھتے اور تولنے کا محتاج تو وہ ہوتا ہے جو چیزوں کی

تعداد و مقدار سے ناواقف ہو اور ان کے ثقل وخفت سے آگاہ نہ ہو حالانکہ خدائے تعالیٰ پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ سائل نے کہا پھر میزان کے کیا معنی ہیں۔ فرمایا اس کے معنی عدل الٰہی کے ہیں۔ زندیق نے کہا پھر آیت ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهُ کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا جس کا عمل خیر زیادہ ہوگا وہ نجات پائے گا''۔

اسی طرح اصول کافی میں اور معانی الاخبار میں یہ آیہ مبارکہ نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئاً کی جو تفسیر بروایت ہشام بن سالم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے وہ یہ کہ آنجناب نے فرمایا کہ اس سے مراد انبیاء و اوصیاء ہیں''۔

''بنابریں یہ مسئلہ فی الجملہ قالب اشکال و اغواض میں آجاتا ہے اور محتاج علماء کی روش بہت عمدہ ہے کہ میزان کی اجمالی حقیقت کا علم رکھا جائے اور اس کی تفصیل و حقیقت کا کام خالق میزان یا اس کے حقیقی نمائندگان علیہم السلام کے سپرد کر دیا جائے۔ چنانچہ غواص بحار الانوار سرکار مجلسی علیہ الرحمۃ حق الیقین میں میزان کے متعلق مباحث طویلہ کے بعد فرماتے ہیں'' چونکہ اس سلسلے میں روایات باہم متعارض ہیں اس لئے میزان کا اعتقاد رکھنا چاہیے اور اس کی حقیقت کا علم ان ہی معاون وحی و تنزیل کے سپرد کرنا چاہیے ان اقوال میں سے کسی ایک کے متعلق یقین و ادغان حاصل کرنا مشکل ہے''۔

اسی طرح حضرت علامہ شبر صاحب فرماتے ہیں'' اولیٰ یہ ہے کہ میزان پر اجمالی ایمان رکھا جائے اور اس کی حقیقت واضح طور پر ہمارے لئے بیان نہیں کی گئی اس کے معلوم کرنے کا تکلف نہ کیا جائے''۔

ناظرین نے ملاحظہ فرمالیا کہ لمبی چوڑی بحثوں کے بعد کیا نتیجہ برآمد ہوا یہ کہ محض اجمالی ایمان رکھا جائے۔علامہ شبر صاحب نے تو جسارت فرما کر یہ بھی تحریر کردیا کہ ''جس چیز کی حقیقت ہمارے لئے واضح طور پر بیان نہیں کی گئی اس کو معلوم کرنے پر تکلف نہ کیا جائے''۔

حالانکہ میزان کی حقیقت آئمہ طاہرین علیہم السلام نے کھول کر بیان فرمادی ہے مگر کوئی غور نہ کرے تو اس میں آئمہ کا کیا قصور ہے۔

اس مقام پر دو حکائتیں یاد آ گئیں جو ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

(۱) مدرسہ کے دو طالب علم جارہے تھے۔ایک مرد فارس راہ میں کراہ رہا تھا۔اس سے سبب دریافت کیا تو اس نے کہا ''بطنم درد میکند'' (یعنی میرا بطن یا پیٹ درد کرتا ہے) ایک طالب علم نے دوسرے سے پوچھا ''چہ جائش درد می کند'' (اس کی کونسی جگہ درد کرتی ہے) دوسرے نے کہا ''بطن یبطن بطناً فهو باطن'' خوب،خوب فہمیدم مصدرش درد می کند (اچھا اچھا میں سمجھ گیا اس کا مصدر درد کرتا ہے)۔

(۲) ایک موضع میں ایک شخص کچھ پڑھا لکھا سمجھدار تھا۔گردونواح کے دیہات سے لوگ معاملات میں اس سے مشورہ کرنے آتے اور جو بات سمجھ نہ سکتے اس سے دریافت کرتے۔تمام گردونواح میں ان دیہات کے لوگ حماقت کے لئے مشہور تھے۔غرض کہ جب وہ تعلیم یافتہ شخص مرض الموت میں گرفتار ہوا وقت مرگ قریب آیا تو لوگوں نے کہا کہ آپ ہمیں کچھ وصیتیں کرتے جائیں اس نے بمشکل کہا۔''اگر تم عزت سے رہنا چاہتے ہو تو پہلے تو لو بعد کو بولو'' یہ کہتے ہی فوت ہوگیا۔اس خبر سے گردونواح کے لوگ اس کے دفن میں شرکت کے لئے جمع ہوگئے۔بعد دفن اس کی

آخری وصیت سب کو سنائی گئی تو اس پر بحث شروع ہوگئی کہ اس کا کیا مطلب ہے ۔ہم اس پر کیسے عمل کریں۔

ایک صاحب بولے کہ یہ جو لکڑیاں اور ایندھن تولنے کی بڑی ترازو لکڑیوں کی ٹال پر ہوتی ہے اس میں بیٹھ کر پہلے اپنا وزن کرلو پھر بولو کہ ہمارا وزن اتنا ہے۔

دوسرے صاحب بولے ،نہیں یہ بات نہیں وہ ایسی ہدایت کس طرح کر سکتے تھے ۔بھلا ہر جگہ لکڑی کی ٹال کہاں ہوتی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جو کہنا چاہو اس کو تختی پر لکھ لو اور غلہ تولنے کی ترازو میں وزن کرلو پھر بات کہو۔

تیسرے صاحب نے فرمایا بالکل غلط کاغذ اور گتے پر بھی تو لکھا جا سکتا ہے پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بات کہنے سے پہلے ترازو تلاش کرتے پھرو۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ چاندی سونا تولنے کا کانٹا گلے میں لٹکائے رہیں پہلے اس کے ایک پلے میں منہ رکھ کر بات کہیں اور منہ سے جو ہوا نکلے اس کا وزن معلوم کرلیں پھر کسی سے بات کہیں۔

چوتھے صاحب نے گل افشانی فرمائی ۔آپ لوگ کچھ سمجھ ہی نہ سکے یہ سب تاویلات غلط ہیں۔ میں بات کی تہہ کو پہنچ گیا ہوں۔

بس اس فقرے میں ایک لفظ رہ گیا ہے۔اصل یوں ہے ’’پہلے تو تخم لو بعد کو بولو‘‘ یعنی کسی درخت یا پودے وغیرہ کا تخم جو ہو پہلے تو اس کو لو پھر زمین میں تھوڑا سا گڑھا کھود کر اس میں تخم رکھو۔اور مٹی ڈال کر پانی چھڑک دو۔پس جب اس کو بولیا تو کچھ دن میں پودا پھوٹ نکلے گا اور درخت بڑھے گا پھلے پھولے گا بارآور ہوگا یہ ہے اس مرد بزرگ کی آخری وصیت کا مطلب اس پر واہ واہ کے نعرے بلند ہوگئے ۔بس آپ نے معمہ حل کردیا‘‘ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں یہی مثال قرآن اور احادیث متشابہ

کی تفاسیر پر صادق نہ آتی ہو۔آپ غور کریں صرف میزان کی تشریح وتوضیح میں چوتھی صدی ہجری سے لے کراس وقت تک جو کچھ لکھا گیا ہے اور علم کے دریا بہائے گئے ہیں۔اگرسب کو یکجا کیا جائے تو بڑی تقطیع کے کئی ہزار صفحے ہو جائیں گے مگر وہ سب صفحات حقیقی مطالب سے کورے ہوں گے۔

اب ذرا وزن اور میزان الفاظ کا مفہوم سمجھیں۔علماء طالب علموں کو پڑھاتے ہیں ۔نَصَرَ ، بروزن فَعَلَ ، سَمِعَ بروزن فَعِلَ ، کَرُمَ بروزن فَعُلَ ۔غرضکہ عربی میں سہ حرفی ماضی کے صیغے ۔فَعَلَ، فَعِلَ اور فَعُلَ پر وزن کئے جاتے ہیں اور جس پر وزن کیا جائے اسی کو میزان کہتے ہیں۔لہٰذا فَعَلَ ،فَعِلَ ،فَعُلَ میزانیں ہیں جن پر سے حرفی ماضی کے صیغے وزن کئے جاتے ہیں۔ یا یہ کہہ لیں کہ جن سے موازنہ کیا جاتا ہے۔ اب جو عقل سے کام لینے والا ہوگا سمجھ سکے گا کہ حروف کا برابر ہونا حرکات کا یکساں ہونا یہی وزن کہلاتا ہے۔افسوس کہ علماء جب کہتے ہیں کہ فلاں کی بات بہت وزن رکھتی ہے تو شاید دس پندرہ سیر مراد لیتے ہوں۔یا جب کہتے ہیں ''پہلے تو لو بعد کو بولو'' تو اپنی بات کو ترازو میں تولتے ہوں مگر قرآن میں تول کا ذکر آ گیا تو عبث علوم کے دریائے ناپیدا کنار بہا ڈالے۔آیات قرآن تو اہل عقل کے لئے بالکل واضح ہیں۔ اَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُه (وہ جن کی میزانیں ثقل تھیں)اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۔ (وہی فلاح پانے والے ہیں) یا دوسری آیت۔فَأَمَّا من ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُه فَهُوَ فِیۡ عِیۡشَةٍ رَّاضِیَةٍ (اور جس کی میزانیں ثقل تھیں وہ خوشنودی کی زندگی میں ہوگا)وَأَمَّا مَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِیۡنُهٗ فَأُمُّهٗ هَاوِیَةٌ (اور لیکن جن کی میزانیں خفیف تھیں اس کا ٹھکانہ ہاویہ یعنی جہنم ہے)

اب یہ بھی دیکھ لیں کہ میزان سے کیا مراد ہے ۔حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے حضرت صادق علیہ السلام سے ایک حدیث نقل فرمائی ہے ۔''فرمایا رسول خدا نے میں علم کی ترازو ہوں علیؑ اس کے پلڑے ہیں حسنینؑ اس کی رسیاں ہیں ۔جن میں پلڑے باندھے جاتے ہیں اور سیدہؑ اس کی وہ ڈنڈی ہے جس میں ترازو باندھی جاتی ہے''۔(ضیاءالنفوس ترجمہ حیات القلوب جلد سوم ص۱۰۴)

ایک اور حدیث حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ کی تصانیف میں نظر سے گزری اس وقت حوالہ یاد نہیں آتا۔ مضمون یہ تھا ''فرمایا رسولؐ خدا نے ہم عدل کی میزان ہیں جس کا منجھا میں ہوں، ڈنڈی اس کی علیؑ ہیں سیدہؑ اس کی ڈوریاں اور حسنینؑ اس کے پلے ہیں''۔

اور ملاحظہ ہو الشافی ترجمہ اصول کافی جلد اصفحہ ۵۶۳ پر ہے ''فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یَا عَلی اَنتَ مِیزَانُ الاَعمَالِ وَاَنتَ صِرَاطَ المُستَقِیَم (اے علیؑ تم ہی تو اعمال کے ترازو ہو اور تم ہی صراط مستقیم ہو) اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی متعدد احادیث میں وارد ہے ''نحن موازین الاعمال ''(اعمال کی ترازوئیں ہم ہیں)۔

اب تو ہر عقلمند شخص سمجھ لے گا کہ کلام پاک میں ''میزان سے مراد نمونہ اعمال یعنی مقتدیٰ اور امام ہی ہے جس کے پیچھے چلا جائے جس کے اعمال کی پیروی اور نقل کی جائے۔

حضرت علماء کرام ثقلت اور خفت سے اس پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ اس آیت میں ثقل اور خفت کا تذکرہ دو پلہ والی ظاہری جسمانی ترازو پر ہی دلالت کرتا ہے افسوس

ان کوثقل نظر نہیں آتے حالانکہ حضور محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہزار ہا اصحاب کے مجمع میں ثقلین بتلا دیئے تھے''انی تارك فيكم الثقلين كتاب اللّٰه و عترتی''۔اب تو آیات کا مفہوم بالکل واضح ہوگیا کہ جس نے دنیا میں اعمال کا نمونہ ثقلین کو سمجھا تھا یعنی جن کی میزانیں ثقل تھیں وہی پانے والے ہیں اور جن کی میزانیں خفیف تھیں یعنی ثقلین کے غیر، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

ناظرین ملاحظہ فرمائیں اتنی سے بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔درگاہ رب العزت میں دعا ہے کہ وہ لوگوں کی آنکھوں سے پردہ ہٹا دے تاکہ یہ فرمودات معصومین علیہ السلام کو دیکھ سکیں اور سمجھ سکیں اور توفیق عطا فرمائے کہ تعلیم اہل بیتؑ کی طرف متوجہ ہوسکیں۔آمین ثم آمین

صَلّی اللّٰه عَلیٰ حَبِیُبهِ سَیَّد الاَنُبِیَاء وَالُمُرسَلِیُن وَآلِهِ الُطَیَّبِینَ الُطَاهِرِین وَالُمَعصُوُمِین ۔

۴ شہاب ثاقب

وَلَقَدُ جَعَلُنَا فِیُ السَّمَاء بُرُوجاً وَزَیَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِیُنَ ○وَحَفِظُنَاهَا مِن کُلِّ شَیُطَانٍ رَّجِیُم○إِلَّا مَنِ اسُتَرَقَ السَّمُعَ فَأَتُبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِیُنٌ ......سورہ الحجر ۱۸

(اور ہم نے آسمان میں برج قرار دیئے اور زینت دی اس کو اہل نظر کے لئے اور محفوظ کر دیا اس کو ہر شیطان سرکش سے مگر جو کوئی کچھ سن بھاگے اس کے پیچھے دہکتا شعلہ پڑ جاتا ہے)۔

اب علماء کا مصدقہ ترجمہ مولوی فرمان علی صاحب ملاحظہ فرمائیں۔

''اور ہم ہی نے آسمان میں برج بنائے اور دیکھنے والوں کے واسطے ان کو (ستاروں سے) آراستہ کیا اور ہر شیطان مردود کی (آمد و رفت) سے انہیں محفوظ رکھا مگر جو شیطان چوری چھپے (وہاں کی کسی بات پر) کان لگائے تو شہاب کا لپکتا شعلہ اس کے (کھدیڑنے کو) پیچھے پڑ جاتا ہے''۔

ناظرین ملاحظہ فرمالیں کہ یہ ترجمہ ہے یا قیاسی تفسیر۔ حالانکہ تفسیر بالرائے کرنے کو علماء کفر کہتے ہیں۔ اب مولوی صاحب قرآن کی اس آیت کے حاشئے پر تحریر فرماتے ہیں ''آٹھواں آسمان جسے شریعت میں کرسی کہتے ہیں اس کے خربوزے کی قاشوں کی طرح بارہ ٹکڑے برابر کے ہیں ان کو برج کہتے ہیں۔ حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو، حوت۔ ان میں آفتاب تو ایک مہینہ رہتا ہے اور ماہتاب ایک ہی مہینہ میں سب برجوں کو طے کر لیتا ہے اور ہر برج میں

ڈھائی دن رہتا ہے کبھی کبھی رات کو جو ستارہ ٹوٹتا دکھائی دیتا ہے اسے شہاب کہتے ہیں۔خدائی انتظام یوں واقع ہوا ہے کہ پہلے انتظام دنیا کے متعلق جو احکام فرشتوں کے حوالے ہوتے تھے، شیاطین جن کی آمدورفت آسمان پر تھی ان باتوں کو سن کر کاہنوں سے بیان کر دیتے اور وہ لوگ پیشین گوئی کے طور پر لوگوں سے بیان کر دیتے ۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے بعد شیاطین کی آمدورفت چوتھے آسمان تک بند کر دی گئی اور جب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی تو کل آسمانوں سے منقطع کر دی گئی مگر پھر بھی آسمان کے قریب قریب جاتے اور کچھ باتیں چوری چھپے سن لیتے تو ان کی تنبیہہ کے لئے شہاب پھینکا جاتا اور یہ لوگ مار کر بھگا دیئے جاتے ہیں۔یہ باتیں اگرچہ نئے خیال والوں کے لئے تو مضحکہ کا باعث ہوں مگر سچ یہ ہے کہ یہ باتیں انسانی معمولی عقل سے باہر ہیں اور ہم کو ان میں زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں ۔جب خدا نے بیان کر دیا تو ہمیں مسلمان ہونے کی حیثیت سے چپکے سے مان لینا چاہیے‘‘

اس ترجمہ اور حاشیہ سے علماء کے مندرجہ ذیل عقائد واضح ہو جاتے ہیں۔

(۱) ان کے اللہ تعالیٰ معین اوقات پر احکام نازل فرماتے ہیں

(۲) جس طرح فوج میں صبح وشام کی پریڈ میں احکام سنائے جاتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ فرشتوں کو احکام سناتے ہیں۔

(۳) یہ احکام اتنی بلند آواز میں سناتے ہیں کہ آسمان اول تک کے قریب جا کر شیاطین بھی سن لیتے ہیں۔

(۴) اللہ تعالیٰ ایسی زبان میں احکام سناتے ہیں جسے شیطان بھی سمجھتا ہے۔

کس قدر افسوس ہوتا ہے ان لوگوں کے حال پر جو ایسی نادانی اور بے عقلی کی باتوں کو علوم اہل بیتؑ طاہرین سمجھتے ہیں۔ ذرا حاشیہ کا یہ فقرہ دیکھیں۔

''جب خدا نے بیان کر دیا تو ہمیں مسلمان ہونے کی حیثیت سے چپکے سے مان لینا چاہیے'' یہ کتنی بڑی ابلہ فریبی ہے کہ اس مضمون کی کوئی آیت تو لکھتے نہیں اور لکھیں کہاں سے جب ہے ہی نہیں مگر خدا پر اتہام لگاتے ہیں۔ اگر کوئی حدیث بھی اس مضمون کی لکھ کر کہتے کہ رسولؐ کا قول خدا کا قول ہے تو زیادہ لائق الزام نہ ہوتے ایسی افترا پردازی پیشوائے دین کی شان کے شایاں نہیں کیونکہ نفس انسان پروپیگنڈے سے مرعوب ہو جاتا ہے تو قوت تنقید مفقود ہو جاتی ہے۔ جب بچپن سے علماء کے بڑے لمبے چوڑے خطابات سنتا ہے مثلاً حضرت آیت اللہ فی العالمین ،حافظ شرع متین ، نائب امام مبین وغیرہ تو ایسا مرعوب ہو جاتا ہے کہ اگر کسی وقت کوئی عالم کہہ دے کہ آدمی دانتوں سے سنتا ہے تو انکار نہ کر سکے گا۔

اچھا اب ان کے ذکر کو چھوڑ دینا چاہیے اور آیہ مبارکہ کی تفسیر آئمہ علیہم السلام کے فرامین سے تلاش کرنی چاہیے اب آئمہ علیہم السلام کی تفسیر بھی سنیں جو نور ہے جس سے قلوب منور ہو جاتے ہیں۔

ضیا النفوس ترجمہ حیات القلوب جلد سوم میں صفحہ ۳۹۲۔ ۳۹۳ پر حضرت امام رضا علیہ السلام کی ایک حدیث منقول ہے اس میں ایک جزو یہ ہے ''والسماء رفعھاد وضع المیزان (اور آسمان کو اس نے بلند کیا اور میزان قرار دی۔ آسمان سے کنایہ رسولؐ خدا کا ہے جن کو خدا اوپر اپنے پاس لے گیا اور میزان کا کنایہ امیر المومنین ہیں۔ حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ اسی صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں کہ '' قرآن میں شمس وقمرو

نجوم و بروج سے مراد آئمہ طاہرین علیہم السلام ہیں‘‘۔
ہر ذی فہم سماء ہدایت کو اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور اس میں بارہ بروج بھی نظر آ جائیں گے اور آیت کا اصل مفہوم اپنے سمجھنے والے دل سے سمجھ لے گا ۔آیت کا حقیقی مفہوم مطابق تفسیر اہل بیتؑ حسب ذیل ہیں۔
’’ہم نے سماء ہدایت میں بارہ برج قرار دیئے ہیں اور ان کو اہل نظر یعنی غور و فکر کرنے والے صاحبان بصیرت کے لئے فضائل عالیہ سے زینت دی ہے اور ہر خبیث النفس شیطان سرکش سے ان کو محفوظ رکھا ہے کہ ان کے چشمہ رحمت و ہدایت سے ان کو قطرہ بھی میسر نہیں ہوسکتا ۔مگر جو خبیث شیطان ان کے فضائل میں سے کچھ سن لے تو اس کے سینہ میں آتش حسد بھڑک اٹھے گی اور ایک لپکتا شعلہ اس کے دل کے پیچھے پڑ جائے گا‘‘۔
ان فضائل سے ہر شیطان مردود کے دل میں آگ لگ جائے گی ۔ان کو تو وہی برداشت کرسکتا ہے جس کو ان انوار الٰہیہ سے قلبی تعلق ہو ورنہ غیروں کے لئے یہ شہاب مبین ہیں۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

www.khrooj.com

۵ کوثر کے متعلق آیات واحادیث

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ......سورہ الکوثر

(بیشک ہم نے تم کو کوثر عطا کیا۔ پس اپنے رب کے لئے نماز کو قائم کرو اور قربانیاں دو۔ بے شک تمہارا دشمن ہی مقطوع النسل ہے)۔

ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب۔ ''یقیناً اے رسول ہم نے تم کو کوثر عطا کی۔ اب تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک بلند کرو۔ یقیناً تمہارا دشمن جو ہے وہی بے اولاد ہوگا''

ترجمہ مولوی فرمان علی صاحب۔ ''اے رسولؐ ہم نے تم کو کوثر عطا کیا۔ تم تو اپنے رب کی نماز پڑھا کرو اور قربانی دیا کرو۔ بے شک تمہارا دشمن بے اولاد رہے گا''۔

مولوی فرمان علی صاحب اس سورہ پر حاشیہ لکھتے ہیں۔ ''اس سورہ میں کفار کی طعنہ زنی کا خواب رسولؐ کی تشفی، نماز عیدالضحیٰ اور قربانی کا حکم کفار کی مذمت مذکور ہے''۔

مولوی صاحبان ہر جگہ اپنے قیاسی مفہوم بیان فرماتے ہیں۔ بھلا اس سورہ سے عیدالضحیٰ کا کیا تعلق ہے۔ اب آگے حاشیہ کی عبارت حسب ذیل ہے۔

''دیکھو صواعق محرقہ کوثر کے معنی خیر کثیر کے بھی ہیں اور چونکہ کفار مکہ حضرت رسولؐ کا بیٹا نہ ہونے کی وجہ سے طعنہ دیا کرتے تھے (کہ ان کی نسل قطع ہوگئی) اور حضرت کو رنج ہوتا تھا اس کے جواب اور حضرت کی تشفی کے واسطے یہ آیت نازل کی مطلب یہ ہے کہ ہم نے تم کو کثرت اولاد عطا کی۔ یہی وجہ ہے کہ اب شاید کوئی مقام ایسا نہیں

جہاں آپ کی اولاد یعنی سادات موجود نہ ہوں ۔اسی وجہ سے حضرت رسول اللہ صلعم نے فرمایا اور علماء اہل سنت نے بھی بہ کثرت نقل کیا ہے کہ خدا نے ہر نبی کی اولاد اس کے صلب میں قرار دی اور میری اولاد علیؑ کے صلب میں ۔(دیکھو شرح مسلم ملا مبین بحث آل)''

اہل سنت نے تو لکھ دیا کہ کوثر سے مراد کثرت نسل ہے ۔مگر مولوی صاحب خود ترجمہ میں اس کا اظہار نہیں فرماتے ۔

اب ملاحظہ ہو اعتقادیہ شیخ صدوق ،باب اعتقاد فی الحوض (حوض کوثر کے متعلق اعتقاد کا باب)

''حضرت شیخ ابو جعفر فرماتے ہیں حوض کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ حق ہے ایلہ (جو کہ ینبوع اور مصر کے درمیان ایک شہر ہے) اور صنعاء (جو یمن میں ایک شہر ہے) کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے ۔یہ حوض خالص سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اور اس پر آسمان کے ستاروں کے برابر کوزے رکھے ہوئے ہیں اور روز قیامت علی ابن ابی طالب علیہ السلام اس کے مختار و ساقی ہوں گے''۔

حضرت علامہ محمد حسین صاحب قبلہ مدظلہ ''احسن الفوائد فی شرح عقائد'' شیخ صدوق میں صفحہ ۲۷۶ پر رقمطراز ہیں ۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۔اے رسول ہم نے تمہیں کوثر عطا کیا ۔اس کی تفسیر میں متعدد ایسی روایتیں موجود ہیں جن میں کوثر کی تفسیر حوض کوثر سے کی گئی ہے ۔ہاں بعض روایتوں میں اس کی تفسیر کثرت اولاد سے بھی کی گئی ہے چونکہ کفار حضرت کو ابتر نسل بریدہ کہتے تھے خداوند عالم نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ''ہم نے تمہیں

WWW.KHROOJ.COM

اولاد کثیر عطا کی ، اور بعض مفسرین نے نبوت اور بعض نے قرآن و بعض نے شفاعت بھی اس کی تفسیر کی ہے''۔

فی الحقیقت ان تمام تفسیروں میں کوئی تعارض و تضاد نہیں چنانچہ علامہ طبرسی نے اپنی تفسیر مجمع البیان میں بذیل تفسیر سورہ کوثر یہ سب تفسیریں لکھنے کے بعد لکھا ہے (واللفظ محتمل للکل الخیر الکثیر فی الدارین) یعنی لفظ کوثر ان سب معانی کا متحمل ہے۔لہٰذا واجب ہے کہ اسے تمام معانی پر حمل کیا جائے چنانچہ خداوند عالم نے آنحضرتؐ کو دنیا میں خیر کثیر عطا فرمایا اور آخرت میں بھی خیر کثیر عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے اور درحقیقت یہ اقوال خیر کثیر فی الدارین والے جملے کی تفسیر ہیں''۔

''باقی رہا یہ امر کہ اس حوض کوثر کی کیفیت کیا ہے اس کے متعلق بہ کثرت روایتیں موجود ہیں۔جو کیفیت مصنف علامہ علیہ الرحمہ (یعنی شیخ صدوق) نے بیان کی ہے وہ معمولی اختلاف الفاظ وعبارات کے ساتھ تفسیر قمی ۔اور بشارت المصطفٰے میں امام محمد باقرؑ سے مصنف کی امالی میں ابن عباس سے مناقب شہر آشوب میں بحوالہ حلیۃ الاولیاء حافظ ابونعیم اصفہانی انس ابن مالک اور کامل الزیارات میں بروایت مسمع جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔اسی سلسلے میں کتاب مجالس شیخ مفید علیہ الرحمۃ اور بشارت المصطفٰے میں ابن عباس سے روایت ہے کہ جب سورہ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ نازل ہوئی تو جناب امیر المومنین علیہ السلام نے عرض کیا اس نہر کی کچھ توصیف تو بیان فرمایئے آنجناب نے فرمایا یا علیؑ کوثر ایک نہر ہے جو عرش اعظم کے نیچے جاری ہے اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ میٹھا۔گھی

WWW.KHROOJ.COM

سے زیادہ نرم ہے۔اس کے کنکر زبرجد یاقوت ومرجان ہیں اس کی گھاس زعفران اور مٹی اذفر ہے۔یہ فرما کر آنجناب نے امیرالمومنین علیہ السلام کے پہلو پر اپنا دست مبارک رکھا اور فرمایا یہ نہر میرے اور تمہارے محبوں کے لئے ہے"۔

مولوی مقبول احمد صاحب اپنے ترجمہ قرآن کے ضمیمہ میں سورہ کوثر کی تفسیر میں رقمطراز ہیں۔

(۱) عکرمہ سے بروایت ابن عباس إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ کی تفسیر میں مروی ہے کہ کوثر ایک نہر ہے جس کی گہرائی ستر ہزار فرسخ ہے۔پانی اس کا دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ شیریں ہے۔دونوں کنارے اس کے موتی یاقوت اور زبرجد کے ہیں خدائے منان نے اپنے پیغمبر آخرالزمان اور ان کے اہل بیتؑ کو خاص طور سے عطا فرمائی ہے انبیاء کا اس میں کوئی اختیار نہیں ہے۔

(۲) الخصال میں ہے کہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا میں جناب رسولؐ خدا کے ہمراہ حوض کوثر پر ہوں گا اور میری عترت میرے ساتھ ہوگی ہم اس کے کنارے سے اپنے دشمنوں کو ہٹائیں گے اور اپنے دوستوں کو اس کا پانی پلائیں گے جو کوئی ایک دفعہ بھی اس کا پانی پی لے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا (تا آخر)

(۳) وانحر۔حضرت رسول صلعم نے جبریلؑ سے دریافت کیا۔یہ کونسی قربانی ہے جبریلؑ نے عرض کی یہ کوئی قربانی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد نمازیں، (تکبیریں کہتے وقت) ہاتھوں کا کانوں تک اٹھانا"۔

(مولف گوید) رسول وآئمہ پر تقیہ لازم تھا۔کفار ومنافقین سے تو حقیقت کا بیان کرنا ممکن ہی نہ تھا بلکہ حقیقت کا تو سوائے صاحبان معرفت اصحاب کے اور کسی سے بیان

WWW.KHROOJ.COM

کرنا ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا منافقین تو انہیں اقوال کو حق جانیں گے جو منافقین سے تاویل کی گئی ہو۔ ان روایات کی حقیقت اور سورہ مبارکہ کی حقیقی تفسیر تو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو عقل سے کام لینے والا ہو۔ ایک بچے کو اگر کوئی شخص بتلا دے کہ دیکھو شادی اس کو کہتے ہیں کہ دولہا دلہن کو بیاہ کر لے جاتا ہے۔ پھر بھی جو بچہ نہایت احمق ہوگا وہ تو یہی کہتا رہے گا بے شک شادی تو یہ ہے مگر یہ وہ ''بی بی شادی'' تو نہیں جن میں چھ سو ہاتھ چھ سو ٹانگیں چھ سو آنکھیں تین سو سر جو چچا جی نے بتلائے تھے۔ وہ تو ہزاروں دانتوں اور ہزاروں ناخنوں والی تھیں۔ اس کے ذہن میں جو بی بی شادی کی مہیب شکل بنی ہوئی ہے اس نقش کو وہ مٹا نہیں سکتا۔ اسی طرح ہمارے علماء متکلمین کے ذہن میں جوان مادی تمثیلوں کے نقوش بیٹھے ہوئے ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ علیہم السلام نے منافقین اور احمق نادانوں سے تقیۃً بیان فرمائی ہیں وہ ان کو آئمہ علیہم السلام کے مبنی بر حقائق اقوال دیکھنے اور سمجھنے سے باز رکھتے ہیں بلکہ اکثر مقامات پر تو حقائق کی تاویل کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں اور وہ حضرات کہہ دیتے ہیں کہ ہاں ایسی روایت بھی وارد ہوئی ہیں مگر وہ شاذ ہیں۔ بہ کثرت روایت سے ان کے خلاف ظاہر ہوتا ہے۔ خدا ان کے حال پر رحم فرمائے اور ان کو عقل سے کام لے کر سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ صاحبان عقل تو جانتے اور سمجھتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تو یہ ممکن ہی نہ تھا کہ اس کی حقیقت اپنے اہل بیتؑ اور صاحب معرفت اصحاب کے علاوہ کسی کو بتلا سکتے بلکہ قبل غیبت آئمہ علیہم السلام کے لئے بھی یہ امر جائز نہ تھا کہ اس کی حقیقت بیان فرما دیتے اب صاحبان عقل اس کی تفسیر فرمودات آلؑ رسولؐ سے ملاحظہ فرمائیں۔

الکوثر ۔کوثر سے مراد کثرت نسل ہی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علیؑ ابن ابی طالب کے لئے مخصوص ہے کسی نبی کا اس میں کچھ اختیار نہیں ۔اس کی لمبائی چوڑائی یعنی وسعت بے انداز ہے جس کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہوں گی وہ تو دیکھ لے گا کہ کوثر یعنی نسل بنی سیدہؑ زمین پر کتنی وسعت میں پھیلی ہوئی ہے اور اس پر آسمان کے ستاروں کے برابر کوزے ہیں ۔مگر افسوس ان کوزوں کو خود یہ پتہ نہیں کہ ان میں شراب حوض کوثر موجود ہے ۔افسوس صد افسوس ان کوزوں کو اس کا احساس نہیں کہ شراب نور ہمارے اندر موجود ہے ۔احساس نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ ان کے اندر ہوا و ہوس کی چکنائی لگی ہوئی ہے جس کی وجہ سے کوزے شراب چوسنے سے محروم رہتے ہیں ۔کاش یہ نجس چکنائی دور ہو جائے تو شراب چوس کر خود بھی سیراب ہوں پھر دوسروں کو چکھائیں مگر یہ تو درد کے تیزاب سے دور ہوتی ہے جس سے ہم بدنصیب کوزوں کا نفس خبیث کوسوں دور بھاگتا ہے ۔
اب شراب حوض کوثر کا بھی مشاہدہ کرلیں ۔شراب کے معنی ہیں پینے کی شئے ۔خواہ پانی ہو یا شربت یا اور کوئی رقیق شئے ہو جس کو ہم شراب کہتے ہیں اس کو عربی میں خمر کہتے ہیں جیسا کہ کلام اللہ میں ارشاد ہے ۔

یسئلونك عن الخمر و الميسر (اے رسولؐ تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں ۔اب ملاحظہ ہو ضیا النفوس ترجمہ حیات القلوب جلد سوم از علامہ مجلسی علیہ الرحمہ صفحہ ۳۱۸ سطر ۷ ۔حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے ۔''آب جاری سے مراد امام کا علم ہے''
سطر ۱۲ حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ''اس مضمون کی حدیثیں بہت ہیں

۔علم کا کنایہ پانی سے کیا گیا ہے۔‘‘

(پھر سطر ۱۷ سے ۲۱ تک) لا سقیناھم ماءً غدقاً (ہم انہیں خوب چھک کر پانی پلائیں گے) سے مراد ہے ان کے دلوں کو ایمان کا میٹھا پانی پلائیں گے‘‘۔

اب تو ناظرین پر واضح ہو گیا کہ حوض کوثر کی شراب یا نہر کوثر کا وہ پانی کیا ہے جس کو ایک دفعہ پینے والا پھر کبھی تشنہ نہ ہو گا اور وہ رحمۃ اللعالمین کی مقدس نسل کی شراب کیا ہے جس کے ساقی امیر المومنین علیہ السلام ہیں، وہ امام کا علم نورِ ایمان اور امام کا نور ہے۔

وانحر ۔نحر اونٹ کی قربانی کو کہتے ہیں کہ اول اس کے قلب پر نیزا مارا جاتا ہے جب گر جاتا ہے تو کئی جگہ سے اس کی گردن کاٹی جاتی ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشارت دی گئی کہ ہم نے تم کو کثرت نسل عطا فرمائی جس کا مقصد یہ ہے کہ نماز حقیقی کو قائم کرو اور صلواۃ حقیقی کیا ہے وہ ولایت و محبت رسولؐ وآلؑ رسولؐ ہے لہٰذا ارشاد ہے کہ اپنے متوسلین کے دلوں میں نور محبت قائم کرنے کے لئے قربانیوں کی ضرورت ہے یہ کثرت نسل اس لئے دی گئی ہے کہ قربانیاں دیتے رہو تاکہ متوسلین رسولؐ وآلؑ رسولؐ کے دلوں میں تڑپ پیدا ہو جس سے ان کے نفسوں سے غفلت ولاشعوری کی نجاست دور ہو اور ان کا تزکیہ ہو جائے اور ان کو نور ایمان حاصل ہو جائے۔

جو رسولؐ کی نسل پر ظلم کریں گے اور قربانیوں کا ذریعہ ہوں گے ان کی نسل قطع ہو جائے گی جس کے پاس سمجھنے والا دل اور دیکھنے والی آنکھیں ہوں گی وہ دیکھ لے گا اور سمجھ لے گا کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے زمانہ شہود میں حقیقت کا اظہار ممکن نہ تھا

۔ وہ تو انسداد ہدایت کا باعث ہوجاتا ۔ لہٰذا اس کی حقیقی تفسیر بیان کرنا ممکن نہ تھا ۔اسی لئے ہر سائل کو تقیۃً تاویلوں میں جواب دیتے رہے لہٰذا اس کے متعلق تمام روایات واحادیث متشابہ اور مبنی بر تقیہ ہی ہوسکتی ہیں ۔محکم تو ہو ہی نہیں سکتیں ۔ پس جن کے دلوں میں کجی ہے اور گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں وہ متشابہ کو محکم ہی سمجھتے رہیں گے۔

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

www.khrooj.com

۶ طوبیٰ کے متعلق آیات واحادیث

وَالَّذِیۡنَ آمَنُواۡ وَعَمِلُواۡ الصَّالِحَاتِ طُوبَی لَهُمۡ وَحُسۡنُ مَآبٍ......الرعد۲۹

(اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے ان کے لئے طوبیٰ ہے اور اچھا انجام) مولوی فرمان علی صاحب اس آیت کے حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں۔

''ابن ابی حاتم نے ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ طوبیٰ بہشت میں درخت ہے جس کی جڑ علیؑ ابن ابی طالب کے گھر میں ہے اور جنت میں کوئی ایسا گھر نہیں جس میں اس کی شاخوں میں سے ایک شاخ نہ ہو''

مولوی مقبول احمد صاحب اس آیت کے حاشیہ پر رقمطراز ہیں'' طوبیٰ اس کے لفظی معنیٰ تو ہیں خوشی اور خوشحالی کے اور کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ طوبیٰ جنت کا ایک درخت ہے جس کی جڑ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان میں ہے اور کوئی مومن ایسا نہیں کہ اس کی ایک شاخ اس کے مکان میں نہ پہنچی ہو۔ اور جس چیز کو اس مومن کا دل چاہے گا وہی چیز وہ درخت دے گا اور اس درخت کی بڑائی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اگر ایک سوار سو برس اس کے سائے میں چلا جائے تو اس کے سائے سے باہر نہیں ہوسکتا۔ اگر ایک کوا اس کی جڑ سے چوٹی کی طرف اڑے تو بوڑھا ہو کر گر پڑے گا مگر چوٹی تک نہ پہنچے گا یا درکھو تمہیں ایسی چیز کی رغبت ہونی چاہیے''۔

''تفسیر مجمع البیان میں جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طوبیٰ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا وہ ایک درخت ہے کہ جڑ اس کی میرے گھر میں ہے شاخیں اس کی اہل جنت پر سایہ فگن ہیں۔ پھر ایک مرتبہ دریافت کیا گیا تو فرمایا اس کی جڑ علیؑ کے گھر میں ہے۔ اس پر کسی نے کلام کیا کہ پہلے تو آپ اور طرح فرما چکے ہیں۔ فرمایا کہ یہ تمہاری سمجھ کی غلطی ہے جنت میں میرا اور علیؑ کا گھر ایک ہی ہے''۔

وہ درخت طوبیٰ جو جنت میں ہے جس کی جڑ رسول کریم اور علیؑ کے گھر میں ہے جس کا ایک ایک پتہ جنت کے ہر گھر پر سایہ فگن ہے جس کی شاخیں ہر مومن کے گھر میں ہیں ۔ ہمارے ناظرین کو قرآن وحدیث میں صاف نظر آ جائے گا جن کے پاس سمجھنے والے دل اور دیکھنے والی آنکھیں ہیں وہ تو سمجھ لیں گے اور دیکھ لیں گے اور اپنی آنکھوں سے اس کی زیارت کرلیں گے دیکھیں جناب باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاء (24) تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ......ابراہیم ۲۵

(کیا تم نے نہیں دیکھا کس طرح اللہ نے مثل بیان کی پاک و پاکیزہ کلمہ کی وہ پاک و پاکیزہ شجر کی مانند ہے جڑ اس کی ثابت (قائم) ہے اور شاخیں اس کی سماء (بلندیوں) میں ہے۔ ہر زمانے میں اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل دیتا رہتا ہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

قرآن میں لفظ شجرہ آیا ہے جس کا اطلاق خاندان پر بھی ہوتا ہے۔

حضرت عیسیٰ کے لئے جناب رب العزت فرماتا ہے كَلِمَتُهُ اللّٰهِ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ (

عیسیٰ اللہ کا کلمہ ہے جس کو اس نے مریم پر القا کیا) اور متعدد احادیث میں آئمہ معصومین علیہم السلام نے ارشاد فرمایا ہے ''نَحنُ کَلِمَاتُ اللّٰہ (ہم اللہ کے کلمے ہیں) اب علماء کے تراجم ملاحظہ فرمائیں۔

الم تریٰ کیف ضرب ....لعلھم یتذکرون

(مولوی فرمان علی صاحب) اے رسولؐ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے اچھی بات (مثلاً کلمہ توحید) کی کیسی اچھی مثل بیان کی ہے کہ اچھی بات ایک پاکیزہ درخت ہے کہ اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی ٹہنیاں آسمان میں (لگی) ہوں اپنے پرودگار کے حکم سے ہر وقت پھلا (پھولا) رہتا ہے اور خدا لوگوں کے واسطے (اس لئے) مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ لوگ نصیحت اور عبرت حاصل کریں۔

ناظرین اس ترجمے پر تنقیدی نظر ڈالیں اور امور ذیل ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے خدا مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں کے لئے تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں اور قرآن ہدایت ہے انسانوں کے واسطے قیامت تک کے لئے لہٰذا ظاہر ہے کہ اس کا مخاطب ہر انسان ہے تا کہ وہ نصیحت حاصل کرے مگر مولوی صاحب اس کا مخاطب رسولؐ کو قرار دیتے ہیں کہ اس آیت سے مراد ہے کہ رسولؐ نصیحت حاصل کریں ہم سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔اسی لئے ترجمے میں اپنی طرف سے اے رسولؐ اضافہ کر دیا۔

(۲) کلمہ طیبہ پاک و پاکیزہ کلمے کے بجائے اچھی بات لکھتے ہیں اور یہ بھی بتلا دیا کہ وہ اچھی بات کیا ہے۔کلمہ توحید ہے اس طرح اہل بیتؑ کے راستے سے لوگوں کو باز رکھنا کیا یصدون عن سبیل اللّٰہ کا مصداق بن جانا نہیں اس ترجمے کو دیکھنے کے

WWW.KHROOJ.COM

بعد کیا کسی شیعہ کو یہ خیال آ سکتا ہے کہ تلاش کرے کہ یہ کلمہ طیبہ کیا ہے اور اس کا مصداق کون ہے۔

(۳) شجرہ کا ترجمہ کر دیا ''درخت'' اگر دل کے اندھے نہ ہوتے اور تفسیر اہل بیتؑ پر نظر گئی ہوتی تو ترجمہ میں شجرہ لکھ کر بریکٹ میں درخت لکھ سکتے تھے۔

(۴) سماء یعنی بلندیوں میں ہیں کے بجائے لکھتے ہیں ''آسمان میں لگی ہوئی ہیں'' بھلا لگی ہوئی کون سے لفظ کا ترجمہ ہے اور لگی ہوئی ہے اس کی عظمت ہی زائل ہوگئی۔

(۵) آیت میں تو یہ ہے کہ ''ہر زمانہ میں اپنا پھل دیتا رہتا ہے''۔مگر معلوم نہیں مولوی صاحب نے کیوں ترجمے میں لکھ دیا ''ہر وقت پھلا (پھولا) رہتا ہے''۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ مخلوق کو فیض پہنچاتا نہیں رہتا بس پھل پھول سے اپنے ہی کو آراستہ کر لیتا ہے۔

اب اس آیت کی تفسیر فرمودات اہل بیت علیہم السلام سے ملاحظہ فرمائیں۔حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ حیات القلوب میں نقل فرماتے ہیں دیکھیں (ضیا النفوس ترجمہ حیات القلوب جلد سوم صفحہ ۳۴۳-۳۴۴) عامہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت جبرئیل نے رسول اللہ سے آ کر کہا۔اے رسولؐ تم شجرہ طیبہ ہو۔علیؑ اس کی شاخ ہیں اور حسنؑ وحسینؑ اس درخت کا پھل ہیں''۔

''کلینی۔صفار اور ابن بابویہ قمی نے امام حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا میں اس درخت کی جڑ ہوں۔امیر المومنین اس کا تنا ہیں۔علیؑ کی اولاد سے وہ فرزند جو امامؑ ہیں اس درخت کی شاخیں ہیں، آئمہ طاہرین کے علوم اس کے پھل ہیں اور ہمارے دوست اور مومن اس کے پتے ہیں۔کیا

درخت بغیر تنے ، شاخوں اور پھل کے ہوتا ہے؟

راوی نے کہا نہیں آنحضرتؐ نے فرمایا بخدا جب کسی مومن کے گھر کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس شجرہ طیبہ میں ایک پتہ پیدا ہو جاتا ہے اور جب کسی مومن کا انتقال ہو جاتا ہے تو ایک پتہ اس درخت سے گر جاتا ہے''۔

اس حدیث سے ایک لاشعور احمق تو یہ تصور کرے گا کہ بچہ پیدا ہوتا ہے دنیا میں تو پتہ پیدا ہوتا ہے اس درخت طوبیٰ میں جو جنت میں ہے اور جب کوئی مومن مرتا ہے تو جنت میں اس درخت سے ایک پتہ گر جاتا ہے۔ افسوس بے عقلی کا کوئی علاج نہیں ۔اکثر احادیث میں ہے''شیعتنا اوراقھا'' ہمارے شیعہ اس درخت کے پتے ہیں اور یہ بھی حدیث متواترہ ہے کہ حضور سرور کائنات نے فرمایا''یا علی انت و شیعتك الجنة '' اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ جنت ہیں) مگر علماء متکلمین اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ یا علیؑ تم اور تمہارے شیعہ جنت میں ہوں گے۔ یا جنتی ہیں یا اہل جنت ہیں ۔احادیث رسولؐ کریم سے یہ بھی ثابت ہے کہ جنت کے ہر گھر پر اس درخت کا ایک پتہ سایہ کئے ہوگا اور یہ بھی ارشاد ہے''ہمارا وصال جنت ہے'' ان اقوال کا مفہوم قیاس پر عمل کرنے والے کیسے سمجھ سکتے ہیں اصل مفہوم تو یہ ہے کہ نور محمدؐ وآل محمدؐ اور ان کے شیعان کامل صاحبان معرفت کے انوار ہی تو جنت ہیں جو محمدؐ وآل محمدؐ کے شیعوں کے درخت طوبیٰ کے پتے ہیں جو سائے میں پہنچ جائیں وہ اہل جنت ہیں۔ لفظ پرستوں اور ظواہر پرستوں نے تعلیم اہل بیتؑ کو الٹ دیا ہے کہ وہ تمثیلوں کو حقائق جانتے ہیں اور حقائق کو متشابہات اور تمثیلیں سمجھتے ہیں، حالانکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''جس نے قیاس پر عمل کیا وہ خود بھی

ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا اور جس نے ایسی حالت میں فتویٰ دیا کہ نہ ناسخ کو منسوخ سے تمیز کرتا ہے نہ محکم کو متشابہ سے تو وہ خود بھی ہلاک ہوا اور دوسروں کو بھی ہلاک کیا''۔ (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد ا صفحہ ۴۱ سطر ۲۴)

افسوس کہ علماء متکلمین کے عقائد مذہبی اور ان کے تمام علم دین کی بنیادیں ہی آیات متشابہات اور متشابہ احادیث پر قائم ہیں اور نہ ان کو یہ تمیز ہے کہ یہ حدیث مبنی بر تقیہ ہے یا مبنی بر حقیقت۔ ہر حدیث مبنی بر حقیقت کی تاویل کر کے رد کر دیتے ہیں اور متشابہ احادیث اور احادیث مبنی بر تقیہ پر عقائد کی بنیاد قائم کرتے ہیں۔

اب ناظرین کو ایک حدیث اور بھی دکھلاتا ہوں (ضیاء النفوس صفحہ ۱۴۲ سطر ۴) ''ابو امامہ باہلی سے روایت کی گئی ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ خدائے عزوجل نے نبیوں کو مختلف درختوں سے پیدا کیا اور میں اور علیؑ ایک درخت سے پیدا ہوئے ہیں ۔ میں اس درخت کی جڑ ہوں علیؑ اس کی فرع ہیں حسنؑ و حسینؑ اس کا پھل اور ہمارے شیعہ اس کے پتے ہیں''۔

اب تو ہر وہ شخص جس کے پاس سمجھنے والا دل اور دیکھنے والی آنکھیں ہوں گی وہ دیکھ لے گا اور سمجھ لے گا کہ وہ شجرہ نوری جو شجرہ طیبہ ہے وہی تو درخت طوبیٰ ہے جس کی شاخیں تمام کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اب تو ماڈرن فزکس نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ غیر مرئی نوری شعاعیں جو کسی مرکز نور سے آ رہی ہیں جس کا فاصلہ نا معلوم ہے تمام کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں اور مادہ کے ایٹم خلق کرتی رہتی ہیں۔ کوئی مقام ایسا نہیں جہاں وہ موجود نہ ہوں۔ یہی تو نور محمدی کی شعاعیں ہیں اور یہی وہ شجر طوبیٰ ہے کہ مادی گھوڑے کا کیا ذکر اگر برقی گھوڑا بھی اس کے سائے میں ہزاروں لاکھوں

سال دوڑتا رہے تو اس کے سائے سے نہیں نکل سکتا۔اور مادی کوے کا کیا ذکر اگر برقی کوا بھی اڑے تو کبھی اس کی بلندی کو پا نہیں سکتا۔ یہی وہ شجر نوری ہے جو اہل بیتؑ کی حب حقیقی کے طالب مومنین صالحین کو ہر زمانے میں اپنا پھل دیتا رہتا ہے یعنی علم حقیقت بذریعہ شعاع نوری القا کرتا رہتا ہے۔

غرض کہ نور محمدؐ وآلؑ محمدؐ اور ان کے شیعان کامل کے انوار ہی شجر طوبیٰ ہیں جن کے سائے میں جنت ہے جو باعث ایجاد خلق علت بقائے کائنات ہیں۔مبارک ہیں وہ لوگ جو قلب کی باطنی آنکھوں سے شجرہ مبارکہ طوبیٰ کی زیارت سے مشرف ہو جائیں۔

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

www.khrooj.com

۷ شب قدر میں بیت المعمور پر نزول قرآن

بسم اللہ الرحم الرحمٰن ۔اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے

حم(1)وَالْكِتَابِ الْمُبِيْنِ (2)إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِيْنَ (3)فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيْمٍ (4)أَمْراً مِّنْ عِندِنَا إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ

......الدخان

حٰم ۔بیان کرنے والی کتاب کی قسم بے شک ہم نے نازل کیا اس کو مبارک رات میں بے شک ہم ڈرانے والے تھے ۔اس میں جدا جدا کیا جاتا ہے ہر حکمت والا امر ہمارے پاس سے ہم ہی تو بھیجنے والے تھے۔

ترجمہ مولوی فرمان علی صاحب بھی دیکھ لیں ''حٰم ۔واضح اور روشن کتاب (قرآن) کی قسم ہے ہم نے اس کو مبارک۲ رات (شب قدر) میں نازل کیا ۔ہم (عذاب سے) ڈرانے والے تھے ۔اسی رات کو تمام دنیا کے حکمت و مصلحت کے (سال بھر کے) کام فیصل کئے جاتے ہیں یعنی ہمارے ہاں سے حکم ہو کر ۔بے شک ہم ہی پیغمبروں کے بھیجنے والے ہیں''۔

ملاحظہ فرمالیں کہ یہ ترجمہ ہے یا مولوی صاحبان کے قیاسی عقائد کی تفسیر نکات ذیل کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔

(ا) اکثر افرادِ شیعہ واقف ہیں کہ ''کتاب مبین'' اور'' امام مبین'' سے قرآن صامت مراد نہیں بلکہ مجالس میں سنتے رہتے ہیں کہ اس سے قرآن ناطق مراد ہے

۔خود علماء بھی یہی بیان کرتے رہتے ہیں ۔امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے ''میں قرآن ناطق ہوں''۔

(۲) مبارک رات کے آگے بریکٹ میں شب قدر لکھ دیا۔آئمہ علیہم السلام نے اس آیت کی تفسیر میں واضح فرما دیا ہے کہ مبارک رات سے شب قدر مراد نہیں بلکہ اصل مراد اور ہے۔

(۳)فیھا یفرق کل امرٍ حکیم ۔اس میں ہر حکمت والا امر جدا جدا کیا جاتا ہے) اس کا ترجمہ فرماتے ہیں ''اسی رات کو تمام دنیا کے مصلحت وحکمت کے (سال بھر کے) کام فیصل کئے جاتے ہیں''۔

ملاحظہ فرمالیں کہ یہ قرآن کا ترجمہ ہے یا ان کے عقائد قیاسی کی تشریح۔

(۴)امرا من عندنا انا کنا مرسلین ۔(امر ہمارے قرب سے ہم ہی بھیجنے والے تھے) اس کا ترجمہ دیکھیں۔''یعنی ہمارے ہاں سے حکم ہو کر بے شک ہم ہی پیغمبروں کے بھیجنے والے تھے''۔

ناظرین خود ہی فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ ترجمہ کیسا ہے اور اگر تنقیدی نظر سے دیکھا جائے تو مولوی فرمان علی صاحب کے ترجمے میں بے شمار ایسے مقامات نظر آجائیں گے جہاں ترجمہ تفسیر اہل بیتؑ کے خلاف ہے۔

اب حواشی ملاحظہ ہوں ۔مبارک رات پر حاشیہ نمبر۲ ''اس کے معنی احادیث میں منقول ہیں ایک تو یہ کہ سارا قرآن لوح سے بیت المعمور کے فرشتوں کے حوالے شب قدر میں ہوگیا اور یہ وقتاً فوقتاً حسب ضرورت حضرتؐ پر نازل ہوتا رہا۔دوسری یہ کہ پہلی مرتبہ جو وحی کے ذریعے قرآن نازل ہوا تو شب قدر تھی ۔اس میں بھی

www.khrooj.com

اختلاف ہے کہ شب قدر کونسی شب ہے مگر قوی اور مشہور قول یہی ہے کہ وہ ماہ مبارک رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔ واللہ اعلم“

اصول کافی میں بھی إِنَّـا أَنزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ کی تفسیر ایک پورے باب میں ہے اور الشافی ترجمہ اصول کافی جلد اول میں صفحہ ۳۹۸ سے صفحہ ۴۱۶ تک پورے انیس صفحات پر ہے مگر اس میں جو احادیث جمع کی گئی ہیں تمام کی تمام متشابہ اور مبنی بر تقیہ ہیں۔ ان میں کوئی ایک حدیث بھی محکم اور مبنی بر حقیقت نہیں ہے۔

علماء کے اس نظریے کے مطابق جو متشابہ احادیث کے قیاسی مفاہیم پر قائم کیا گیا ہے شب قدر میں تمام قرآن لوح محفوظ سے چوتھے آسمان پر بیت المعمور میں نازل کر دیا گیا۔ بیت المعمور کعبہ کی سیدھ میں بہت بڑے موتی کی عمارت چوتھے آسمان پر ہے۔ پھر بیت المعمور سے تھوڑا تھوڑا قرآن حضرت رسولؐ خدا پر وقتاً فوقتاً بیس سال تک نازل ہوتا رہا مگر جب نزول وحی کی احادیث پر پہنچتے ہیں تو وہاں تو یہی نظر آتا ہے کہ وحی لوح محفوظ سے اسرافیل کے ذریعے جبرائیل امین کو ملتی ہے کسی حدیث میں اس کا ذکر نہیں کہ جبرئیل امین بیت المعمور سے وحی لاتے ہیں۔ ایسے اختلافات سے علماء کا ایمان متزلزل ہو جاتا ہے۔

اب میں استدعا کرتا ہوں کہ ذرا عقل سے کام لے کر سوچیں کہ اس زمانہ علم و سائنس میں جبکہ فضا میں راکٹ گھومتے پھرتے ہیں علماء کا چوتھا آسمان مع بیت المعمور احمقوں کا خواب ثابت ہو چکا اور غائب ہو چکا اور ہر نادان جاہل پر آشکار ہو گیا کہ یہ تمام زمانہ جہالت کے احمقانہ عقائد تھے جو اب قطعاً باطل ثابت ہو چکے ہیں۔ علمائے متکلمین کے نظریے کو کیسے درست تصور کیا جا سکتا ہے۔

WWW.KHROOJ.COM

اچھا اب فرمودات اہل بیت علیہم السلام کی طرف توجہ کیجئے اور حقیقت سنیئے۔ دیکھیں الشافی ترجمہ اصول کافی جلد ا ص ۶۵۳ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ایک طویل حدیث منقول ہے جو اس صفحہ پر سطر ۲۳ سے شروع ہوتی ہے کہ ایک نصرانی نے آنحضرت سے حٰم والکتاب المبین کی تفسیر دریافت کی تو اس کے جواب میں حضرت نے فرمایا ''حٰم سے مراد محمدؐ ہیں جیسا کہ کتاب ہود میں ہے جو ان پر نازل ہوئی اس سے دو حرف کم کردیئے گئے ہیں اور کتاب مبین سے مراد امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں اور لیکن رات پس وہ سیدہ علیہا السلام ہیں اور اس کا قول کہ اس میں جدا جدا کیا جائے گا۔ ہر امر حکیم، تو مراد ہے اس سے (بطن سیدہؑ سے) ظاہر ہوگی خیر کثیر مرد حکیم اور مرد حکیم اور مرد حکیم''۔ یہ اور اس قبیل کی مبنی بر حقیقت حدیثوں کو علماء خدا جانے کیوں نظر انداز کر جاتے ہیں یا ان کی غلط تاویل کر دیتے ہیں۔ خیر سائل نے کہا ''صف لی الاول والآخر من ھوء لاء الرجال (یا حضرت ان مردوں میں سے مجھے اول و آخر کے اوصاف بتلایئے)'' فرمایا ''بلحاظ صفات سب ایک دوسرے کی مثل ہیں اس گروہ کے تیسرے کا وصف بیان کرتا ہوں جس کی نسل میں سے جو کچھ ظاہر ہوگا اور وہ تمہاری کتاب میں ہے جو تم پر نازل ہوئی (تا آخر حدیث)''۔

اب إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِیْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمائیں۔ پہلے کلمہ امر، ہی کو لے لیں۔ علماء ہر مقام پر اس کا ترجمہ حکم کر دیتے ہیں۔ حالانکہ متعدد احادیث موجود ہیں جن میں ''امر'' کے مفہوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے مثلاً ارشاد ہے ''نحن امر اللّٰہ'' (امر اللہ ہم ہیں) غرضکہ امر سے کہیں مراد ہے امام یا امام کا نور اور کہیں نوری

مخلوق جیسا کہ ارشاد ہے" قُلِ الرُّوح مِنْ اَمْرِ رَبِّی (کہہ دو کہ روح ہمارے رب کے امر سے ہے) یعنی نوری مخلوق ہے۔ یہ درست ہے کہ امر کے معنی حکم، معاملات اور نظام بھی ہیں مگر جہاں فضیلت کا ذکر ہے وہاں امر سے امام یا امام کا نور ہی مراد ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ کے متعلق احادیث کثیرہ وارد ہوئی ہیں کہ شب قدر میں پورا قرآن چوتھے آسمان پر بیت المعمور میں نازل ہوگیا۔ اس کی حقیقت جب سامنے آئے گی تو ناظرین دیکھ لیں گے کہ منافقین و معاندین اور نادان کم فہموں کے لئے اس طریقہ بیان کے علاوہ اور کسی صورت میں بیان کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ صاحبان فہم کے لئے آئمہ طاہرین علیہم السلام نے جدا جدا کلمات کی حقیقت کنایتاً بیان فرما دی ہے۔ اب جس شخص کا تعلق جس گروہ سے ہوگا وہ اسی کو حقیقت سمجھتا رہے گا جو اس جیسی عقل رکھنے والے لوگوں سے کہا گیا تھا۔ ناظرین دیکھ لیں گے کہ یہ احادیث بالکل ایسی ہی ہیں جیسے کہ بی بی شادی اور توے چڑھی کی تفصیل بچوں سے بیان کی جاتی ہے۔

اب ایک ایک کلمہ دیکھتے جائیں" انزلنٰہ " نازل کیا ہم نے۔ اس کے حوالہ جات کی ضرورت نہیں۔ مجالس میں سنتے ہی رہتے ہیں کتاب مبین، امام مبین قرآن ناطق سے کیا مراد ہے اس سے مراد امام ہے۔ دوسری مراد اس سے قرآن ہے جس میں تمام علم کائنات تمام علم ما کان و ما یکون موجود ہے۔ وہ نور جو تمام علم ہے

" لَیْلَةِ الْقَدْرِ " شب قدر رمضان میں بھی ہے اور ۱۵ شعبان بھی شب قدر ہے اس کو ہر شخص جانتا ہے۔

چوتھا آسمان۔ اس میں کئی مدارج سے گزرنا ہوگا۔ پہلا یہ ہے کہ آسمان سے کیا مراد

WWW.KHROOJ.COM

ہے (تو دیکھیں ضیاء النفوس ترجمہ حیات القلوب جلد سوم صفحہ ۳۸۸) اس صفحہ پر حضرت صادق علیہ السلام کی حدیث منقول ہے سطر ۱۲ پر ہے ''خدا کے آسمان ہم ہیں'' اب یہ امر تو واضح ہو جاتا ہے کہ سماء سے مراد سماء ہدایت یعنی ہادیان دین ہیں۔سمٰوات ہدایت کی تعداد کے متعلق دیکھیں (ضیاء النفوس صفحہ ۳۲۹ سطر ۸) لَقَدْ آتَیْنَاكَ سَبْعاً مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْآنَ الْعَظِیْمَ ۔ترجمہ۔ہم نے تم کو دہرائے ہوئے سات دیئے اور قرآن عظیم۔اس کی تفسیر میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ''وہ مثانی ہم ہیں کہ جن کو خدا نے زمین کو عطا کیا''۔

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے روایت کی ہے کہ سبعہ مثانی (دہرائے ہوئے سات) آئمہ ہیں (ضیا النفوس صفحہ ۳۲۹ سطر ۱۸) ایک حدیث اسی کتاب میں نقل ہو چکی ہے کہ سماء سے کنایہ محمدؐ ہیں۔

اب ناظرین غور کریں گے تو ان پر یہ امر واضح ہو جائے گا کہ اس حدیث سے اس طرف صاف اشارہ ملتا ہے کہ چوتھے آسمان سے چوتھے محمدؐ کی طرف اشارہ ہے یعنی حضرت حجت علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اب تو بالکل صاف واضح ہوگیا کہ ماہ شعبان کی شب قدر میں پورا قرآن یعنی تمام علم کائنات چوتھے آسمان یعنی چوتھے م ح م د پر نازل ہوگیا۔اصول کافی میں یہ حدیث موجود ہے کہ امام کو وقت ولادت ہی تمام علم اولین و آخرین عطا کر دیا جاتا ہے یعنی پورا قرآن اس پر الہام کر دیا جاتا ہے۔اب صرف بیت المعمور کا مسئلہ باقی رہ جاتا ہے۔

ضیاء النفوس ص ۱۳۸ پر سطر آخر سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی ایک طویل

حدیث منقول ہے جو مشتمل بہ فضائل آلؑ رسولؐ ہے اسی میں ص ۱۳۹ سطر ۱۴ پر ہے ’’یہی وہ خدا کا آباد گھر ہیں‘‘ یعنی بیت المعمور ہیں۔ یہی مضمون کئی جگہ ہے۔ صفحہ ۱۹۸ سطر پندرہ سے ایک حدیث شروع ہوتی ہے اس میں سطر ۲۲ پر ہے۔ حضرت نے فرمایا ’’جانتے ہو کہاں بیٹھے ہو اس آباد گھر (بیت المعمور) کے سامنے بیٹھے ہو جس کے متعلق خدا فرماتا ہے فی بیوتِ اذن اللّٰہ ان تُرفع (ان گھروں میں جن کے لئے خدا نے حکم دیا ہے کہ ان کو بلند کیا جائے)‘‘۔

اب تو بالکل واضح ہوگیا کہ شب قدر میں (۱۵ شعبان) چوتھے آسمان (م ح م د) پر جو بیت المعمور ہے پورا قرآن یعنی تمام علم کائنات نازل ہوگیا اور بھی سن لیں۔ حضرت عیسیٰ بھی تو چوتھے آسمان پر ان کے ساتھ ہیں اور ان کے ساتھ ہی تشریف لائیں گے۔

صَلّیِ اللّٰہ عَلٰی بقیۃاللّٰہ

www.khrooj.com

۸ اطمینانِ قلب واضطرار

الَّذِينَ آمَنُواْ وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللّهِ أَلاَ بِذِكْرِ اللّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ......الرعد ۲۸

ترجمہ۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اوران کے قلوب اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوجاتے ہیں۔آ گاہ ہوجاؤ کہ اللہ کے ذکر سے ہی قلوب مطمئن ہوجاتے ہیں۔

جس شخص کوایمان بالقلب میں سے تھوڑا بہت جزء ہی مل جاتا ہےتو وہ متوکل بن جاتا ہے۔اس کو پریشانی واضطرار لاحق نہیں ہوتا۔اطمینان اضطرار کی ضد ہے۔اگر اضطرار ہوگا تو اطمینان نہ ہوگا۔یہ تو ایک ادنیٰ کیفیت ہے جو اہل بیتؑ طاہرین کی حب حقیقی کے طالب کو ذکراللہ سے چندسال میں حاصل ہوجاتی ہے۔اسی نعمت کے حصول کے لئے امام زین العابدین علیہ السلام نے ایک دعائے سحر مختصر تعلیم فرمائی ہے۔

جس کو رمضان شریف میں سحری کے وقت سب پڑھتے ہیں جس کے بعض فقروں کا ترجمہ یہ ہے’’الٰہی میں تجھ سے ایسے ایمان کا سوال کرتا ہوں جس میں میرے قلب کو شمولیت ہو(یعنی اپنے وجود کا یقین قلبی عطا فرمادے)اورایسا سچایقین عطا فرما کہ میں جان لوں کہ مجھے تو کچھ پہنچ ہی نہیں سکتا مگر وہ جوتو نے میرے لئے مقرر کردیا ہے اوراسی زندگی سے مجھے خوشنود کردے جوتو نے میرے حصے میں قراردی ہے‘‘

اب مذکورہ بالا آیت وہ ترجمہ بھی دیکھ لیں جو علماء کا مصدقہ ہے مولوی فرمان علی

www.khrooj.com

صاحب اس آیت کے ترجمہ میں رقمطراز ہیں''۔

''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایمان قبول کیا اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے تسلی ہوا کرتی ہے۔ یاد رکھو خدا کی ہی یاد سے دلوں کو تسلی ہوا کرتی ہے''۔

ناظرین کیا اس ترجمے سے کوئی ایک فرد بھی آیت کے اصل مفہوم کی طرف متوجہ ہوسکتا ہے پہلے ہی لفظ ''یہ'' بڑھا دیا تاکہ اصل مفہوم کی طرف پڑھنے والے کی توجہ ہی نہ ہوسکے۔ اَلَّـذِیـنَ کے معنی مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے''وہ لوگ جو'' اس کا ترجمہ لکھ دیا''یہ وہ لوگ ہیں'' پھر آگے''جنہوں نے ایمان قبول کیا'' اس ترجمے سے ہر قاری کا ذہن اس طرف جائے گا کہ آیت کچھ لوگوں کا ذکر کرتی ہے کسی کیفیت نفس کا بیان نہیں کرتی۔ آیت تو کہہ رہی ہے ایمان لانے والوں کے دل مطمئن ہوجاتے ہیں۔ ان کو خدا اور رسولؐ وآلؑ رسولؐ کی یاد سے اطمینان قلب حاصل ہوجاتا ہے کہ پھر ان کو کسی امر میں پریشانی نہیں ہوتی۔ کہاں یہ فقرہ کہ''ان کے قلوب مطمئن ہوجاتے ہیں''۔ یا دلوں کو اطمینان حاصل ہوجاتا ہے'' اور کہاں یہ ترجمہ''دلوں کو تسلی ہوا کرتی ہے''۔ تسلی اور دلاسہ خفیف سکون کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ اطمینان کا ترجمہ تسلی اور دلاسہ وغیرہ سے نہیں ہوسکتا۔ پھر''ہوا کرتی ہے'' لکھ کر مطلب ہی خبط کر دیا۔ اگر تسلی بھی لکھا تھا تو لکھتے تسلی ہوجاتی ہے یا ہوجایا کرتی ہے۔ تب بھی اصل مطلب سے کچھ قریب ہوجاتا۔

علمائے متکلمین کا عقیدہ ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام کو بھی اضطرار و پریشانی لاحق ہوا کرتی تھی۔ چنانچہ کتاب وظائف الابرار کامل مطبوعہ نظامی پریس لکھنو جس پر چھ مجتہدین کی مہر تصدیق ثبت ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اس کے صفحہ ۲۷ پر دعاء حضرت علیؑ

منقول ہے۔ دعا سے قبل مسطور ہے'' منقول ہے کہ جب حضرت علی علیہ السلام کو کوئی نہایت پریشانی اور اضطرار آ گیں مہم درپیش ہوتی تھی تو آپ دو رکعت نماز ادا کر کے سو مرتبہ استغفر اللہ پڑھنے کے بعد دعا پڑھتے تھے۔ اس کے بعد اپنے کام کو شروع کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ کو کسی کام میں نقصان اور پریشانی نہیں ہوتی تھی''۔

''الَّذِينَ اٰمَنُوا'' کے مصداق ہوتے تو پریشان نہ ہوا کرتے، اطمینان قلب حاصل ہوگیا ہوتا۔ اگر اس آیت کا مصداق ہوتے ''وعلی اللّٰہ فالیتو کل المومنون'' (اور مومن تو بس اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں) تب تو پریشانی کی کوئی بات ہی نہ ہوتی۔ اور اگر ذکر اللہ کثرت سے کرتے تو اطمینان قلب حاصل ہوگیا ہوتا تو پھر کوئی پریشانی واضطرار لاحق نہ ہوتا۔ ناظرین ملاحظہ فرمالیں کہ علماء متکلمین کی نظر میں امیر المومنین علیہ السلام کی یہ منزلت ہے کہ ان کو اپنا جیسا ہی سمجھتے ہیں۔

اس وقت کتاب مذکور کو جو صفحہ سامنے ہے اس پر ایک دعا مع ترجمہ درج ہے جو علماء کا مصدقہ ہے۔ دعا اور اس کا ترجمہ پہلے لکھتا ہوں پھر علماء کا مصدقہ ترجمہ پیش کروں گا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ترجمہ۔ اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے

اللّٰھم اجعلنی مع محمّدٍ و آلِ محمّدٍ فی کلِّ عافیةٍ وَّبلاءٍ

یا اللہ قرار دے مجھے ساتھ محمدؐ و آل محمدؐ کے ہر خیریت و مصیبت میں۔

واجعلنی مع مُحمّدٍؐ وَ آلِ مُحمَّدٍ فی مثویً وّ منقلبٍ۔

اور قرار دے مجھے ساتھ محمدؐ و آل محمدؐ کے ہر سکون و اضطراب میں

اللّٰھم اجعل محیای محیاھم و مماتی مماتھم

WWW.KHROOJ.COM

یا اللہ قرار دے میری زندگی ان کی زندگی اور میری موت ان کی موت

واجلعنی معھم فی مواطنَ کلھا

اور قرار دے مجھے ان کے ساتھ تمام مواقع میں۔

ولا تفرق بینی وبینھم انك علیٰ کل شئیً قدیر

اور جدائی نہ ڈالنا میرے اور ان کے درمیان۔ بے شک تو ہر شے پر قادر ہے۔

اب حضرات علماء کا مصدقہ ترجمہ ملاحظہ ہو" اے اللہ مجھے خیریت و مصیبت میں محمدؐ و آلِؑ محمدؐ کے ساتھ قرار دے اور مجھ کو ان کے ہر سکون و اضطراب میں ان کا شریک قرار دے۔ خدایا میری اخروی زندگی کے ساتھ ہو اور میری موت ان کی موت کے صدقے میں ہو۔ خدایا دیکھ مجھ کو ہر منزل اور موقع پر ان کے ساتھ رکھنا اور ہم میں اور ان حضرات میں جدائی نہ ڈالنا، بے شک تو ہر شے پر قادر ہے"

ناظرین ملاحظہ فرمالیں۔ علماء یوں دعا کرنی بتلاتے ہیں" خدایا صرف میری اخروی زندگی میں محمدؐ و آلِؑ محمدؐ کے ساتھ ہو" (تو کیا دنیاوی زندگی آل رسولؐ کے ساتھ نہ ہو) اور" میری موت ان کی موت کے بجائے" اور میری موت ان کی موت کے صدقے میں ہو" اس طرح تراجم کو مہمل بنا دیا جاتا ہے۔

اب ملاحظہ ہوں" سوانح عمریاں چہاردہ معصومینؑ، دینی کہانیاں حصہ ۲ مرتبہ حضرت ادیب اعظم، شمس الواعظین مولانا سید ظفر حسن صاحب" اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ صرف حضرت مصنف صاحب کا اپنا تخیل ہی نہیں ہے بلکہ تمام علماء متکلمین کے عقائد کی ترجمانی کی گئی ہے۔

(کہانی حضرت علیؑ ص ۱۷) جنگ خیبر کے ذکر میں رقمطراز ہیں" اسلامی فوجیں

میدان میں جاتیں اور بے نیل ومرام واپس آجاتیں۔ ہمارے رسولؐ سخت پریشان تھے''۔

ظاہر ہے پریشانی تو صرف اس وقت ہوا کرتی تھی جب خدا پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ دیکھا آپ نے کیا منزلت ہے رسولؐ کی متکلمین کے نزدیک۔

(کہانی حضرت علیؑ صفحہ ۲۲) ''حضرت ابوبکر کی خلافت کا زمانہ جو دوڈھائی سال کا تھا۔حضرت علیؑ نے اس طرح گزارا کہ حکومت کے معاملات سے کوئی تعلق نہ رکھا ،کرنے والے جو چاہتے کرتے آپ ان کی کسی بات میں دخل نہ دیتے ۔یہ زمانہ بڑی پریشانی کا زمانہ تھا۔

حضرت ابوبکر کے بعد ۱۳ھ میں حضرت عمر خلیفہ ہوئے اور پورے دس سال تک یہ زمانہ بھی حضرت علیؑ نے بڑی پریشانیوں میں گزارا''

جب اللہ کا ذکر نہیں کیا جاتا تو پریشانیاں ہوا ہی کرتی ہیں تو کیا حضرت علیؑ اللہ کے ذکر سے غافل ہو چکے تھے؟

(کہانی امام حسنؑ صفحہ ۱۴ سطر ۱۴) ''ابن عامر تو اس بات کا منتظر تھا ہی جھٹ شہر کا محاصرہ کرلیا۔حضرت کے لئے یہ سخت پریشانی کا وقت تھا''

بتایئے کیا حضرت امام حسن علیہ السلام ذکراللہ سے غافل تھے؟

(کہانی امام حسینؑ صفحہ ۲۲ سطر ۱۳) ''ولید نے منظور کرلیا۔امام حسین علیہ السلام وہاں سے گھر تشریف لائے پریشانی کے آثار چہرے سے ظاہر تھے''۔

کیا امام کے پاس نفس مطمئنہ نہیں تھا جو پریشانی واضطرار لاحق ہوئے؟

(امام مہدیؑ کی کہانی ،صفحہ ۱۷ سطر ۱۰) ''شیخ صدوق علیہ الرحمۃ یعقوب بن معقوس

سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک دن امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔اور وہ اپنے گھر میں فرش پر بیٹھے ہوئے تھے ان کے دائیں جانب ایک مکان تھا جس پر پردہ لٹکا ہوا تھا۔ میں نے عرض کی آپ کے بعد امام کون ہے؟ فرمایا یہ پردہ اٹھا، میں نے پردہ اٹھایا تو ایک لڑکا جس کا قد کوئی پانچ بالشت ہوگا وہاں سے نکلا میرے خیال میں اس کی عمر کوئی آٹھ یا دس سال ہوگی یا اس سے کم وبیش، سفید چہرہ، کھلی پیشانی، روشن آنکھیں، بھری ہتھیلیاں، مڑے ہوئے گھٹنے، دائیں رخسار پر تل، سر پر زلفیں ۔وہ آ کر امام علیہ السلام کی ران پر بیٹھ گیا۔حضرت نے فرمایا ،صاحب الامرؑ یہی ہیں۔حضرت نے فرما تو دیا لیکن پھر کچھ گھبرا گئے اور فرمایا اے بیٹا وقت نامعلوم تک کے لئے اندر جاؤ۔ وہ گھر میں چلے گئے میں دیکھتا رہا مجھ سے فرمایا اے یعقوب دیکھ اندر کون ہے؟ میں اندر گیا تو دیکھا وہاں کوئی بھی نہ تھا''

آپ خود غور کریں امام کی یہ منزلت ہے کہ معاذ اللہ غلطی کر بیٹھے کہ حضرت حجتؑ کو یعقوب کو دکھلا دیا۔ پھر جب خیال آیا کہ یہ غلطی ہوئی تو گھبرا سے گئے اور فوراً اندر جانے کا حکم دیا۔ یہ تو خیر کی ایک روایت تھی جو مولوی صاحب نے نقل کر دی ہے متکلمین تو حضرات معصومین صلواۃ اللہ علیہم اجمعین کو جن کو معیت اللہ حاصل ہے جو بالا علان فرماتے ہیں کہ جو خدا کر سکتا ہے وہ باذن اللہ ہم کر سکتے ہیں ان کو اپنے جیسا مجبور ومعذور ولاچار جانتے ہیں۔

علماء کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت خلق کے لئے کتنے ہی انبیاء بھیجے۔سب سے آخر اپنے محبوب اور تمام اپنے محبوب ترین اولیاء کو بھیج دیا جو باعث خلقت ارض وسما تھے مگر ظالم بادشاہوں نے اللہ تعالیٰ کی تمام تدابیر وہدایات کو

بیکار کر دیا اور اس کے اولیاء ایسے مجبور و لاچار رہے کہ کچھ نہ کر سکے۔اب لاچاری اور مجبوری کے مناظر ملاحظہ فرمائیں۔

دینی کہانیاں حصہ ۲ حضرت علیؑ کی کہانی صفحہ ۳۰ پر جنگ صفین کے حالات میں اس موقع پر جب لشکر معاویہ نے نیزوں پر قرآن بلند کئے اور خوارج لڑائی بند کرنے پر مصر ہوئے اور کہنے لگے اگر لڑائی بند نہ ہوئی تو ہم آپ کا ساتھ چھوڑ دینگے۔سطر ۹ پر رقمطراز ہیں ''جب یہ نیا فتنہ اٹھتا دیکھا تو مجبوراً بند کرنا پڑی''

سوچئے کیا اسد اللہ الغالبؑ باب العلم نہیں تھے جو مغلوب و مجبور ہو کر رہ گئے۔(امام حسنؑ کی سوانح عمری صفحہ ۱۵) امیر معاویہ اور امام حسنؑ کی صلح کے ذکر میں سطر ۷ پر رقمطراز ہیں ''اس عہد نامہ کو معاویہ نے خود اپنے ہاتھوں سے لکھا اور اپنی مہر اور لوگوں کی گواہیاں کرا کے ابن عامر کے ہاتھ مدائن بھیج دیا کہ امام حسنؑ کے دستخط کرائے۔حضرت نے کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر مجبوراً دستخط کر دیئے، کیا کرتے''۔

''کیا کرتے، خدا سے نصرت تو طلب کرتے۔کیا قادر مطلق بھی ظالم بادشاہوں کے آگے مجبور و لاچار تھے۔سبحان اللہ کیا معرفت ہے امام کی اور خدا کی؟

(امام جعفر صادق کی کہانی) صفحہ ۴ سطر ۱۴ ''بنی امیہ سادات کے جیسے دشمن تھے کون نہیں جانتا۔غریب سادات کی اتنی طاقت کہاں تھی کہ ان مظالم کا جواب دیتے۔صبر کے ساتھ بیچارے اپنے گھروں میں بیٹھے خموشی سے زندگی بسر کر رہے تھے۔امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ کی ساری زندگی گھر میں بیٹھے بیٹھے گزر گئی۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا''۔

جن کے ساتھ خدا ہوتا ہے اس کی نصرت جن کے شامل حال ہوتی ہے وہ کبھی مجبور

www.khrooj.com

ولا چار نہیں ہوتے ۔ جناب باری تعالیٰ عز اسمہ تو فرماتا ہے الا اِنّ حزب اللّٰہ ھم الغالبون ۔ (آگاہ ہو کہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے) اور ارشاد ہے وانتم الاعلون ان کنتم مومنین ۔ (اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو گے) تو کیا آئمہ علیہ السلام اور جملہ سادات ظالموں سے مغلوب رہے؟ اب نہ معلوم یہ متکلمین خدا کے کلام کو (معاذ اللہ) جھوٹا سمجھتے ہیں یا آئمہ و سادات کو (معاذ اللہ) مومن اور حزب اللہ نہیں جانتے ۔ شیعہ حضرات غور کریں اور دیکھ لیں کہ علماء جن کو نائب امام سمجھا جاتا ہے کے نزدیک آئمہ معصومین علیہ السلام کی کیا وقعت ہے ۔

(امام علیؑ رضا کی کہانی) صفحہ ۷ پر مامون کی طلبی کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ جب اس نے کئی مرتبہ بلایا اور حضرت نے اعتنا نہ کی تو سطر ے پر ہے'' مامون نے تیسری بار چند خاص آدمیوں کو حضرت کی خدمت میں بھیجا کہ جس طرح بنے آپ کو لے آئیں انہوں نے مدینہ میں آکر حضرت پر بہت زور دیا ۔ حضرت ایسی حالت میں کیا کرتے مجبوراً مدینہ چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے'' ۔

(پھر اسی کہانی کے صفحہ ۱۱ پر) مامون کے حضرت امام ضامن ثامن کو ولی عہدی پیش کرنے کے حالات درج فرمائے ہیں کہ حضرت انکار ہی کرتے رہے اس کے بعد سطر ۵ پر رقمطراز ہیں'' اب مامون کو غصہ آ گیا ۔ کہنے لگا اگر آپ اس عہدے کو منظور نہ کرینگے تو میں آپ کو قتل کرادوں گا ۔ بتایئے ایسی حالت میں امام غریب کیا کرتے مجبوراً منظور کر لیا'' ۔

اگر کسی معصوم کی کوئی ایسی حدیث نقل کرتے جس میں اپنی مجبوری یا خوف کا کسی معصوم نے خود اظہار کیا ہوتا تو لائق الزام نہ ہوتے اس لئے کہ امام تو ہدایت خلق کے لئے

تقیۃً ایسا اظہار کر سکتے ہیں مگر اس کو حقیقت سمجھنے والے گمراہ ہوتے ہیں۔

(امام مہدی کی کہانی صفحہ ۳۰ سطر ۸) ''صریح الفاظ میں یوں سمجھئے کہ اہل بیت علیہم السلام کے سلسلے میں خدا کی گیارہ حجتیں ظاہر ہوئیں۔ان میں سب سے پہلے حضرت علیؑ تھے ان کے ساتھ لوگوں نے کیا کیا۔ ہمیشہ ان سے مسلمان برسر عداوت ہی رہے اطمینان کا سانس لینے کی مہلت نہ دی اور آخر کار شہید کر دیا۔ پھر حسنؑ ابن علیؑ ظاہر ہوئے۔ان کی تبلیغ کی ہدایت کی نصیحت کس نے سنی اور کیا اس نعمت کا شکر ادا کیا آخر کار مجبور ہو کر گوشہ نشینی اختیار کی اور چند روز بعد زہر سے شہید کر دیئے گئے۔ پھر حسینؑ ابن علی علیہ السلام ظاہر ہوئے ان کے ساتھ ظاہر جو کچھ کیا گیا۔غرض کہ یوں ہی یکے بعد دیگرے گیارہ حجتیں ظاہر ہوئیں لیکن دشمنان دین نے ان میں سے کسی ایک کو بھی امن و امان کی زندگی بسر کرنے کا موقع نہ دیا۔ ہمیشہ قید و اذیت و مصیبت ہی میں رکھا اور جب موقع ملا زہر سے قتل کر دیا۔ پس اگر بارھویں امام ظاہر ہوتے تو بتاؤ لوگ ان کے ساتھ کیا کرتے وہی جوان کے آباواجداد کے ساتھ کیا۔اوروں کو تو کچھ مہلت بھی ملی تھی انہیں تو فوراً قتل کر دیا جاتا''۔

حضرت ادیب اعظم نے یہ صرف اپنا عقیدہ ہی نہیں ظاہر کیا بلکہ یہ تمام متکلمین علماء اور مدعیان نیابت امام کا عقیدہ ہے کہ آئمہ معصومین بیچارے مجبور ولاچار ظالموں سے مغلوب ڈر کے مارے ہمیشہ گوشہ نشین ہی رہے اور اللہ تعالیٰ کچھ نہ کر سکے۔ گویا ان کے عقیدے کے مطابق اِنَّ اللّٰہ عَلیٰ کُلِّ شیً قَدِیر۔(بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے) محض ایک دعویٰ ہے اگر وہ قادر ہوتے تو کیا اپنے اولیاء کو دشمنوں سے نہ بچاتے اور الا ان حزب اللّٰہ هم الغالبون۔(آگاہ ہو کہ اللہ کا گروہ ہی غالب

WWW.KHROOJ.COM

آنے والا ہے) کا ارشاد سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے کہ علماء متکلمین کے نزدیک تو یہ حقیقت ہے کہ اولیاء اللہ ہمیشہ مغلوب ہی رہے۔ بھلا خدا کا خلیفہ بھی کہیں مغلوب رہ سکتا ہے؟ سب کچھ ان کے اختیار میں تھا۔ وہ ہدایت خلق کے لئے خود ہی مظلومیت کی زندگی اختیار کرتے تھے جس ظالم کے لئے مصلحت جانتے اسی کو ملک و مال عطا کر دیتے۔ دیکھیں جناب رب العزت کا فرمان ہے۔قل اللهم مالك الملك توتی الملك من تشآء ۔(کہو یا اللہ ملک کے مالک تو جسے چاہتا ہے ملک عطا فرماتا ہے) اور سورہ ملک میں ہے تبارك الذی بیده الملك (بڑی برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں ملک ہے) اب غور کرلیں کہ اس کا ہاتھ کون ہے جو اس کا خلیفہ اور نائب زمین پر ہے وہی تو ید اللہ ہے۔ وہی ملک دیتا ہے اور وہی ملک چھین لیتا ہے۔

اب جہالت و تاریکی کا زمانہ نہیں رہا۔ شیعہ حضرات کو چاہیے کہ اہل بیتؑ کی تعلیم کی طرف رجوع کریں۔ وہ تو ہم کو اطمینان قلب جیسی نعمت عظمیٰ دینا چاہتے ہیں جو ایک ملک کی سلطنت مل جانے سے بھی نہیں مل سکتی جو شخص بھی اپنے امام زمانہ کو دل سے پکارے گا۔ اس کی طرف لو لگائے گا اور یہ نعمت طلب کرے گا تو چند سال ہی میں انعام پائے گا اور اس پر ایمان لا سکے گا۔الا بذکر اللّٰه تطمئن القلوب ۔(آگاہ ہو کہ ذکر اللہ سے قلوب کو اطمینان حاصل ہو جاتا ہے)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ

WWW.KHROOJ.COM

۹ خوف وحزن کے متعلق آیات واحادیث

أَلا إِنَّ أَوْلِيَاء اللّهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ (62)الَّذِينَ آمَنُواْ وَكَانُواْ يَتَّقُونَ (63)لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَياةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ لاَ تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ یونس۶۴

(ترجمہ) ''آگاہ ہو کہ اللہ کے اولیاء پر کوئی خوف نہیں ہوتا اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں، وہ جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کئے تھے ان کے لئے خوشخبری ہے زندگانی دنیا میں اور آخرت میں بھی اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے''۔

اب علماء کا مصدقہ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔ مولوی فرمان علی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ''آگاہ ہو اس میں شک نہیں کہ دوستان خدا پر (قیامت میں) نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ آزردہ خاطر ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور خدا سے ڈرتے تھے۔ ان ہی لوگوں کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی خوشخبری ہے۔ خدا کی باتوں میں اول بدل نہیں ہوا کرتی۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے''۔

حیرت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے اولیاء کو کبھی خوف وحزن نہیں ہوتا اور ایک مولوی صاحب یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ کے اولیاء کو صرف قیامت کے دن خوف و حزن نہ ہوگا۔ تو کیا اللہ تعالیٰ فی القیامۃ کہنا بھول گئے تھے۔ ہر صاحب فہم اس پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے بھول چوک ہو ہی نہیں سکتی قال ...... لا یضل ربی

ولا ینسی (موسیٰ نے کہا۔ میرا رب نہ بھٹکتا ہے نہ بھولتا ہے)۔
اللہ تعالیٰ کو تو اس کا علم تھا کہ بعض بندگان نفس تحریف معنوی سے مخلوق کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں گے۔لہٰذا پہلے ہی ان کا منہ بند کر دیا اور فرما دیا کہ یہ خوشخبری فقط آخرت کے لئے ہی نہیں بلکہ زندگانی دنیا کے لئے بھی ہے۔لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدّنیا ۔مگر مشکل یہ ہے کہ یہ بشارت تو ان ہی کو نظر آسکتی ہے جن کے پاس سمجھنے والا دل اور دیکھنے والی آنکھیں ہوں۔ ہمارے ناظرین کو تو ماشاء اللہ نظر آجائے گا کہ یہ خوشخبری حیات دنیا کے لئے بھی ہے۔
یہ درست ہے کہ حضرات آئمہ معصومین علیہ السلام نے اکثر مواقع پر تقیۃً مجبوری لاچاری اور خوف کا اظہار فرمایا ہے مگر اس کا مقصد اپنے نادان متوسلین کے قلوب کو درد دے کر ان کے نفوس کی اصلاح کرنا تھا تا کہ وہ راہ شعور پر گامزن ہوں پس لاشعور حضرات ان روایات کو مبنی بر حقیقت سمجھ لیں گے اور ان کو احادیث مبنی بر حقیقت نظر نہ آئیں گی جن میں قدرت واختیار کا اظہار فرمایا ہے۔مثلاً یہی حدیث دیکھ لیں ''جو کچھ خدا کر سکتا ہے وہ باذن اللہ ہم کر سکتے ہیں''
متکلمین نے چونکہ اپنے عقائد مذہبی کی بنیادیں متشابہ آیات و متشابہ احادیث اور احادیث مبنی بر تقیہ پر قائم کر رکھی ہیں۔لہٰذا ان کا عقیدہ ہے کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام ہماری طرح ہی ڈرپوک تھے اور ان پر دشمنوں کا خوف طاری رہتا تھا۔حضرت ادیب اعظم شمس الواعظین مولانا سید ظفر حسن صاحب نے اپنی کتاب دینی کہانیاں حصہ دو ۲ میں اس عقیدہ کی پوری ترجمانی کر دی ہے اسی کتاب سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں۔

(۱) کہانی رسالتمآب ؐ صفحہ ۲۲۔ غار ثور سے حضور کی مدینہ کی طرف روانگی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ''تین دن کے بعد وہاں سے نکلے۔ اونٹوں کا پہلے سے بندوبست کرلیا تھا وہ وقت پر آ گئے دونوں صاحب مدینہ کی طرف چل دیئے ایک رات ایک دن برابر سفر رہا حضور ؐ کو بڑی تکلیف اٹھانا پڑی۔ اول تو دشمنوں کا خوف پھر بے سروسامانی''۔

افسوس علماء کے نزدیک فضائل رسول ؐ و آل ؑ رسول ؐ کا لکھنا پڑھنا بیان کرنا تو بڑا ثواب ہے مگر جب سمجھنے کا موقع آتا ہے تو انہیں عام انسان ہی سمجھ لیتے ہیں حضرت ادیب اعظم صفحہ ۲۱ پر خود ہی شب ہجرت کے حال میں یہ لکھ چکے ہیں ''جب حضور ؐ گھر سے نکلے تو ایک مٹھی خاک دشمنوں کی طرف پھینک دی۔ اللہ کی شان سب کی آنکھوں پر ایسا پردہ پڑا کہ آپ ان کے بیچ میں سے نکلے چلے گئے۔ مگر کسی نے بھی نہیں دیکھا۔ یہ ساری رات اسی انتظار میں رہے کہ محمد ؐ گھر سے نکلیں تو مارے تلواروں کے ٹکڑے کر دیں'' یہ لکھنے کے بعد مولوی صاحب کی سمجھ میں نہ آیا کہ رسول ؐ خدا کو دشمنوں کا خوف کیسے ہوسکتا ہے۔ چونکہ متکلمین کے مذہب اور عقائد کا دارومدار روایت پر ہے۔ وہ عقل سے کام نہیں لیتے اور روایات کی توثیق ہی میں عمریں گزار دیتے ہیں۔ اسی لئے حضرت علامہ اقبال مرحوم لکھ گئے ہیں۔

یہ امت روایات میں کھو گئی
حقیقت خرافات میں کھو گئی

(۲) امام زین العابدین ؑ کی کہانی صفحہ ۲۷ پر ہے ''قید یزید سے رہا ہو کر امام علیہ السلام نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ سوائے ان لوگوں کے جو مسائل پوچھنے آتے

WWW.KHROOJ.COM

تھے اور کسی سے ملتے جلتے ہی نہ تھے آپ کے پاس آنے جانے والوں میں خاص طور پر ابوحمزہ ثمالی اور زہری وغیرہ تھے۔آپ نے محمد حنفیہ کو احکام دین کے لئے نائب مقرر فرمایا تھا۔یہ زمانہ سخت مخدوش تھا۔قدم قدم پر جان کا خطرہ تھا حکومت قتل کے بہانے ڈھونڈ رہی تھی''

حضرت علامہ نے یہ نہ سوچا کہ جب امام علیہ السلام پر دربار کوفہ وشام میں کوئی خوف نہ ہوا اور حق کا اعلان کرتے رہے تو قید سے رہا ہو کر خوف کیسے ہوسکتا ہے۔غور کر کے سمجھنے کے بجائے بے دھڑک لکھ دیتے ہیں کہ حضرت پر مدینہ میں گھر کے اندر بیٹھے ہوئے بھی ہر وقت قتل کا خوف طاری رہتا تھا۔

(۳) امام محمد باقرؑ کی کہانی صفحہ ۳''اگرچہ حضرت کی عمر کا ابتدائی حصہ کسی قدر سہولت واطمینان سے گزرا تاہم خدشہ سے خالی نہ تھا'' خدشہ تھا تو خوف تھا اور یہ بات کہنا حضرت کو ولی کے درجہ سے گرانا ہے۔

(۴) امام محمد تقیؑ کی کہانی۔صفحہ ۱۹ سطر ۷۔''اسی وجہ سے حضرت نے بغداد کی رہائش کو ترک کیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مامون اس کے ورغلانے سے میری ہلاکت کا باعث ہو جائے''۔

مامون رشید نے اپنی بیٹی ام الفضل کا حضرت محمد تقیؑ سے عقد کر دیا تھا۔مذکورہ بالا عبارت میں ''اس کے ورغلانے'' سے ام الفضل ہی کا ورغلانا مراد ہے۔

مولوی صاحب کے مذکورہ بالا بیان سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام کو پتہ نہ تھا کہ ان کا منصب امامت کب ختم ہوگا اور کب وہ اس فریضہ کے بارگراں سے سبکدوش کئے جائیں گے اور ان کا قاتل کون ہوگا اس لئے بغداد میں انہیں ہردم

ہلاکت کا خوف رہتا تھا۔

(۵) امام حسنؑ عسکری کی کہانی صفحہ ۲۱۔'' ۱۵ شعبان ۲۵۵ ہجری میں ہمارے بارہویں امام قائم آل محمدؐ حضرت امام مہدی علیہ السلام پیدا ہوئے چونکہ امام حسن عسکری علیہ السلام کو دشمنوں کی طرف سے پورا خطرہ تھا لہٰذا آپ نے کسی کو ان کے پیدا ہونے کی خبر نہ کی پانچ سال متواتر لوگوں سے اس خبر کو چھپایا گیا۔معتمد کے جاسوس برابر لگے ہوئے تھے اور بادشاہ اور اس کے ہوا خواہوں کے بدارادوں کا پتہ آپ کو مل چکا تھا۔لہٰذا مصلحت یہی تھی کہ اس کی ولادت کا اظہار کسی پر کیا ہی نہ جائے۔حقیقت یہ ہے کہ اگر خلیفہ وقت کو پتہ چل جاتا تو وہ یقیناً کسی نہ کسی تدبیر سے بارہویں امام علیہ السلام کو ہلاک کرا دیتا''

ناظرین اس فقرہ کو ملاحظہ فرمالیں ''اور بادشاہ اور اس کے ہوا خواہوں کے بدارادوں کا پتہ آپ کو مل چکا تھا'' اس سے ظاہر ہے کہ جیسے معتمد کے جاسوس برابر لگے ہوئے تھے ایسے ہی حضرت نے بھی جاسوس لگائے ہوئے تھے جن کے ذریعے سے بادشاہ اور اس کے ہوا خواہوں کے بدارادوں کا پتہ آپ کو مل گیا تھا۔اگر امام کی منزلت نظر میں ہوتی تو اس مضمون کو اس طرح لکھ سکتے تھے ''کہ بادشاہ اور اس کے ہوا خواہوں کے بدارادوں سے آپ واقف تھے''۔مزید براں یہ کہنا کہ اگر بادشاہ وقت کو پتہ چل جاتا تو یقیناً ولی اللہ، حجۃ اللہ، بقیۃ اللہ کو ضرور ہلاک کرا دیتا'' خدا کی قدرت سے انکار کے مترادف ہے۔

ممکن ہے بعض ناظرین یہ خیال کرلیں کہ اس آیت میں اولیاء اللہ سے حضرات آئمہ معصومین حجج اللہ فی العالمین مراد ہیں۔ایسا نہیں ہے کہ اس سے صرف وہی حضرات

مراد ہیں بلکہ یہاں تو ان کے ادنیٰ غلاموں کو بھی ذکر مذکورہ بالا آیت کے اس جزو میں ہے۔''الذین آمنوا وکانو یتقون ''۔(وہ لوگ جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے تھے) یہ بشارت تو ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو ان اولیاء اللہ پر ایمان لائے اور امام المتقین کے غلام بن گئے جب ایمان کامل حاصل ہو جائے جس کے لئے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے دعا کرنی تعلیم فرمائی ہے۔''یعنی ایمان بالقلب حاصل ہو جائے تو پھر کسی قسم کا خوف وحزن طاری نہیں ہوتا۔سب سے بڑا خوف انسان کو موت کا ہوتا ہے مگر جب ایمان کامل اور اہل بیتؑ کی حب حقیقی جو خدا کی سب سے بڑی نعمت ہے مل جاتی ہے تو وہ موت کی آرزو کرنے لگتا ہے۔عشاق اہل بیتؑ تو موت کے بہانے تلاش کیا کرتے تھے اور ظالم حکام کو چھیڑ چھیڑ کر قربانیاں پیش کرتے رہتے تھے۔

دیکھیں جناب رب العزت ارشاد فرماتا ہے۔

قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الآخِرَةُ عِندَ اللّهِ خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُاْ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ...... بقرہ ۹۴

(ترجمہ) کہہ دو کہ اگر آخرت کا گھر خدا کے پاس خالص تمہارے ہی لئے ہے اور لوگوں کے لئے نہیں تو موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو۔

اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ مومن کامل جو جنت کے مستحق ہو جاتے ہیں ان کو موت کی بھی آرزو ہو جاتی ہے پس جو موت سے نہ ڈرے گا بلکہ اس کا طالب ہو گا اس کو پھر کسی قسم کا خوف کیسے ہو سکتا ہے اور جب موت کا بھی غم نہ ہو تو پھر اور کسی چیز کا اس کو غم کیسے ہو سکتا ہے؟

ناظرین میں سے شاید بعض حضرات کو خیال ہو کہ غم تو انبیاء و رسل اور آئمہ علیہم السلام کو بھی ہوتا تھا پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی ان کا غلام غم سے بے نیاز ہو جائے اور اس پر غم والم طاری نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ کمال ایمان کے بعد کسی طرح کا خوف و حزن یا سرور والم طاری نہیں ہوتا۔ اس کے دلائل فطری اور آیات ربانی جب پیش ہوں گی تو یہ امر ناظرین پر واضح ہوگا کہ مومن کامل پر جذبات سرور والم طاری نہیں ہوتے۔ پہلے اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ انبیاء ورسل و آئمہ طاہرین علیہم السلام کو جو غم ہوتا تھا اور یہ حضرات گریہ بھی فرماتے تھے اس کی حقیقت کیا ہے اس میں کئی نکات ہیں۔

(ا) **گریہ براموات** ۔اصول کافی میں یہ حدیث موجود ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا جب کوئی مومن مرتا ہے تو ملائکہ اس کے لئے روتے ہیں اور زمین کے وہ حصے روتے ہیں جن پر کھڑے ہو کر اس نے خدا کی عبادت کی تھی اور وہ آسمان کے دروازے جن سے اس کے اعمال صعود کرتے تھے (جلد ا صفحہ ۳۶)

علمائے شیعہ نے اس مضمون کی احادیث بکثرت نقل فرمائی ہیں۔ بخوف طوالت ان کو نقل نہیں کیا جا رہا۔ علمائے اہل سنت نے بھی بہت احادیث اس سلسلے میں نقل فرمائی ہیں۔ چنانچہ کتاب نور الصدور اردو ترجمہ شرح الصدور مصنفہ امام جلال الدین سیوطی مترجمہ محمد عیسیٰ الہ آبادی خلیفہ اجل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے باب تیرہواں صفحہ ۵۸ پر ہے۔

''اس بیان میں کہ مومن کے مرنے پر آسمان وزمین روتے ہیں''۔

''روایت ہے انسؓ سے فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے، ہر انسان کے واسطے

WWW.KHROOJ.COM

آسمان میں دو دروازے ہیں ایک دروازے سے اس کے نیک اعمال جاتے ہیں اور دوسرے دروازے سے اس کی روزی نازل ہوتی ہے۔ پس جب بندہ مومن مرتا ہے تو یہ دونوں دروازے اس پر روتے ہیں''۔

''روایت ہے ابن عباس سے کسی نے سوال کیا کہ اس آیت کے کیا معنی ہیں فما بکت علیھم السمآء والارض (یعنی نہیں روئے ان پر آسمان وزمین) اور پوچھا کیا آسمان وزمین روتے ہیں۔ فرمایا ہاں روتے ہیں جتنی مخلوق ہے سب کے واسطے آسمان و زمین روتے ہیں۔ ایک دروازے سے ان کی روزی آتی ہے دوسرے دروازے سے نیک عمل جاتا ہے پس جب مومن مرتا ہے تو اس کے دونوں دروازے آسمان کے بند ہو جاتے ہیں جس سے روزی آتی تھی اور جس سے نیک عمل جاتا تھا یہ دونوں دروازے اس پر روتے ہیں اور جس پر وہ نماز پڑھا کرتا تھا وہ زمین اس کا مصلیٰ نہیں دیکھتی اور اللہ کا ذکر نہیں سنتی تو اس پر روتی ہے۔ فرعون کی قوم کے نیک اعمال نہ تھے نہ زمین پر نہ ایسے جو آسمان پر جائیں تو یہ دروازے ان پر نہ روئے''۔

''یہ مضمون آیت کا ہے اور ابن جریر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے''

اس کے بعد اسی مضمون کی حدیث شریح حضرمی سے منقول ہے اور اسی مضمون کی پانچ اور احادیث منقول ہیں پھر چھٹی حسب ذیل ہے۔

''اور حسنؒ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی مومن کی روح سفر میں قبض کرتا ہے تو اس کی مسافرت پر رحم فرما کر عذاب نہیں کرتا اور فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اس پر کوئی رونے والا نہیں۔ تم ہی اس پر روؤ''۔

www.khrooj.com

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مومن کی موت پر گریہ کرنا عبادت الٰہی ہے وہ اصل میں احترام میت ہے۔ کوئی جنگلی جانور مرتا ہے تو اس پر کوئی نہیں روتا مگر اہلی جانور پر اس کے پالنے والے روتے ہیں تو مومن جو خدا کا محبوب ہے اس کی میت کا تو بہت احترام لازم ہے انبیاء و آئمہ کے رونے اور اظہار غم والم کا ایک سبب احترام میت مومن ہے۔

(۲) **خلق اللہ کی توجہ جذب کرنا**۔ ہادیان دین کا فریضہ ہے کہ لوگوں کے قلوب کو اپنی طرف جذب کریں۔ یہ فطرت نفس ہے کہ یہ مصیبت زدہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ عام مشاہدہ ہے کہ اگر بازار میں کوئی شخص یا اشخاص مضحک حرکات کرتے ہوئے اچھلتے کودتے شور کرتے گزریں تو کوئی معقول آدمی ان کی طرف متوجہ نہ ہوگا مگر دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی مرد یا عورت یا بچہ یا چند افراد روتے پیٹتے فریاد کرتے بازار میں سے گزریں تو کوئی معقول شخص ایسا نہیں ہوسکتا جو ان کی طرف متوجہ نہ ہو اور اس کو چین نہ آئے گا جب تک یہ معلوم نہ کرے کہ ان پر کیا مصیبت پڑی ہے۔ ہادیان دین کے اظہار درد والم کا یہ دوسرا سبب ہے۔ یہ ان کی عبادت حقیقی ہے۔

(۳) **نفس انسان کی اصلاح درد وغم سے ہوتی ہے** اور ہادیان دین پر اصلاح نفوس خلق لازم ہے وہ آتے ہی اس لئے ہیں۔ لہٰذا ان کا فریضہ ہے کہ ہنگامہ ہائے درد برپا کر کے لوگوں کے قلوب کے لئے سامان درد مہیا کریں انبیاء و رسل اور آئمہ علیہم السلام کا ہنگامہ درد برپا کرنا ان کی عبادت اور فریضہ حقیقی ہے۔ یہ ان کے اظہار غم والم کا تیسرا سبب ہے۔

www.khrooj.com

حضرت آدمؑ کا برسوں روتے رہنا۔حضرت ابراہیمؑ کا گریہ اورحضرت سارہ کا ماتم کرنا ،حضرت یعقوبؑ کا فراق یوسفؑ میں روتے رہنا ،حضور سرور دو عالم صلعم کا شہادت حضرت حمزہ پر ماتم کرنا اپنے فرزند ابراہیم کی وفات پر گریہ فرمانا۔ جناب سیدہ صلواۃ اللہ علیہا کا بعد وفات رسول مسلسل گریہ فرمانا ،امام زین العابدینؑ اور اہل حرم کا بعد واقعہ کربلا مسلسل روتے رہنا۔تمام کا تمام ہدایت خلق کے لئے تھا نہ یہ کہ ان پر جذبات دردوالم طاری ہوتے تھے۔

اب دلائل فطری سے اور کلام اللہ سے یہ بھی دیکھ لیں کہ تکمیل ایمان کے بعد جذبات سرور والم طاری نہیں ہوتے۔ یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ارادۃً جذبہ غم طاری کرنا اور اظہار الم اور ہے اور جذبات کا غیر ارادی طور پر طاری ہوجانا اور بات ہے۔ایک مومن کامل بھی حسب ضرورت مومن کی موت پر گریہ کرتا ہے اور غم والم کا اظہار کرتا ہے مگر وہ تو ارادی ہوتا ہے اور خدا کے لئے ہوتا ہے اور خدا کے لئے جو کام ہو وہ عین عبادت ہے۔

فلسفہ سرور والم۔

اس پر غور کریں کہ انسان کو خوشی کب ہوتی ہے۔دیکھئے جب کسی شے کے حصول پر اختیار نہ ہو،کوئی امید ہو اس کے پورا ہونے کا یقین نہ ہو،کوئی خواہش ہو مگر اس کے پورا کرنے پر اختیار اور یقین کامل نہ ہو اور وہ حاصل ہوجائے۔اس وقت سرور ہوتا ہے۔ہم روزانہ پانی پیتے ہیں کھانا کھاتے ہیں۔ ہر قسم کے پھل کھاتے ہیں مگر خوشی و سرور نہیں ہوتا۔البتہ پانی خدانخواستہ بند ہوجائے،کوئی ضرورت کی چیز بازار سے

مفقود ہو جائے تو پھر اس کے ملنے پر سرور ہوتا ہے۔

اب غور کریں کہ غم کب ہوتا ہے جب ہماری کوئی محبوب شے ضائع ہو جائے اور اس کے بچانے پر ہمیں قدرت و اختیار حاصل نہ ہو۔ اپنے اختیار اور ارادے سے اگر کوئی شخص اپنے بد اعمال بیٹے کو خاندان کی بدنامی کی وجہ سے خود ہلاک کر دے یا کسی سے ہلاک کرا دے تو کیا اس کو غم ہو گا۔ پس جب ایمان کامل ہو جاتا ہے تو رب کے وعدے پر مومن کو یقین ہوتا ہے۔ ادعونی استجب لکم ۔تم مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ لہٰذا وہ جس چیز کو ضائع ہونے سے بچانا چاہے اور بارگاہ رب العزت میں عرض کرے وہ ضائع نہیں ہوسکتی۔ اس طرح گویا اس کو اختیار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا جذبات سرور والم طاری نہیں ہوتے تکمیل ایمان سے تو وجدان طاری ہو جاتا ہے۔ جو ایسا سرور کامل ہوتا ہے جس کو کوئی نقصان کوئی مصیبت کم نہیں کرسکتی۔

پھر قرآن کریم ایمان کی علامت اللہ کی حب شدید بتاتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

والذین امنو ااشد حبّاً لِلّٰہِ (وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ کی محبت میں بڑے شدید ہوتے ہیں) اور حب شدید میں محبوب کے ماسوائے تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں۔ اور ارشاد ہے وما اصاب من مصیبة الا باذن اللّٰہ (اور کوئی مصیبت نہیں پہنچتی مگر اللہ کے حکم سے) تو مومن کے لئے تو یہ ہے کہ ہر چہ از دوست میرسد نیکوست۔ (جو کچھ بھی دوست کی طرف سے پہنچے وہی خوب ہے) لہٰذا صاحب ایمان کامل کو غم کیوں ہو گا۔

اگر یہ صحیح نہ ہو تو پھر اس آیت کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے۔

ارشاد رب العزت ہے

مَا أَصَابَ مِن مُّصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ أَن
نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ (۲۲) لِكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا
تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ...... حدید ۲۳

(ترجمہ) نہیں پہنچتی تم کو کوئی مصیبت زمین میں اور نہ تمہارے نفسوں میں مگر یہ کہ وہ کتاب میں موجود ہوتی ہے قبل اس کے کہ ہم اس کو ظاہر کریں تا کہ اس میں جو کچھ تم سے ضائع ہو جائے اس پر تم افسوس بھی نہ کرو اور جو کچھ اس نے تم کو عطا کیا اس پر اترانے نہ لگو۔ اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔

اس آیت سے ظاہر ہو گیا کہ صاحب ایمان کامل پر جذبات سرور والم طاری نہیں ہوتے مشکل یہ ہے کہ ایک عام انسان جذبات سے مجبور ہوتا ہے۔ اس کے تمام کام مہیج خارجی کا ردعمل اور تسکین جذبات کے لئے ہوتے ہیں اور اس طرح زندگی کے سارے کام غیر ارادی اور لاشعوری ہوتے ہیں۔ رسول کریمؐ کی بعثت کا مقصد وحید یہی ہے کہ انسان کے نفس کو جذبات سے پاک کیا جائے تا کہ عقل فطری جو اس کے ساتھ ایک قوت نورانی ہے کام کرنے لگے پھر جس جذبہ کے اظہار کی ضرورت ہو اپنے اختیار و ارادہ سے اس کے آثار طاری کر سکے۔ وہ جذبات سے مغلوب اور ان کے آگے بے بس نہ رہے۔

جب تک ایمان کامل نہیں ہوتا جذبات بے اختیاری طور پر ہوتے رہتے ہیں اور جذبات کی پیروی کو قرآن نے شرک باطنی سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے
افرایت من اتخذ الٰھہ ھواہ (سورہ جاثیہ) کیا تم نے دیکھا اس کو جس نے اپنے جذبات کو اپنا معبود بنایا ہوا ہے) اور امیر المومنینؑ کا فرمان ہے، ان اکبر معبودٍ

عبد فی الدنیا الھویٰ (تحقیق کہ سب سے بڑا معبود دنیا میں جس کی عبادت کی جاتی ہے نفس کے جذبات ہیں) یہ شرک باطنی کی نجاست جیسے جیسے ایمان بڑھتا جاتا ہے کم ہوتی جاتی ہے جوش جذبات کم ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ جب ایمان کامل ہوجاتا ہے تو جذبات طاری نہیں ہوتے اور ان کے بجائے عقل فطری عامل ہوجاتی ہے۔

مگر جذبہ غم والم وہ مقدس جذبہ ہے جو شرک باطنی کی نجاست سے پاک کردیتا ہے یہی نفس کی غفلت اور نجاست باطنی کا علاج ہے اور اسی سے نفس بھاگتا ہے۔ جب دنیا میں کوئی مصیبت شدید پڑتی ہے اور جذبہ غم شدت سے طاری ہوتا ہے تو نفس انسان سے بھلانا چاہتا ہے بہت سے لوگ تو نشہ استعمال کرنے لگتے ہیں جیسے بچہ کڑوی دوا سے بھاگتا ہے اسی طرح نفس انسان درد والم سے بھاگتا ہے۔ حالانکہ یہی اس کی ساری باطنی بیماریوں کا علاج ہے اگر غم کو بھلانے کی کوشش نہ کرے تو تھوڑے عرصے میں ہی رب کی رحمت کی نظر کا ادراک کرسکے گا اور نعیم ابدی سے سرفراز ہوگا۔

رسولؐ وآلؑ رسولؐ کی ہدایت کی بنیاد یہی ہے کہ انہوں نے مظلومی کی زندگی اختیار کر کے اپنے متوسلین کے قلوب کے لئے درد کے ایسے سامان مہیا کئے جن سے ہزاروں دل تڑپے اور ان کو نور ایمان حاصل ہوگیا۔ عالم نور کا ادراک ہوگیا اور وہ راہ حق میں قربانیاں دیتے رہے اور آنے والی نسلوں کے لئے سامان درد مہیا کرتے رہے اور اس طرح کشف وعرفان کا سلسلہ جاری رہا۔

اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب جذبات سرور والم کا طاری ہونا نقص ایمان

اور شرک خفی کی علامت ہے تو ان تمام انبیاء و رسل اور ہادیان دین اولیاء اللہ کے کامل الایمان ہونے کی کیا دلیل ہوسکتی ہے جو ہدایت خلق کے لئے عمداً ایسے جذبات کا اظہار کرتے رہے ہم تو عقیدتاً کہتے ہیں کہ وہ ان کا تقیہ تھا۔ان پر حقیقتاً یہ جذبات طاری نہیں ہوتے تھے مگر اس کے لئے کوئی دلیل محکم ہمارے پاس روایت یا درایت میں موجود نہیں ۔اس لئے رسولؐ آخرالزمان اور ان کے اہل بیتؑ پر لازم تھا کہ اس کا ثبوت دراتیاً دنیا کے سامنے پیش کردیں۔ذبح عظیم کے مقاصد عالیہ کے منجملہ ایک خاص مقصد یہ بھی تھا۔

ذبح عظیم کے مقاصد اگر شمار کرنا چاہیں تو ان کا احصا مشکل ہے۔لہٰذا اس کے مقاصد کے سمندر میں سے ایک قطرہ ہی پیش کرسکتا ہوں ۔

(۱) جذب توجہ

ارشاد باری ہے اور یہ قانون فطرت ہے کل حزب بما لدیھم فرحون ۔(ہر گروہ اسی میں خوش ہے جو کچھ ان کے پاس ہے) بچہ جس فضا میں پیدا ہوتا ہے اس کے تخیلات وعقائد لاشعوری اور غیر ارادی طور پر اس کے ذہن نشین ہوجاتے ہیں اور وہ اپنی فضا میں مگن رہتا ہے علم حاصل کرکے اپنے تخیلات وعقائد کے حق ہونے کے دلائل تلاش کرتا رہتا ہے ۔اس کو کسی اور طرف توجہ کرنے کی خواہش ہی نہیں ہوتی ۔البتہ نفس انسان کی توجہ ہنگامہ کی طرف غیر ارادی اور لاشعوری طور پر جذب ہوتی ہے ۔لہٰذا عالم انسانیت کی توجہ اسلام کی طرف لاشعوری طور پر جذب کرنے کے لئے ایک ہنگامہ درد برپا کردیا جو قیامت تک آنے والی نسلوں کی توجہ اسلام کی طرف

جذب کرنے کا ذریعہ ہو گیا۔

(۲) دعوت الی اللہ والی الرسولؐ

جب کوئی شخص خواہ کسی مذہب کا ہو اس دردناک واقعہ پر مطلع ہو گا تو مزید حالات و تفصیلات معلوم کرنے کی خواہش ہو گی کہ یہ حسینؑ مظلوم کون تھے۔ اسے جب بتلایا جائے گا کہ رسولؐ اسلام کے نواسے تھے۔ پھر رسولؐ کے متعلق بھی کچھ معلومات حاصل کرے گا اور اسلام کے متعلق بھی تفصیلات معلوم کرنے کی خواہش ہو گی اور اس طرح یہ ہنگامہ درد خدا اور رسولؐ کی طرف دعوت دینے کا ذریعہ ہو جائے گا۔

(۳) بلا و مصیبت پر صبر کرنے کی تعلیم

دنیا میں کوئی متنفس ایسا نہیں جو بلا و مصیبت میں گرفتار نہ ہوا ہو اس وقت اس کو اضطرار لاحق ہوتا ہے حواس معطل ہو جاتے ہیں، عقل کام نہیں کرتی، اگر کوئی کہنے والا صبر کی تلقین کرتا ہے تو ناگواری کا باعث ہوتا ہے۔ صرف زبانی باتوں سے کام نہیں چل سکتا اس کے لئے عملی نمونہ کی ضرورت ہے۔ فرزند رسولؐ نے صبر جمیل کی عملی تصویر پیش کر کے مصائب پر صبر حاصل کرنے کا ایک ذریعہ قائم کر دیا تا کہ مصیبت زدہ انسان اس واقعہ کی یاد تازہ کر کے مصیبت کے وقت اضطرار کے عذاب سے نجات حاصل کر سکے۔

( ) تزکیہ نفوس خلق

رسولؐ کی بعثت کا مقصد ہی یہ تھا کہ خلقت کے نفوس کا تزکیہ کیا جائے ان کو غفلت و لاشعوری کی تاریکی سے نکال کر ایمان و یقین کی روشنی میں لایا جائے قلب انسان

www.khrooj.com

سے جذبات کی نجاست دور کی جائے جس کی وجہ سے وہ مجبوری و لاچاری میں غلطیاں کرتے ہوئے بے شمار نقصانات اٹھاتا ہے اس کا علاج صرف درد والم ہے ۔جب جذبہ الم طاری ہوتا ہے تو کوئی برا خیال بھی دل میں نہیں آتا اور غفلت و لاشعوری میں ضرور کچھ کمی ہو جاتی ہے۔آل رسولؐ نے یہ ہنگامہ درد برپا کر کے اپنے متوسلین کے قلوب کو درد والم سے بھر دیا جس سے بیشمار صاحبان معرفت پیدا ہو گئے

(۵) تنزیہ الانبیاء

حضرات انبیاء علیہم السلام تمام ہادیان دین حسب ضرورت ہدایت خلق کے لئے اظہار جذبات کرتے رہے اور جذبات کا طاری ہونا ضعف ایمان اور شرک خفی کی علامت ہے اس کا کھلا ہوا ثبوت دنیا کے سامنے پیش کر دینا ضروری تھا کہ ان حضرات پر جذبات طاری نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ تو ہدایت خلق کے لئے ارادتاً ان کا اظہار کرتے رہتے تھے ۔ یہ اہم کام فرزند رسولؐ ذوالجلال سیدہ کے پیارے لال کے ذمہ تھا کہ جب ایسی فضا پیدا ہو جائے کہ ایک واقعہ کی خبر دنیا کے آباد حصے میں بہت سے مقامات پر پہنچ سکے اس وقت ایک عظیم مظاہرہ درد برپا کر کے دنیا کو دکھلا دیں کہ دنیا والو جذبات کے بندو دیکھ لو مشاہدہ کر لو کہ ہمارے اصحاب ہمارے غلام ہماری کنیزیں ہمارے کنیز زادے کیسی مصیبت عظیم میں گرفتار ہیں مگر کسی پر غم والم کا تو ذکر ہی کیا ہے اضطرار بھی نہیں طاری ہوتا ۔ یہ سب جذبات سے پاک ہیں ۔اب اس مظاہرے کے بعد حسینؑ جس کے لئے شہادت دے دیں کہ وہ نبی و معصوم تھے اور جذبات و خواہشات سے پاک تھے اور وہ صرف ہدایت خلق کے لئے تقیۃً

جذبات کا اظہار کرتے تھے۔ حقیقتاً ان پر جذبات طاری نہیں ہوتے تھے تو اب حسینؑ کی شہادت سے نبوت و رسالت، عصمت و طہارت ثابت ہوسکتی ہے۔ اگر اس واقعہ سے دلیل نہ لائی جائے تو تمام فرق اسلامیہ کے علماء متفق ہو کر بھی انبیاء کی عصمت اور ان کے کامل الایمان ہونے کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ بس صرف ایک حسینؑ کی ذات اقدس ہی اس کا ثبوت ہے۔ اللہ اکبر عظمت حسینؑ کا کون تصور کرسکتا ہے۔

اس وقت ایک نظم کے چند بند یاد آ گئے جن میں مقاصد مذکورہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ناظرین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

ترے امور میں حیراں رہی بڑی دنیا　　معاملات سیاسی میں ہی رہی دنیا
مباحثاتِ خلافت میں پڑ گئی دنیا　　بھلا بتاؤ تو کیا جانے مادی دنیا
خدا کی خلق کو عرفاں کا ڈھنگ دینا تھا
عروس غیب کے پردے کو رنگ دینا تھا

سبھوں نے ہیں ترے ساتھی بڑے جری مانے　　کہ بھوکے پیاسے گئے نیزہ و برکھانے
دکھا دیا تھا انہیں تو نے کیا خدا جانے　　گرے ہی پڑتے تھے شمع اجل پہ پروانے
کشود راز حیات و ممات کر ڈالا
حسینؑ موت کو تو نے حیات کر ڈالا

چھری کے نیچے نبوت کی جو شہادت دی　　حسینؑ تو نے بنایا ہے انبیاء کو نبی
جلی ہوئے ترے دم سے تمام راز خفی　　حسینؑ تو نے دکھائی ہے شان وحدت کی
خدا کا کام جو بندوں میں کر دکھایا ہے
حسینؑ تو نے خدا کو خدا بنایا ہے

WWW.KHROOJ.COM

حقیقت یہ ہے کہ اس ذبح عظیم ہی سے عظمت و جبروتِ خدائے ذوالجلال کا نفوس خلق پر اظہار ہوا ہے یعنی معرفت حاصل ہوئی۔

خدا کے بھیجے ہوئے انبیاء جو تھے معصوم   بشر ہیں مثل ہماری یہ صرف تھا معلوم
خوشی سے ہوتے ہیں مسرور رنج سے مغموم   مگر مٹا دیئے شبیرؑ نے گماں مذموم
غبار دامن عصمت سے جھاڑ کر چھوڑا
خدا کے دین کے جھنڈے کو گاڑ کر چھوڑا

ناظرین با تمکین پر اب تو ان آیات کا مطلب واضح ہو گیا۔ اب تو وہ ان کا حقیقی مفہوم سمجھ سکتے ہیں۔

أَلا إِنَّ أَوْلِيَاء اللّهِ لاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ (٦٢) الَّذِينَ آمَنُواْ وَكَانُواْ يَتَّقُونَ (٦٣) لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَياةِ الدُّنْيَا وَفِي الآخِرَةِ لاَ تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللّهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ...... یونس ٦٤

(ترجمہ) ''آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ کے اولیاء پر کوئی خوف نہیں ہوتا اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔ وہ جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کئے تھے ان کے لئے خوشخبری ہے۔ دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اللہ کے کلمات میں تبدیلی نہیں ہوتی یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے''۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ تقویٰ اختیار کریں اور ایمان کامل اور معرفت حاصل کر لیں اور خدا اور رسولؐ اور آلؑ رسولؐ کی حب حقیقی ان کو حاصل ہو جائے وہ جذبات سے پاک ہو جاتے ہیں پھر نہ ان پر خوف طاری ہوتا ہے اور نہ وہ غم کھاتے ہیں۔ وہ تو جذبات و سرور و الم اور تمام جذبات سے پاک ہو جاتے ہیں۔

یہ بشارت وخوشخبری ہے ان کامل الایمان مومنین کے لئے زندگانی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی وہی کامیاب وکامران ہوں گے۔

نفس انسان کی فطرت ہے کہ اس پر ہر دم مختلف جذبات طاری ہوتے رہتے ہیں اور اس کے خیالات بدلتے رہتے ہیں مگر اولیاء اللہ جو خدا کے کلمات ہیں اور ان کے غلاموں کے خیالات وکیفیات میں تبدیلی نہیں ہوا کرتی۔ وہ تو بس حب اللہ ہی میں غرق رہتے ہیں اور یہ سب سے بڑی کامیابی ہے

اللهم صلی علیٰ حبیبك خاتم الانبیاءِ والمرسلین شافع یوم الدین وآله الطیبین الطاهرین المعصومین من یومنا هذا الی یوم الدین

www.khrooj.com

(۱۰) علم کے متعلق آیات واحادیث

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِى خَلَقَ (١) خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ (٢) اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ (٣) الَّذِى عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (٤) عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ...... العلق ۵

(ترجمہ) اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔ پڑھ رب کے نام سے جس نے خلق کیا۔ پیدا کیا انسان کو لوتھڑے (جمے ہوئے خون) سے۔ پڑھو تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ سکھایا انسان کو جو کچھ بھی وہ نہ جانتا تھا۔

ان آیات مقدسہ میں سب سے پہلے جس کلمے کی طرف توجہ ہوتی ہے وہ ''اَلْقَلَم'' ہے عوام الناس کا ذہن تو اسی طرف منتقل ہوگا کہ دوات قلم سے تختی یا کاغذ پر لکھا جاتا ہے۔

تب ہی انسان قلم سے لکھی ہوئی کتابوں سے علم حاصل کرتا ہے مگر آیت میں تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قلم کے ذریعے عطا فرمایا تو سب سے زیادہ علم اس نے انبیاء ورسل کو عطا فرمایا اور کسی نبی یا رسولؐ نے قلم دوات سے لکھی ہوئی کتابوں کے ذریعے علم حاصل نہیں کیا۔ پھر یہاں ''علم بالقلم'' سے کیا مقصود ہے۔ اب ضرورت ہے کہ القلم کا حقیقی مفہوم سمجھیں۔

یہ تو درست ہے کہ لوح وقلم (تختی اور قلم) ہی علم کا منبع ہیں مگر یہ تختی لکڑی کی یا اور کسی

مادہ کی نہیں ہے اور یہ قلم بھی نزکل یا لوہے کا نہیں بلکہ یہ لوح وقلم نوری ہیں جو اول مخلوق ہیں۔ اس اول مخلوق کے متعلق حضور سرور کائنات علیہ التحیۃ والصلوٰاۃ سے چھ حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

(۱)اَوّل مَا خَلق اللّٰہ نُوری (سب سے پہلے جو اللہ تعالیٰ نے خلق فرمایا میرا نور ہے

(۲)اَوّل مَا خَلق اللّٰہ لَوح (سب سے پہلے جو اللہ تعالیٰ نے خلق فرمایا وہ لوح ہے

(۳)اَوّل مَا خَلق اللّٰہ القَلَمَ (سب سے پہلے جو اللہ تعالیٰ نے خلق فرمایا وہ قلم ہے

(۴)اَوّل مَا خَلق اللّٰہ الرُّوحُ (سب سے پہلے جو اللہ تعالیٰ نے خلق فرمایا وہ روح ہے

(۵)اَوّل مَا خَلق اللّٰہ العَقَل (سب سے پہلے جو اللہ تعالیٰ نے خلق فرمایا وہ عقل ہے

(۶)اَوّل مَا خَلق اللّٰہ العِلم (سب سے پہلے جو اللہ تعالیٰ نے خلق فرمایا وہ علم ہے

یہ ایک ہی مجسمہ نوری ہے جس کی شعاعیں تمام کائنات میں پھیلی ہوئی ہیں اس کی مختلف صفات کے باعث نام بھی مختلف ہیں جب وہ نور محمدؐ ابن عبداللہ میں چمکا تو نور محمدیؐ کہلایا۔ تختی پر معلومات کا خزانہ لکھا ہوا ہوتا ہے۔ اسی مجسمہ نوری میں تمام علم کائنات کا خزانہ جمع ہے لہٰذا لوح کہلایا۔ اسی کی شعاعوں کے ذریعے نفس انسان پر نقوش بنتے ہیں لہٰذا قلم کہا گیا۔ اسی کا نام روح ہے یہی عقل فطری یا عقل اول ہے اسی کا نام علم حقیقی ہے بلکہ یہ تمام علم ہے، یہی ''انا مطلق'' اور تمام کائنات کی جان اور علت وجود وسبب بقا ہے۔

ذات اقدس باری تعالیٰ کے لئے کوئی تمثیل بیان کرنا یا مخلوق سے تشبیہ دینا بڑا جرم ہے مگر مشکل یہ ہے کہ افہام وتفہیم کے لئے اس کے سوائے کوئی چارہ بھی نہیں کہ الفاظ میں کچھ کہا جائے بغیر اس کے تو نفس انسان کو اس کی طرف توجہ دلانا ممکن ہی نہیں۔

لہٰذا پہلے اس کی بارگاہ اقدس سے استغفار کرتا ہوں پھر تمثیل بیان کرتا ہوں کہ جیسے ہمارے جسم کے ہر عضو ہر مقام اور ہر ذرے میں روح یا نفس موجود ہے اسی طرح اس نور کائنات اول مخلوق کی جان اور علت وجود و بقا اس کے خالق کی ذات ہے۔

لہٰذا اس نور کی شعاعوں کی موجودگی اللہ سبحانہ کی موجودگی ہے۔

اب تو ماڈرن فزکس (علم طبیعات) میں بھی یہ ثابت ہوگیا ہے کہ غیر مرئی تخلیقی شعاعیں تمام یونیورس میں ہر مقام پر موجود ہیں کوئی ذرا سی جگہ بھی ان سے خالی نہیں اور ناظرین پر واضح ہوگیا ہے کہ اس نور کی شعاعوں کا موجود ہونا گویا کہ رب العالمین کا موجود ہونا ہے۔ لہٰذا ان شعاعوں کا قرب ہی اللہ سبحانہ کا قرب ہے اس لئے کہ وہ ذات اقدس ہی تو اس کی جان ہے۔ اب ناظرین اس آیت کا مفہوم سمجھ سکیں گے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ......ق ١٦

(ترجمہ) اور البتہ ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو وسوسے اس کے نفس میں گزرتے ہیں اور ہم تو اس سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ (٨٣) وَأَنتُمْ حِينَئِذٍ تَنظُرُونَ (٨٤) وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَكِن لَّا تُبْصِرُونَ ......الواقعہ ٨٥

(ترجمہ) تو کیا جب جان حلق تک پہنچ جاتی ہے اور تم اس وقت تکتے رہتے ہو اور ہم تم سے بھی زیادہ اس سے قریب ہوتے ہیں لیکن تم دیکھ نہیں سکتے۔

اب تو ناظرین پر واضح ہوگیا کہ ہمارا خالق ہمارا پیارا رب ہر دم ہمارے ساتھ ہے

www.khrooj.com

وہ تو ہم سے ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔افسوس کہ ہم کیسے تیرہ بخت اور بدنصیب ہیں کہ رب کی موجودگی میں ہردم و ہرلحظہ اس کی نافرمانی اوراس کے احکام سے بغاوت میں مصروف رہتے ہیں۔کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ ہمارا رب تو ہمارے حال پررحم فرمائے اورتوفیق خیر عطا فرمائے۔آمین

اب اس آیہ وافی ہدایہ کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں۔جناب باری تعالیٰ عزاسمہ کا ارشاد ہے۔

وَاعۡلَمُوۡاۤ اَنَّ اللّٰهَ يَحُوۡلُ بَيۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ (۲۴) انفعال

(ترجمہ) جان لو کہ اللہ حائل ہوتا ہے آدمی کے اوراس کے قلب کے درمیان اور یہ کہ تم اسی کی طرف محشور ہوگے۔

یہ امر حقیقت ہے کہ غیر مرئی نوری شعاعوں کا حلقہ ہرانسان کے قلب کوگھیرے ہوئے ہے مگر غفلت اور لاشعوری کے حجاب اس پر اتنے دبیز ہیں کہ کبھی اس کا ادراک نہیں ہوتا۔ان نوری شعاعوں کا حائل ہونا گویا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا حائل ہونا ہے اس لئے کہ وہ ہی تو اس نور کی جان اوراس کی علت ہے۔اگراہل بیتؑ کے تعلیم کردہ راستہ پر چلے تو غفلت و لاشعوری کے حجاب کچھ ہلکے ہوجائیں۔غفلت کے پردے جس قدر خفیف ہوتے جائیں گے اتنا ہی اس نور کے موجود ہونے کا ادراک ہوتا جائے گا۔اگر ایمان کامل ہوجائے تواس کا ادراک ہی نہیں بلکہ احساس ہوجائے گا۔سینہ نور سے پرنور ہوجائے گا اور روشنی کا احساس ہونے لگے گا اس بیان کوحضرات متکلمین تو تفسیر بالرائے کہیں گے مگر ہمارے ناظرین تو اقوال آلؑ رسولؐ دیکھ لیں گے اوران کا مفہوم بھی اپنے سمجھنے والے دل سے سمجھ لیں گے(دیکھیں ضیاء النفوس

ترجمہ حیات القلوب جلد سوم صفحہ ۱۴۸-۱۵۰)
''تفسیر فرات میں بہ سند معتبر امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے کہ ہم وہ درخت ہیں جس کی جڑ پیغمبر ہیں اس کی فرع علیؑ ہیں اس کی شاخ سیدہؑ ہیں اور حسنؑ و حسینؑ اس کے میوہ ہیں۔ ہم نبوت کا درخت رحمت کا گھر، حکمت کی کنجی علم کا معدن خدا کا آباد گھر فتنوں کی تاریکیوں کے نور (غرضکہ حدیث کا سلسلہ چلا جاتا ہے یہاں تک کہ صفحہ ۱۵۰ سطر ۵ پر ہے) یہی وہ نور خدا ہیں جو مومنوں کے دل میں منور ہے (تا آخر)''۔

اس کتاب ضیاء النفوس میں اصول کافی میں جامع الاخبار شیخ صدوق میں کتنی ہی حدیثیں موجود ہیں۔ ''نور امام ہر مومن کے دل میں ہوتا ہے''۔ نور امام مومن کے دل میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے''۔ غرضیکہ اس مضمون کی متعدد احادیث کتب معتبرہ میں منقول ہیں۔

الغرض جب غیر مرئی نوری شعاعیں ہر قلب کو گھیرے ہوئے ہیں اور اسی نور میں جو قلم ہے تمام علم کائنات پنہاں ہے تو ہر بچہ تمام علم لئے ہوئے پیدا ہوتا ہے۔ یہ ہے اس آیت کا ایک مفہوم عَلَّمَ الِانْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ۔(سکھا دیا، یا، پڑھا دیا انسان کو سب کچھ جو کچھ بھی وہ نہ جانتا تھا) مگر لاشعوری اور غفلت کے حجاب بدنصیبی کا سبب ہوتے ہیں کہ سوائے رونے مسکرانے اور احساس سرور و الم اور کسی علم کا اس کو ادراک نہیں ہوتا اور بالکل ایک پتھر کی طرح جاہل مطلق ہوتا ہے۔ کلام پاک سے ہی اس کا دوسرا ثبوت بھی دیکھ لیں۔ ارشاد رب العزت ہے

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا (۷) فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (۸) قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا

(۹) وَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا ......الشّمس ۱۰

(ترجمہ) قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اسے پورا کیا۔ پس الہام کر دی اس پر تمام اس کی بدکاریاں اور پرہیزگاری فلاح اس نے پائی جس نے اس کو پاک کیا گھاٹے میں رہا وہ جس نے دبا دیا۔

اب تو واضح ہو گیا کہ ہر نفس پر علم الہام کیا ہوا ہے پس جو راہِ معرفت اور صفائے باطن کی راہ پر چلے گا اس کے قلب میں صفائی پیدا ہوتی جائے گی جتنی صفائی ہوتی رہے گی اتنا ہی علم باطن شعور میں آتا رہے گا۔ دنیا و آخرت میں اس کو فلاح حاصل ہو گی مگر جس نے غفلت و لاشعوری کے تاریک حجابوں میں دبائے رکھا وہ تو ہمیشہ جہالت و نادانی کے تاریک گڑھے میں پڑا ہوا ہلاکت و عذاب کی طرف بڑھتا رہے گا اور دنیا و آخرت میں خسارہ میں ہی رہے گا۔

اب ایک اور آیت بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ارشاد جناب باری ہے

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُوماً جَهُولاً ......احزاب ۷۲

(ترجمہ) ہم نے امانت کو پیش کیا سماوات پر زمین پر اور پہاڑوں پر۔ پس انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور اٹھا لیا اس کو انسان نے ۔ بے شک وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والا بڑا نادان تھا۔

یہ امانت وہی نور ہے جو ہر انسان کے قلب کو گھیرے ہوئے ہے اس کی برداشت نہ تو زمین کر سکتی ہے نہ پہاڑ اس کا بار اٹھا سکتے ہیں۔ کوہ طور پر ایک شعاع ہی پڑی تھی کہ جل کر خاکستر ہو گیا۔ اس کے لئے تو خالق نے انسان ہی کو خلق کیا ہے۔ جیسا کہ

حدیث قدسی میں ارشاد ہے خلقتك لا جلی ۔(تجھے میں نے اپنے لئے خلق کیا ہے) آئمہ معصومین علیہم السلام کی اکثر احادیث میں اس امانت کا ذکر ہے کہ وہ ولایت امیر المومنینؑ یا امام کا نور ہے۔ پس جب بندہ مومن کمال معرفت حاصل کر لیتا ہے تو بے حجاب اس کا بار اٹھا لیتا ہے غفلت کے تاریک حجاب اٹھ جاتے ہیں اور اس نور کا کشف سے ادراک ہو جاتا ہے۔

آلِ رسولؐ نے تو ہدایت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی وہ تو اشاروں کنایوں میں سب کچھ بتا گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو ضیا النفوس ترجمہ حیات القلوب جلد ۳ صفحہ ۲۷۔

''حمیری نے بہ سند صحیح امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہ رہے اور رحمت خدا کو بے حجاب دیکھے اور خدا بھی اس کی طرف بہ نظر رحمت دیکھے پس اس کو چاہیے کہ آل محمدؐ کو دوست رکھے اور دشمنان آلؑ محمدؐ سے دشمنی اختیار کرے اور ان اماموں میں سے اپنے زمانے کے امام کی پیروی کرے۔ پس جو شخص ایسا کرے گا تو یقیناً حق تعالیٰ اس پر رحمت کی نظر کرے گا، اور خدا کا کرم اور اس کی رحمت کی نظر اس شخص سے کبھی منقطع نہ ہوگی''۔

یہ امر تو واضح ہو چکا ہے کہ آئمہ معصومین علیہم السلام کے لئے ترک تقیہ ممکن نہ تھا۔ لہٰذا صرف چند آیات ہی ایسی ملیں گی جن کی حقیقی تفسیر یکجا بیان فرمائی ہو۔ البتہ کلمات کی حقیقت اس طرح بیان فرمادی ہے کہ ایک کلمہ کا حقیقی مفہوم کہیں بتلا دیا اور کسی دوسرے کلمہ کا مفہوم کسی دوسرے راوی کو کسی اور موقع پر بتلا دیا تا کہ عقل سے کام لینے والے طالبان حقیقت کلمات کو یکجا کر کے اصل مفہوم سمجھ سکیں مگر جو عقل سے کام

WWW.KHROOJ.COM

ہی نہیں لیتے ان کو تو پکی پکائی روٹی ہی نہیں چاہیے بلکہ کوئی شخص لقمہ بنا کر ان کے منہ میں ڈال دے۔ پھر ایسے بے عقلوں پر حقائق کیسے منکشف ہو سکتے ہیں۔

پس حدیث مذکور کا مطلب وہی سمجھ سکتا ہے جو کلمات کا حقیقی مفہوم جانتا ہو۔ دیکھیں ضیاء النفوس صفحہ ۲۰۱ ''نور سے مراد آئمہ آلِ محمدؐ ہیں۔ یہی وہ نور خدا ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ بخدا نور امامؑ مومن کے دل میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے''۔ (صفحہ ۲۰۳) ''نور سے مراد علیؑ ہیں'' (صفحہ ۲۰۵)

(صفحہ ۳۸۳) ''اللہ کی نعمت ہم ہیں''۔ (صفحہ ۲۸۹) ''خدا کا فضل تمہارا نبیؐ ہے اور اس کی رحمت علیؑ ابن ابی طالب ہیں''۔ ان احادیث کے علاوہ ارشاد جناب باری دیکھیں وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡن ۔ (اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت (بنا کر)

اب تو جس کے پاس سمجھنے والا دل اور دیکھنے والی آنکھیں ہوں گی وہ تو دیکھ لے گا اور سمجھ لے گا کہ حدیث مذکورہ بالا کا مفہوم حقیقی کیا ہے ''اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہ رہے''۔ یعنی وہ نور جو قلب کو گھیرے ہوئے ہے اس کی روشنی کا ادراک ہو جائے۔

''خدا بھی اس کی طرف بہ نظر رحمت دیکھے'' یعنی عین اللہ اس کی طرف نظر کرے کہ وہ نور امام بھی اس کے قلب پر شعاعیں ڈالے۔ یہ تو ان فقرات کا مفہوم ہو گیا مگر یہ نعمت اسی وقت میسر آ سکتی ہے جب ''اپنے امام زمانہ کی پیروی کرے'' ہم تو ایسے بد نصیب ہیں کہ اپنے امام زمانہ کو کبھی یاد نہیں کرتے اس کو کبھی پکارتے نہیں اس کی نصرت طلب نہیں کرتے اس کی طرف کبھی توجہ نہیں کرتے۔ ہماری یہ بدقسمتی ہے کہ

www.khrooj.com

ہمارے وقت کے امام بہ ظاہر ہمارے سامنے موجود نہیں اور مدعیان نیابت علماء فرماتے ہیں کہ ہم ان کی طرف رجوع کریں مگر یہ کہ دنیا کے معاملات میں وہ ہماری کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ وہ امام سے طلب نہ کریں اگر حوائج دنیا کے لئے اہل بیتؑ شہید ہیں حاضر و ناظر ہیں اور جب ان کو پکارتے ہیں تو وہ سنتے ہیں اور مدد کرتے ہیں تو دین کے معاملہ میں جس کی تبلیغ کے لئے وہ آئے ہیں اور جوان کا فریضہ ہے وہ ہماری کچھ مدد نہ کریں یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ کیا علماء میں سے اکثر کی مسائل فقہی میں جب انہوں نے امام سے نصرت طلب کی ہے اس نے مدد نہیں کی؟ طہارت ظاہری کے مسائل کے لئے لولگائی مشکل حل ہوگئی۔ اس نے القا کر دیا یا خواب میں ہدایت فرمادی۔ علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ تو لکھ گئے ہیں۔ ''چمگادڑ جیسی عقل اور آنکھ رکھنے والے آفتابِ امامت سے فیضیاب نہیں ہوسکتے ورنہ امام تو ہر وقت حاضر ہے''۔ (ضیا النفوس صفحہ ۱۷)

اب سمجھئے کہ وہ امانت جس کا بار آسمان زمین پہاڑ نہ اٹھا سکے اور انسان نے اس کو اٹھالیا وہ امام کا نور ہے جو قلب کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہی خدا کا نور ہے وہی نور کائنات ہے۔ اسی میں تمام علم ہے اسی میں قرآن ہے اور اس کو ہر بچہ سینے میں لئے ہوئے پیدا ہوتا ہے مگر افسوس کہ بہ مصداق قَدْ خَابَ مَنْ دسّٰھَا (گھاٹے میں رہا وہ جس نے اسے دبا دیا یا دبائے رکھا) انسان ٹوٹے ہی میں رہتا ہے جس نے غفلت کے حجابوں میں دبائے رکھا وہ تو دنیا و آخرت کے خسارے ہی میں رہے گا کتنی ہی آیات کا مفہوم تو اس کے شعور میں آجاتا ہے مثلاً وجعله اضحك وابكىٰ (اور اس کو ہنستا اور روتا بنایا) کیا بچہ کو کوئی ہنسنا اور رونا سکھاتا ہے اور دیکھیں لا تلقوا

بایدیکم الیٰ التھلکۃ (آپ اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو) کیا کوئی بچہ کو بتلاتا ہے کہ ہلاکت سے ڈرو نہیں یہ تو پڑھا ہوا آیا ہے۔ اب ذرا اس پر غور کریں اگر کوئی بچہ کسی کے تھپڑ مار دے اور مضروب اس کے بدلے میں بچے کو تھپڑ مارے تو وہ بچہ یہ کہے گا کہ اس نے مجھے کیوں مارا۔ وہ جانتا ہے کہ جو کام خود کریں اس سے دوسروں کو روکنا بے عقلی ہے۔ کیا یہی اس آیت کا مفہوم نہیں ہے۔ أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (کیا تم دوسروں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے نفسوں کو بھلائے ہوئے ہو حالانکہ تم کتاب فطرت کی تلاوت کرتے ہو۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے یا عقل نہیں رکھتے) غرضیکہ اس غفلت تامہ کی حالت میں جب کہ اس نور پر بڑے غلیظ و دبیز پردے پڑے ہوئے ہیں تھوڑا بہت شعور میں آ ہی جاتا ہے۔ حجاب خفیف ہو جائیں تو کچھ زیادہ شعور میں آنے لگے۔ پندرہ بیس آیات کا مفہوم تو مجھ جیسا جاہل بھی دکھا سکتا ہے کہ دنیا کا ہر بچہ بغیر سکھائے پڑھائے ہی جانتا ہے۔

اب دیکھنا اور سمجھنا چاہیے کہ معصوم کون ہوتا ہے۔ اس میں اور دیگر اشخاص میں کیا فرق ہوتا ہے پس جاننا چاہیے کہ جو بچہ اس حال میں پیدا ہو کہ اس پر غفلت و لاشعوری کے حجاب نہ ہوں بلکہ وہ علم کائنات یعنی وہ نور جو اس کے اندر امانت رکھا ہوا ہے اس کا اس کو ادراک کامل ہو اور اس نور حقیقت کا جو اس کے قلب کو گھیرے ہوئے ہے اس کو پورا احساس ہو اور اس کے قلب کے درمیان غفلت کے تاریک حجاب حائل نہ ہوں تو وہ بچہ حامل نور اور معصوم ہے۔ لہٰذا اس نور کے ادراک کی منازل میں تفاوت ہوتا ہے۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ارشاد ہے

۔فضلنا بعضھم علیٰ بعض (اور ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے) اس کی مثال ایسی سمجھ لیں کہ بجلی کے بلب مختلف طاقتوں کے ہوتے ہیں۔ روشن سب برق سے ہی ہوتے ہیں مگر ایک بیس واٹ کا ہے تو ایک ساٹھ، اسی یا سو کا اور ایک ہزار واٹ کا اور خاص طور سے بنایا جائے تو دس بارہ ہزار واٹ کا بھی ہوسکتا ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے مدارج بھی مختلف ہیں۔

الغرض معصوم جو حامل نور پیدا ہوتا ہے۔ وہ پیدا ہوتے ہی بول سکتا ہے اگر ضرورت ہو تو لوگوں پر ظاہر کردے گا کہ میں تمام علم لئے ہوئے آیا ہوں۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارے میں کلام نہیں کیا؟ جیسا کہ جناب رب العزت کا ارشاد ہے۔

قَالَ إِنِّیْ عَبْدُ اللَّهِ آتَانِیَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِيّاً (۳۰) وَجَعَلَنِیْ مُبَارَكاً أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِیْ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيّاً (۳۱) وَبَرّاً بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ يَجْعَلْنِیْ جَبَّاراً شَقِيّاً (۳۲) وَالسَّلَامُ عَلَیَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيّاً (۳۳) ...... المریم

(ترجمہ)۔(حضرت عیسیٰ نے) کہا میں خدا کا بندہ ہوں۔ مجھے اس نے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے اور مجھے مبارک قرار دیا۔ جہاں کہیں میں ہوں اور وصیت کی ہے مجھے نماز کی اور زکواۃ کی جب تک میں زندہ ہوں اور اپنی والدہ سے نیک سلوک کی اور مجھے سرکش شقی نہیں قرار دیا۔ سلام ہو مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا۔ اور جس دن مروں، اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں۔

اب اہل عقل ہی سمجھ سکتے ہیں کہ وہ نور کائنات جس کے اندر عامل ہو جائے جبکہ وہ خدا کی قوت ہے تو وہ بندہ کیا کچھ نہیں کرسکتا۔ جب وہ بول سکتا ہے بغیر اس کے کہ

زبان کا ایک لفظ سنا ہوتو کیا وہ کھڑا ہو کر چل نہیں سکتا مگر اس پر تو تقیہ واجب ہے کہ عام بچوں کی طرح وہ بھی شیر خوار ہی بنا رہے۔شاذ ونادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ کسی قوت کا اظہار کرے۔اس کا مقصد بھی ہدایت خلق ہی ہوتا ہے۔آیئے ایک بچے کو خانہ کعبہ میں دیکھیں پیدا ہوتے ہی کپڑے میں لپیٹ دیا جاتا ہے مگر ایک انگڑائی میں پھاڑ کر ٹکڑے کر دیتا ہے۔محبوب الٰہی کو گود میں آتے ہی تلاوت کلام الٰہی شروع کر دیتا ہے تمام صحف انبیاء اور ساری کتب منزلہ سابق اور تمام قرآن سنا دیتا ہے اور پھر نادان بچوں کی طرح گہوارے میں لیٹ جاتا ہے۔یہ ہے تفسیر اسی آیہ کی۔"مَکَرُواْ وَمَکَرَ اللّهُ وَاللّهُ خَيْرُ الْمَاکِرِيْنَ (انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی مکر کیا اور اللہ تو بہترین تدبیر کرنے والا ہے) عباد اللہ پر مکر واجب ہے اسی کو اولیاء اللہ کا تقیہ کہتے ہیں۔خانہ کعبہ میں اس کا ثبوت دے دیا کہ معصوم تمام علم کائنات لے کر پیدا ہوتا ہے۔اس کو اپنا جیسا نادان نہ جانو۔قوت وقدرت کا بھی ایک کرشمہ دکھا دیا۔گہوارے ہی میں اژدہے کو دو ٹکڑے کر دیا۔پھر بالا بن کر گہوارے ہی میں لیٹ رہے۔

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّد وَّ آلِ مُحَمَّد

علماء یہ احادیث لکھتے ہیں اور منبروں پر بیان کرتے ہیں مگر افسوس کہ وہ غور نہیں کرتے کہ جب امیر المومنینؑ تمام علم اولین و آخرین لے کر پیدا ہوئے تو کیا حضور سرور کائنات فخر موجودات محبوب رب العالمین سید الانبیاء والمرسلین رحمۃ للعالمین تمام علم ازل و ابد لئے ہوئے حامل نور پیدا نہ ہوئے ہوں گے۔امیر المومنینؑ نے تمام صحف انبیاء کتب سابقہ اور پورا قرآن تمام وکمال سنا دیا جس کو سنایا کیا اس کے

پاس یہ تمام علم نہ ہوگا۔ اب یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ، معاذ اللہ امی پیدا ہوئے ہیں۔ وہ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے اور یہ کہ ان پر تو جب بذریعہ وحی قرآن نازل ہونا شروع ہوا اس وقت جبریل امین سے پڑھنا شروع کیا۔ متکلمین اپنے اس قول کے ثبوت میں قرآن کی یہ آیت پیش کرتے ہیں۔

وَمَا كُنتَ تَتْلُو مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذاً لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ (۴۸) ...... العنکبوت

(ترجمہ) اور نہیں پڑھتے تھے تم اس سے (نزول قرآن سے) پہلے کوئی کتاب اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے اگر ایسا ہوتا تو جھٹلانے والے ضرور شک کرتے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَـئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْؤُولاً (۳۶) ...... بنی اسرائیل

اور اس کے پیچھے نہ پڑ و جس کا تمہیں علم نہ ہو۔

مَا كُنتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ (۵۲) ...... شوریٰ

(اے رسولؐ) تم تو نہ جانتے تھے کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے

متکلمین ان آیات اور ان کی امثال سے معاذ اللہ رسول کریم صلعم کی جہالت کا ثبوت دیتے ہیں۔ ان کو یہ پتہ نہیں کہ یہ آیات متشابہات ہیں محکم نہیں ہیں اور متشابہ کی پیروی کرنے والے بحکم قرآن گمراہ ہوتے ہیں ان کو یہ نظر نہیں آتا کہ آیہ مَا كُنتَ تَتْلُو ''۔ میں یہ کہاں ہے کہ نہ پڑھ سکتے تھے اور نہ لکھ سکتے تھے کسی تحریر یا کتاب کا نہ پڑھنا اور اپنے ہاتھ سے کچھ نہ لکھنا اور بات ہے اور اس کی اہلیت نہ ہونا اور بات ہے یہ آیت اس پر کہاں دلالت کرتی ہے کہ لکھنے پڑھنے سے عاجز تھے۔

باوجودیکہ امیرالمومنینؑ نے مظاہرہ کر کے دکھلایا کہ معصوم تمام علم اولین و آخرین لئے ہوئے پیدا ہوتا ہے پھر بھی علماء کی سمجھ میں نہیں آتا کہ معصوم پر تقیہ واجب ہوتا ہے وہ اپنے کمالات باطنی میں سے صرف اسی قدر ظاہر کرتا ہے جو ہدایت خلق کے لئے ضروری ہو اور ان ہی کیفیات کا اظہار کرے گا جن سے خلق اللہ کی گمراہی کا اندیشہ نہ ہو۔ افسوس کہ یورپ اور امریکہ میں تو ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ نفس انسان کی اگر کامل تربیت ہو جائے تو اس کو کسی علم کسی فن اور کسی زبان کے کسب سے حاصل کرنے کی احتیاج نہ ہوگی بلکہ اپنی قوت ادراک سے جس کی طرف توجہ کرے گا حاصل کر سکے گا مگر بعض علماء رسولؐ کردگار جو مجسم علم پیدا ہوئے جہالت کا اعلان کرتے ہیں۔

چونکہ حقائق کا اظہار اور واضح طور پر بیان کرنا عوام ناقص الفہم کے لئے مضر تھا اور ان کی گمراہی کا باعث ہو جاتا۔ لہٰذا رسولؐ و آلِ رسولؐ نے پردے میں اور اشاروں اور کنایوں میں حقائق بیان کر دیئے ہیں مگر علماء متکلمین کو جب کوئی حدیث محکم مبنی بر حقیقت نظر آتی ہے تو اس کی اپنے قیاس کے مطابق تاویل کر دیتے ہیں۔ حضرت علامہ اقبال مرحوم تو فرما گئے ہیں۔

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا دیتے ہیں پاژند

حضرت علامہ شیخ صدوق اعتقادیہ میں فرماتے ہیں۔ ''اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو قرآن کا مجمل علم دیا تھا''۔ گویا وہ تمام قرآن سینے میں لئے ہوئے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ متکلمین یہ بھی نہیں جانتے کہ رسول کریم پر جو وحی ہوتی تھی وہ تو یہ حکم ہوتا تھا کہ

اب یہ آیت یہ حکم امت کو پہنچا دو۔اگر تمام قرآن رسولؐ کریم کے سینے میں پہلے سے موجود نہ تھا تو ان آیات کے کچھ معنی ہی نہیں ہو سکتے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ(۱۶)إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ (۱۷)فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ (۱۸) ......القیٰمة

(ترجمہ)(اے رسول) اپنی زبان کو اس کے ساتھ) یعنی وحی کے ساتھ حرکت نہ دو تاکہ جلدی سے پڑھ لو اس کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے پس جب ہم پڑھ لیں تب تم اس کا اتباع کرو۔

پس اگر رسولؐ کے سینے میں تمام قرآن محفوظ نہ تھا تو اس کو وحی سننے سے قبل کیسے پڑھ سکتے تھے؟ یہ حکم اس لئے ہوتا ہے کہ اگر قبل وحی پڑھ لیں گے تو وہ ان کا کلام ہو جائے گا۔خدا کا کلام نہ رہے گا۔اب دوسری آیت دیکھیں۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِن قَبْلِ أَن يُقْضَى إِلَيْكَ وَحْيُهُ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْماً ......طٰہٰ ۱۱۴

(ترجمہ)(اے حبیب) جلدی نہ کرو قرآن پڑھنے میں اس سے پہلے کہ اس کی وحی پوری کر دی جائے۔اور یہ کہو کہ اے رب میرے علم کو زیادہ کر دے۔

اس آیت سے اس امر کی مزید تائید ہوتی ہے کہ تمام قرآن رسولؐ اللہ کے سینے میں محفوظ تھا وہ وحی کا ارشاد پاتے ہی پوری آیت یا سورہ پڑھ سکتے تھے۔پس اگر قبل اختتام وحی پڑھ لیتے تو وہ ان کا کلام ہو جاتا خدا کا کلام نہ ہوتا اور اصل تو یہ ہے کہ آیت یہ بھی متشابہ ہے اس سے ہم جاہلوں نادانوں پر اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ رسولؐ کریم کو قرآن کا پہلے سے علم تھا۔

دیکھیں ترجمہ مولوی فرمان علی صاحب جو اس آیت کے حاشیہ پر ہے۔ ''جب حضرت رسولؐ پر وحی نازل ہوتی تھی تو اس خیال سے کہ شاید وحی کا کوئی لفظ دھیان سے جاتا رہے۔ بعض الفاظ کو جبریل کے ساتھ دہرانے لگتے۔ اور اس وجہ سے جبریل کو ادائے وحی میں اشتباہ ہوتا اس بنا پر یہ آیت نازل ہوئی اور اسی سے ربط دے کر حضرت آدم کا قصہ شروع کر دیا جس سے مقصود یہ کہ انسان فطرتاً جلد باز اور غیر مستقل ہے اور اسی کو دوسری جگہ یوں فرمایا۔ خَلَقَ الْاِنْسَان عجولا۔ (انسان جلد باز پیدا کیا گیا ہے)''۔

ناظرین ذرا اس حاشیہ پر تنقیدی نظر ڈالیں۔ تا کہ ظاہر ہو جائے کہ متکلمین کی نظر میں خدا اور رسولؐ اور فرشتگان مقرب کی کیا وقعت ہے یہ فقرہ دیکھیں'' تو اس خیال سے کہ شاید وحی کا کوئی لفظ دھیان سے جاتا رہے''۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہوسکتا ہے کہ معاذ اللہ خود رسولؐ کا بھی اس پر ایمان نہ تھا کہ معصوم سہو ونسیان سے پاک ہوتا ہے۔ رسولؐ اللہ خود ہی ڈرتے تھے کہ کہیں بھول نہ جاؤں دوسرا فقرہ'' جبریل کو ادائے وحی میں اشتباہ ہوتا تھا'' ایک صاحب معرفت مومن بھی ایک وقت میں کئی آدمیوں کی بات سن لیتا ہے اور اس کو اشتباہ نہیں ہوتا مگر مولوی صاحب کے زعم میں جبریل امین کو دوران وحی رسولؐ اللہ کے بہت آہستہ کلمات کو دہرانے سے اشتباہ ہو جاتا تھا اور وہ وحی کو بھولنے لگتے تھے معاذ اللہ۔ تیسرا فقرہ ہے۔ ''مقصود یہ ہے کہ انسان فطرتاً جلد باز اور غیر مستقل ہے'' اس فقرے کا صاف مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ رسولؐ اللہ بھی فطرتاً جلد باز اور غیر مستقل ہے''۔ اس فقرے کا صاف مطلب یہ ہے کہ معاذ اللہ رسولؐ اللہ بھی فطرتاً جلد باز اور غیر مستقل تھے تب ہی تو قبل اختتام

وحی قرآن پڑھنے میں جلدی کیا کرتے تھے۔ بھلا مولوی صاحب کو یہ حاشیہ لکھنے کی کیا ضرورت تھی، نہ یہ کوئی روایت ہے نہ حدیث جو کچھ ان کے قیاس میں آتا ہے لکھ مارتے ہیں خواہ اس سے خدا کی، فرشتوں کی انبیاء کی یا آئمہ کی تنقیص ہو جائے۔

ممکن ہے کسی کو یہ وسوسہ پیدا ہو کہ جب حضور کو تمام علم ازل و ابد حاصل تھا تو علم کی زیادتی طلب کرنے کا کیا مطلب ہے۔ پھر تو یہ طلب بے معنی ہو جاتی ہے۔اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ معصوم کی زندگی کا ہر کام ہدایت خلق اور ان کی تعلیم کے لئے ہوتا ہے اسی کو مکر یا تقیہ کہتے ہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ وسوسہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب علم کے معنی معلوم نہ ہوں حضور سرور دو عالم کا ارشاد ہے "العلم نور یقذف اللّٰہ فی قلب من یشاء"۔ (علم وہ نور ہے جو خدا ڈالتا ہے جس کے دل میں وہ چاہے) یہی نور تو رحمت ایزدی ہے دیار رحمت کی طلب تو قیامت میں سب کرینگے اور ہمیشہ کرتے رہنا چاہیے۔اس کی رحمت کی تو انتہا ہی نہیں۔ قیامت میں نور طلب کرنے کا ذکر قرآن میں دیکھیں۔

يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ......التحریم ۸

اس دن جب خدا رسولؐ کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہ کرے گا۔ان کا نور ان کے آگے اور داہنے چل رہا ہوگا۔ وہ کہتے ہوں گے اے رب ہمارے ہمارے نور کو پورا کردے اور ہمیں بخش دے بے شک تو ہر شے پر قادر ہے۔

ظاہر ہے کہ علم کے معنی وہ روایات اور علمائے سلف کے قیاسی مباحث نہیں ہو سکتے جو استاد شاگرد کے ذہن میں ڈالتا ہے اب جو خدا کا بندہ ہوگا وہ خدا کے رسولؐ کی بتلائی ہوئی تعریف کو صحیح سمجھے گا کہ واقعی علم وہ نور ہے جو خدا مومن کے دل میں ڈالتا ہے۔ یہ راز کہ معصوم تمام علم ازل وابد لے کر پیدا ہوتا ہے۔ افشا کرنے کا نہ تھا کیونکہ اس کا بار اٹھانا اس وقت عوام کی استطاعت سے زیادہ تھا لہٰذا اس کو واضح طور پر کہیں بیان نہیں کیا گیا۔ البتہ حضرت عیسیٰ اور امیر المومنینؑ نے عملی طور پر مظاہرہ کر کے دکھلا دیا ۔ آئمہ طاہرین علیہم السلام نے عوام الناس کے سمجھانے کو پردے میں اس کا اظہار فرما دیا ہے کہ امام کو تمام علم کائنات پیدائش کے وقت ہی عطا کر دیا جاتا ہے ۔ دیکھیں احادیث مندرجہ ذیل

(۱) اللہ نے فرض کیا ہے اپنے اولیاء کی اطاعت کو اپنے بندوں پر اس کے بعد کیسے ممکن ہے کہ وہ اخبارات سمٰوات وارض کو اپنے اولیاء سے مخفی رکھے (الشافی ا صفحہ ۳۲۶ سطر ۱۷)

(۲) خدا کی شان اس سے ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ ایک بندے کی اطاعت تو فرض کرے اور آسمان و زمین کا علم اس سے چھپالے (الشافی جلد ا صفحہ ۳۲۷ سطر ۲۵)۔

(۳) امام پر نہ کسی آدمی کا کلام پوشیدہ رہتا ہے نہ پرندے کا نہ چوپائے کا نہ کسی اور جاندار چیز کا پس جس میں یہ خصوصیت نہیں وہ امام نہیں (الشافی صفحہ ۳۵۷ سطر ۱۴)

(۴) امام جب ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے تو اپنے ہاتھ زمین پر رکھتا ہے اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھاتا ہے جب ہاتھ زمین پر رکھتا ہے تو قبضہ میں کرتا ہے ہر اس علم کو جو خدا نے نازل کیا ہے آسمان سے زمین پر۔ جب منادی کی آواز رک جائے گی

تو وہ (امام) جواب دے گا میں گواہی دیتا ہوں ''گواہی دی اللہ نے اس امر کی نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ اور ملائکہ اور صاحبان علم نے گواہی دی کہ وہ واحد و یکتا ہے اور عدل کرنے والا ہے۔اس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔وہ عزیز و حکیم ہے''۔جب وہ (امام) یہ کہے گا تو خدا اس کو علم اولین و آخرین عطا فرمائے گا (الشافی جلد نمبر ا خلاصہ از صفحہ ۵۲۲ سطر ۱۶ تا صفحہ ۵۲۳ سطر ۹)۔

(۵) (ضیاء النفوس صفحہ ۳۲۰) علی ابن ابراہیم نے روایت کی ہے کہ بلد الطیب کی مثال آئمہ طاہرین کے لئے ہے ان کا علم بغیر کسی محنت کے الہام ربانی سے حاصل ہوتا ہے۔

ناظرین تو سمجھ جائیں گے کہ الہام ربانی تو پیدائش کے وقت ہی ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوَاهَا ۔(پس الہام کر دیں اس یعنی نفس انسان پر اس کی ساری برائیاں اور پرہیز گاری) مذکورہ بالا احادیث جو بہت سی احادیث میں سے چند ہیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ امام معصوم کو تمام علم کائنات پیدائش کے وقت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس سے کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔ قرآن کی حدیث کی فطرت کی اور روحانیین مغرب کی شہادت سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ انسان کامل کو خارج سے کسب کی احتیاج نہیں ہوتی۔اب تو ہر ذی فہم شخص سمجھ لے گا کہ یہ احادیث محکم اور مبنی بر حقیقت ہیں اور جن آیات و احادیث سے ان کے خلاف ظاہر ہو وہ متشابہ اور مبنی بر تقیہ ہوں گی۔ایسی احادیث کی بھی چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

(ا) فرمایا ''اس سے مراد ہیں آئمہ آلؑ محمدؐ اور ان کو حکم ہے کہ ہر امام اپنے بعد

والے امام کو اسرار الٰہیہ تعلیم کر دے''۔ (الشافی جلد ا سطر ۳۴۵ سطر ۸)

(۲) ''خدا نے امام اول کو حکم دیا ہے کہ وہ اسرار امامت اپنے بعد والے امام کو پہنچا دے'' (الشافی صفحہ ۳۴۵ سطر ۱۸)

(۳) ''جب کوئی امام مرتا ہے تو اللہ اس کو بتا دیتا ہے کہ اس کا وصی کون ہے'' (الشافی صفحہ ۳۴۵ سطر ۲۹)

(۴) راوی کہتا ہے میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا امام اپنے پہلے امام کے تمام علوم کو کب پاتا ہے۔ فرمایا ''اس کی زندگی کے آخر وقت''۔ (الشافی جلد ا صفحہ ۳۴۳)

(۵) فرمایا ابو عبداللہ علیہ السلام نے امام اپنے سے پہلے امام کے علوم کو اس کی زندگی کے آخری لمحہ میں جانتا ہے۔ (صفحہ ۳۴۳ سطر ۶) اس کے آگے مترجم صاحب اپنی معرفت کا اظہار فرماتے ہیں لکھتے ہیں۔ ''یعنی جب ایک امام مرنے لگتا ہے تو وہ اپنے بعد ہونے والے امام کو اسرار امامت تعلیم کرتا ہے''۔

(۶) حدیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام۔ ''فرمایا ہاں ایک وقت ایسا تھا کہ حضرت (یعنی رسولؐ کریم) نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے یہاں تک کہ خدا نے اس روح کو بھیجا جس کا ذکر قرآن میں ہے۔ پس اس کے وحی کرتے ہی آپ کو علم و فہم ہو گیا''۔ (الشافی جلد ا صفحہ ۳۴۲ سطر ۱۲)

(۷) امام رضا علیہ السلام سے ایک مرد فارسی نے پوچھا۔ کیا آپ غیب جانتے ہیں؟ فرمایا ''امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب ہمارا علم کشادہ ہوتا ہے تو ہم جانتے ہیں اور جب ایسا نہیں ہوتا تو ہم نہیں جانتے'' (الشافی جلد ا صفحہ ۳۱۹)

www.khrooj.com

(۸) سائل نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا۔ کیا امام غیب جانتا ہے؟ فرمایا ''نہیں لیکن جب وہ بتانے کا ارادہ کرتا ہے تو اللہ اسے آگاہ کر دیتا ہے۔'' (الشافی جلد اص ۳۲۱)

(۹) سدیر سے مروی ہے میں اور ابو بصیر وغیرہ مجلس ابو عبداللہ علیہ السلام میں تھے حضرت غضبناک گھر میں سے برآمد ہوئے اور آپ نے بھری مجلس میں فرمایا ''مجھے تعجب ہے ان لوگوں پر جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم غیب جانتے ہیں۔ غیب کا حال تو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ میں نے ایک بار ایک کنیز کو مارنا چاہا وہ بھاگی مجھے علم نہ ہوا وہ کسی گھر میں جا چھپی''۔ (الشافی صفحہ ۳۲۰ سطر ۱-۱۸)

(۱۰) امیر المومنین علیہ السلام کی بڑی مشہور حدیث ہے علمنی رسول اللّٰہ زقاً زقاً (مجھے رسولؐ اللہ نے علم ایسے سکھایا ہے جیسے طائر اپنے بچوں کو دانہ بھراتا ہے) یہ حدیث بہ کثرت علمائے شیعہ واہل سنت نے نقل کی ہے۔

ایسی احادیث تو بکثرت وارد ہوئی ہیں جن میں ظاہر کیا گیا ہے کہ لوح محفوظ سے اسرافیل کے ذریعے سے وحی جبریل امین کو پہنچتی ہے وہ رسولؐ اللہ تک پہنچاتے ہیں ۔رسولؐ اللہ سے تمام علم امیر المومنینؑ کو پہنچا پھر سلسلہ بہ سلسلہ ایک امام سے دوسرے امام تک پہنچتا رہا۔ اب ایک حدیث کا اقتباس اور پیش کرتا ہوں۔ یہ حدیث سلیم بن قیس ہلالی سے مروی ہے اور اعتقادیہ شیخ صدوق اشاعت کردہ مکتبہ امامیہ اردو بازار لاہور میں صفحہ ۲۲۲ سطر ۹ سے شروع ہو کر صفحہ ۲۳۶ سطر ۱۶ پر ختم ہوتی ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۲۳۹ سطر ۱۷ تک اس کی توثیق تحریر فرمائی ہے کہ امام حسین علیہ السلام، امام زین العابدین علیہ السلام اور امام محمد باقر علیہ السلام میں سے ہر

بزرگوار نے اپنے زمانے میں اس کو سن کر اس کی تصدیق فرمائی ہے۔اس حدیث کے بعض اقتباسات پیش کرتا ہوں۔صفحہ۲۲۲ اور ۲۲۳ کا اقتباس یہ ہے۔

سلیم بن قیس نے رسولؐ اللہ کی احادیث میں راویوں کے اختلاف بیان کا سبب امیر المومنین علیہ السلام سے دریافت کیا تو آنحضرتؐ نے اختلاف کے اسباب کی تفصیل بیان فرمائی جو صفحہ ۲۲۳ سے ۲۳۱ پر ختم ہوتی ہے۔ان اسباب میں سے بعض یہ ہیں۔

''ان آدمیوں (راویوں) کے پاس حق بھی ہے باطل بھی ہے، سچ بھی ہے جھوٹ بھی ہے، ناسخ بھی ہے منسوخ بھی ہے، خاص بھی ہے عام بھی اور محکم بھی ہے متشابہ بھی''۔پھر فرمایا ''جب یہ آیت نازل ہوئی۔يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُم ...... ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ۔(یعنی اے ایمان والو ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کیا کرو کہ وہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تم کو بُرا معلوم ہوگا۔اگر قرآن نازل ہوتے وقت دریافت کیا کرو گے تو تمہارے لئے وہ باتیں ظاہر کر دی جایا کریں گی۔ان کو خدا نے عفو کر دیا۔خدا بخشنے والا حلیم ہے۔تم سے پہلے لوگوں نے بھی ایسی باتیں پوچھی تھیں پھر لوگ ان سے منکر ہو گئے)الغرض سوال کرنے سے ان کو ممانعت کر دی گئی اور میں تو رسولؐ اللہ کی خدمت میں ہر شب حاضر ہوا کرتا تھا اور سارے صحابہ کو خبر تھی کہ وہ جناب میرے سوا کسی سے تخلیہ نہیں کرتے تھے اور جب میں سوال کرتا تو حضرت جواب دیتے تھے اور جب میں خاموش ہو جاتا میرے مسائل ختم ہو جاتے تو وہ حضرت خود ابتدا فرماتے تھے''۔

غرض صفحہ ۲۳۲ کا لب لباب یہ ہے کہ تمام احکام حلال و حرام امر و نہی گزشتہ اور آئندہ کے حالات سب آنحضرت نے امیر المومنینؑ کو تعلیم فرمائے (صفحہ ۲۳۳ کا

لب لباب یہ ہے)جب آنخضرتؐ ان باتوں کی خبر دیتے تو اپنا دست مبارک حضرت علیؑ کے سینے پر رکھ کر خدا سے دعا کرتے ''الٰہی تو اس کے دل کو علم وفہم اور نور وحلم وایمان سے مملو کر دے''۔حضرت علیؑ نے ایک دن عرض کیا۔''یا رسولؐ اللہ کیا آپ کو میرے نسیان کا خوف ہے''۔فرمایا ''نہیں خدائے عزوجل نے مجھے خبر دی ہے کہ اس نے میری دعا تمہارے حق میں اور تمہارے شریکوں کے حق میں جو تمہارے بعد ہوں گے قبول فرمائی''۔میں نے عرض کی ''وہ میرے شرکاء کون ہیں؟'' اب صفحہ ۲۳۴ سے ۲۳۵ کے نصف تک آئمہ علیہم السلام کے اوصاف بیان فرمائے ہیں پھر صفحہ ۲۳۵ پر ہے۔''میں نے عرض کی ان کے نام مجھے بتلا دیجئے۔'' تب جناب رسالتمآبؐ نے امیر المومنینؑ کو ان کے بعد آنے والے گیارہ اماموں کے نام تعلیم فرمائے اب صفحہ ۲۳۶ پر حدیث ختم ہوتی ہے۔

یہ حدیث بہت معتبر ہے ہمارے علماء متکلمین صدق دل سے اس پر ایمان لاتے ہیں۔ حدیث مذکورہ بالا واقعی صحیح اور مستند حدیث ہے۔امام محمد باقر علیہ السلام تک ہر امام نے اس کی تصدیق وتوثیق فرمائی ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ یہ حدیث مبنی بر حقیقت ہے کہ مبنی بر تقیہ؟ اس حدیث کو مبنی بر حقیقت وہی شخص سمجھے گا جو عقل سے کورا ہو۔بھلا امیر المومنینؑ ،سید الاولیاء ولی مطلق جو پیدا ہوتے ہی تمام صحف انبیاء جملہ کتب سماوی اور پورا قرآن محبوب کردگار کو سنا دے وہ تو علوم کو جوان ہو کر ایسا بھول جائے کہ رسولؐ کریم سے شب وروز سبق پڑھنے اور حفظ کرنے میں مصروف رہے امیر المومنینؑ سید العارفین کو اس کا بھی علم نہ ہو کہ میرے بعد خلفاء اللہ اولیائے مطلق کون ہوں گے۔حالانکہ ازل سے سب انوار ساتھ رہے۔حدیث کی صحت میں کوئی

WWW.KHROOJ.COM

شک نہیں ہے۔ ناواقف عوام، کم فہم احمق افراد اور منافقوں پر اتمام حجت یا ان کی ہدایت کے لئے ایسا ہی ظاہر کرنا لازمی تھا۔ اگر ایسا عمل نہ کرتے اور ایسی باتیں نہ کہتے تو باب ہدایت مسدود ہو جاتا ہے مگر آئمہ علیہم السلام کے زمانہ شہود کے بعد یعنی غیبت کبریٰ کے بعد تو مشابہات اور احادیث مبنی بر تقیہ پر عقائد کی بنیاد قائم رکھنا ضروری نہ تھا۔ اور اب اس علم و دانش کے زمانے میں تو ضرورت زمانہ مجبور کر رہی ہے کہ نو جوانوں کو لا مذہبیت اور دہریت سے بچانے کے لئے احادیث محکم مبنی بر حقیقت کی طرف متوجہ کرائیں ان کے سوائے متشابہ اور مبنی بر تقیہ احادیث و روایات کو ترک کر دیں۔ حدیث مذکورہ بالا ہی کو دیکھ لیں کہ وہ مبنی بر تقیہ ہے اب اس زمانے میں جس نے اس کو مبنی بر حقیقت سمجھ لیا اس نے گویا تمام فضائل امیر المومنین علیہ السلام سے حتی کہ عصمت سے بھی انکار کر دیا۔ صاحبان عقل و فہم تو سمجھ لیں گے کہ یہ حدیث مبنی بر تقیہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلّی عَلیٰ مُحَمَّدٌ وَّ آلِ مُحَمَّدٌ

www.khrooj.com

(۱۱) حضرت آدم کا شجرِ ممنوعہ سے پھل کھانا

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَـٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ......الاعراف ۱۹

(ترجمہ) اے آدم تو اور تیرا ساتھی جنت میں رہو۔ پس جہاں سے چاہو کھاؤ۔ مگر اس درخت سے تقرب نہ کرنا۔ ورنہ اپنا نقصان کرنے والے ہوگے۔

فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْءَاتُهُمَا...... الاعراف ۲۲

(ترجمہ) پس اس نے (شیطان نے) مائل کیا ان دونوں کو دھوکے سے پس جب چکھا انہوں نے درخت (کا پھل) ان کے ستر کھل گئے۔

حاشیہ ترجمہ فرمان علی صاحب ''دھوکے کا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے کسی کو جھوٹی قسم کھاتے نہ دیکھا تھا نہ سنا تھا۔ اسی وجہ سے باور کرلیا کہ اتنی بڑی قسم خدا کی کوئی جھوٹی کیونکر کھائے گا''۔

اس کے بعد آیت يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْءَاتِكُمْ وَرِيشًا ...... (الخ) کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ ''اس سے کوئی خاص کپڑا مقصود نہیں معلوم ہوتا بلکہ باطنی صفت ہے اور لفظ لباس استعارہ ہے کیونکہ جس طرح ظاہری لباس کسی قدر جسمانی عیوب کو چھپا لیتا ہے۔ اسی طرح پرہیزگاری سے باطن کے عیوب اور بداخلاقیاں دور ہوتی ہیں اسی وجہ سے ایک حدیث میں ہے کہ لباس سے مراد وہ کپڑے ہیں جو تم پہنتے ہو اور ریش سے مال و متاع اور لباس تقویٰ سے عفت

کیونکہ صاحب عفت کا ستر ظاہر نہیں ہوتا اگرچہ برہنہ ہو اور بدکار کا ستر ظاہر ہو جاتا ہے اگرچہ کپڑے بھی پہنے ہو"۔

آخری حاشیہ میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ لباس استعارتاً استعمال ہوا ہے اب اصل مطلب کی طرف رجوع کریں سوال یہ ہے کہ وہ درخت کونسا تھا جس سے حضرت آدم نے پھل کھایا۔اس کے متعلق "آثار حیدری" ترجمہ تفسیر منسوب بہ امام حسن عسکری میں صفحہ ۱۹۴،۱۹۵ پر ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ کونسا درخت تھا۔ روایت کا لب لباب یہ ہے۔"اس کے متعلق مختلف روایات وارد ہوئی ہیں کسی میں ہے گیہوں کا تھا کسی میں انگور کسی میں انجیر کسی میں عناب وغیرہ مگر حقیقتاً وہ شجر علم تھا جو مخصوص ہے محمدؐ و آلِ محمد صلیہم السلام کے لئے"۔اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ وہ شجرہ نوری تھا جس سے پھل حضرت آدم نے کھایا اور اس کا پھل علم ہے جیسا کہ آیات سابقہ کی تفسیر میں واضح ہو چکا ہے۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک مشہور حدیث میں ہے کہ "وہ درخت جس سے پھل حضرت آدم نے کھایا عام درختوں سے نہ تھا بلکہ نخلِ ولایت تھا"۔

منزلِ ولایت چہاردہ معصومین علیہم السلام کے لئے مخصوص ہے۔شجرہ نوری بھی ان کے نور کا شجرہ ہے۔اسی شجرہ نوری سے حضرت آدم نے علم کا پھل کھایا۔یعنی کوئی خاص علم حاصل کیا اس پر اکثر حضرات کو وساوس پیدا ہوں گے کہ یہ کیا معمہ ہے ۔انوار محمدؐ و آلؑ محمدؐ سے علم حاصل کرنا ترک اولیٰ کیسے ہو گیا۔ یہاں تک کہ خدا نے کہہ دیا فَعَصٰی آدَمُ رَبَّہُ فَغَوٰی (پس آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس بے راہ ہو گیا) طٰہٰ ۱۲۱

تو معاملہ یہ ہے کہ بچپن سے متشابہات کی تفسیریں سنتے رہنے کی وجہ سے حقائق کا سمجھنا بہت دشوار ہو جاتا ہے اور بڑی مشکل یہ ہے کہ حقائق کھول کر بیان نہیں کئے جا سکتے البتہ جہاں تک الفاظ میں واضح کرنا ممکن ہے لکھنے کی کوشش کروں گا۔

نفس انسان کی فطرت ہے کہ حواس خمسہ ظاہری کے ذریعے سے جو نقوش اس پر نقش ہوتے رہتے ہیں ان سے بہت محبت ہوتی ہے غیر محسوس عالم یا اشیاء کے متعلق جو کچھ بہ تکرار سنتا رہتا ہے اس کے نقوش اس پر بہت گہرے بن جاتے ہیں اور وہی اس کے عقائد راسخہ ہو جاتے ہیں ان کے خلاف کچھ سننے کو تیار نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تو وہ خلاف بولنے والے کا دشمن ہو جاتا ہے۔ اگر کسی مخالف کے توجہ دلانے سے اس کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ میرے عقائد راسخہ صحیح نہیں ہیں تو بڑی وحشت اور گھبراہٹ طاری ہوتی ہے ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ ان عقائد کی تائید تلاش کرے اور حقائق کے خلاف تاویلیں کرتا ہے تاکہ اضطرار دفع ہو اور سکون حاصل ہو جائے

قرآن کی آیات متشابہات میں مشکل ترین مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ آدم و شیطان کا قصہ ہے جس کی متشابہ تفسیریں اور توضیحیں بہ کثرت مسلسل سنائی جاتی ہیں ۔لہٰذا اس کے نقوش ہر نفس میں بہت گہرے بیٹھے ہوئے ہیں ۔اسی لئے اس کی حقیقت کا سننا بھی مشکل ہے اس قصہ کی حقیقت کے اظہار کے لئے طویل تمہید کی ضرورت ہوگی ۔سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ کسی بات کی صداقت اور حق ہونے پر ایسی کونسی دلیل ہوسکتی ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو سکے اور اس پر یقین کامل ہو جائے ۔غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دلائل میں سب سے پہلی قسم تو دلائل نقلی کی ہے کہ فلاں کتاب میں منقول ہے ۔فلاں بزرگ نے ایسا فرمایا ہے ۔فلاں

www.khrooj.com

روایت میں آیا ہے مگر روایات میں تو شدید اختلافات ہیں اور حق میں اختلاف ہونہیں سکتا۔لہٰذا دلائل منقولہ پر یقین کامل نہیں ہوسکتا۔

دوسری قسم براہین عقلیہ ہیں۔جملہ امور میں عقل ہی انسان کی رہبری کرتی ہے مگر غیر محسوس عالم کے متعلق عقل کی ہدایت بھی لائق وثوق نہیں۔دنیا میں مختلف مذاہب ہیں اور ہر مذہب میں بڑے بڑے مفکر، سیاستداں اور عقلاء موجود ہیں۔ان کے اندر اختلاف باقی رہے ہیں۔یہ اختلاف ہی اس امر کی دلیل ہے کہ عموماً عقل تخیل ذہنی کے ماتحت دبی رہتی ہے اور نفس میں راسخ شدہ عقائد کے ثبوت اور دلائل مہیا کرنے میں مصروف رہتی ہے۔لہٰذا عقلی استدلال احقائق حق میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوتا۔جب تک کہ راسخ عقائد کے تعصب سے رستگاری نہ ہو۔اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ کونسے دلائل ہیں جن پر ہر کہ دمہ یقین لاسکتا ہے۔دیکھئے مچھلی انڈے سے نکل کر تیرنے لگتی ہے، چوزہ انڈے سے باہر آتے ہی دانا چگنے لگتا ہے، بچہ پیدا ہوتے ہی روتا ہے۔ان کو کون سکھاتا ہے؟اس کے لئے دنیا کا ہر شخص یہی کہے گا کہ ''فطرت'' سکھاتی ہے۔کیا اس میں کوئی شک وشبہ ہوسکتا ہے۔نہیں ہرگز نہیں۔فطرت ہی وہ حق وصداقت ہے کہ دنیا کا کوئی فرد خواہ کسی قوم وملک کسی رنگ ونسل، کسی مذہب وملت سے تعلق رکھتا ہو اس سے انکار نہیں کرسکتا۔اس پر تمام عالم انسانیت کا اتفاق واجماع ہے۔لہٰذا دلائل فطری ہی حق ہیں۔ان کے قبول کرنے سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا۔قرآن وحدیث میں بھی اسی طرف دعوت دی گئی ہے۔دیکھیں جناب باری تعالیٰ عزاسمہ کا فرمان ہے۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفاً فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ

WWW.KHROOJ.COM

لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ الروم۳۰
(ترجمہ) پس قائم کرلے اپنے نفس (یا توجہ) کو دین کے لئے یکسو ہو کر۔ اللہ کی وہ فطرت جس پر لوگوں کو پیدا کیا اللہ کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یہی تو اصل مضبوط دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اس آیہ مبارکہ میں خاص کلمہ ''وجہ'' جس کے معنی ہیں ''اگلا حصہ'' چہرہ یا نفس'' دوسرا کلمہ ہے۔''حنیف'' ایک کا ہو جانا، ایک طرف ہو جانا جس کا مفہوم ہوتا ہے'' یکسو ہو جانا'' طبیعت کی یکسوئی توجہ کی یکسوئی ہے۔اب متکلمین کے تراجم ملاحظہ فرمائیں

(ترجمہ مولوی مقبول احمد صاحب) ''پس اے نبیؐ تم خالص دل سے دین کی طرف اپنا رخ کئے رہو۔خدا کی بنائی ہوئی سرشت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔خدا کی بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔راہ مستقیم یہی ہے لیکن بہت سے لوگ علم نہیں رکھتے''۔

اس ترجمہ سے یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ یہ حکم رسولؐ کے لئے ہے ہم سے اس کا تعلق نہیں ہے۔البتہ یہ فقرہ حق سے قریب ہے کہ ''خالص دل سے رخ کئے رہو''۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس سے توجہ قلبی ہی مراد ہو سکتی ہے۔

ترجمہ مولوی فرمان علی صاحب بھی ملاحظہ فرمائیں۔

''تو اے رسولؐ تم باطل سے کترا کر اپنا رخ دین کی طرف کئے رہو۔یہی خدا کی بناوٹ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی (درست کی ہوئی) بناوٹ میں (تغیر) تبدل نہیں ہو سکتا۔یہی مضبوط اور بالکل سیدھا دین ہے مگر بہت سے لوگ نہیں جانتے''۔

غور کریں کہ اس ترجمہ سے کیا کسی شخص کے لئے اس کا امکان ہے کہ وہ یہ سمجھ سکے کہ رب العزت ہمیں فطرت کی پیروی کا حکم دے رہا ہے۔ وہ فطرت جو اس نے انسان میں ڈالی ہوئی ہے یہی وہ علم ہے جو بچہ بغیر کسی کے سکھائے جانتا ہے یہی وہ ہے جو خالق کی طرف سے الہام کیا ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ ونفس وما سواھا۔ (قسم ہے نفس اور اس کی جس نے اسے پورا کامل بنایا) فالھمھا فجورھا وتقواھا۔ (پس الہام کر دیں اس پر ساری اس کی بداعمالیاں اور پرہیزگاری) اور حضور سرور کائناتؐ کا ارشاد ہے کل مولود یولد علیٰ فطرۃ الاسلام۔ (ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے) اسی علم فطری کی پیروی عین دین اور اسلام ہے مگر یہاں بھی دشواری یہ پیدا ہوتی ہے کہ غفلت ولاشعوری کے باعث اس الہامی علم فطری کا احساس وشعور نہیں ہوتا۔ ارشاد رب العزت ہے قد افلح من زکّٰھا (فلاح اس نے پائی جس نے اس کو پاک کیا) جب نفس غفلت کی نجاست سے پاک ہوگا تو اس کو اپنے علم فطری کا احساس ہوگا تب ہی تو اس کے مطابق عمل کر سکے گا۔ اسی کے لئے تو حضور سرور کائنات کا فرمان ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ (جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا) معرفت نفس اس علم کی پہچان ہے جو اس کے اندر ودیعت کیا ہوا ہے۔ خدا اور رسولؐ کے فرمان کی رو سے اسی فطرت کی پیروی دین اسلام ہے مگر جو روایات کے پھندے میں پھنس جائیں ان کو دین حق کی طرف توجہ کیسے ہو سکتی ہے متکلمین کے علوم میں کسی ایک کیفیت کا بھی تذکرہ موجود نہیں حالانکہ قرآن وحدیث سے واضح ہوتا ہے کہ دین اسلام تو معرفت نفس اور اس علم فطری کی پیروی ہے جو نفس پر الہام کیا ہوا ہے۔

اب اس امر کی تائید میں کہ دلائل فطری ہی حق ہیں اہل بیت علیہم السلام کی احادیث بھی دیکھ لیں ۔حضرت علامہ محمد حسین صاحب اپنی کتاب ''احسن الفوائد'' فی شرح عقائد شیخ صدوق میں صفحہ ۱۶۰-۱۶۱ پر نقل فرماتے ہیں ''بروایت عبداللہ بن سنان حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے اس حقیقت کی مختصر توضیح یہ ہے کہ اس وقت دنیا کے اندر بہت مذاہب اور ادیان پائے جاتے ہیں اور ہر دین اس کا مدعی ہے کہ وہی دین خدا کا پسندیدہ دین ہے اور وہی انسانوں کو دنیوی نجاح اور اخروی فلاح کا کفیل ہے اور یہ کہ وہی برحق اور دوسرے ادیان باطل ہیں سچ ہے کل حزب بما لدیهم فرحون لیکن ان کے اصول وفروع کا باہمی اختلاف اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ نہ تو یہ سب مذاہب صادق ہو سکتے ہیں اور نہ ہی سب کاذب ،اندریں حالات عقل سلیم مجبور کرتی ہے کہ کوئی ایسا معیار ہونا چاہیے جس سے سچے اور جھوٹے مذہب کے درمیان امتیاز قائم کیا جا سکے۔اب یہ معیار و میزان کس چیز کو قرار دیا جائے ۔ یہ امر بہت غور طلب ہے اگر آسمانی کتب کو معیار قرار دیا جائے تو اتفاق نہ ہو سکے گا ہر صاحب دین علیحدہ کتاب پیش کر دے گا۔اگر علماء کو معیار قرار دیا جائے گا تو ان کا باہمی اختلاف معلوم ۔اگر عقول وافہام کو کسوٹی بنایا جائے تو ان کا افتراق مشاہد ومحسوس ۔ میعار تو ایسا ہونا چاہیے جسے ادیان بخوشی قبول کر لیں اور ہر شخص خواہ جس مسلک کا سالک ہو جس ملک کا ساکن ہو اور جس نسل کا فرد ہو اس معیار کو بے چوں و چرا تسلیم کر لے ۔ بہ نظر غائر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایسا جامع ومانع مکمل معیار سوائے فطرت صحیحہ اور کوئی نہیں ۔یہی فطرت سلیم ہی وہ چیز ہے جو بلا امتیاز رنگ ونسل بلکہ افتراق ملک وملت بلا تمیز مرد وزن سب میں یکساں

WWW.KHROOJ.COM

طور پر پائی جاتی ہے لہٰذا یہی فطرت سلیم ہی وہ چیز ہے جو بلا امتیاز رنگ ونسل بلکہ افتراق ملک وملت بلاتمیز مرد وزن سب میں یکساں طور پائی جاتی ہے لہٰذا یہی فطرت ہی معیار حق و باطل بننے کی صلاحیت رکھتی ہے''۔

افسوس ہے کہ علمائے متکلمین نے اسی دین فطرت کو نظر انداز کرتے ہوئے عقائد مذہبی کی بنیادیں موضوعات ومتشابہات اور احادیث مبنی بر تقیہ پر قائم کی ہوئی ہیں وہ محکمات اور احادیث مبنی بر حقیقت کو جو مطابق فطرت ہیں لائق اعتنا نہیں سمجھتے۔ حضرت صادق علیہ السلام کی مذکورہ بالا حدیث نقل کرنے کے بعد علامہ اس کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔

دین اسلام کے فطری ہونے کا اثبات بطریق احسن

پس جب امر مبرہن ہو گیا تو اب ہم ببانگ دُہل اور بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ فقط دین اسلام ہی اس پر پورا اترتا ہے اور تنہا یہی دین فطرت کہلا سکتا ہے اور خالق فطرت کا مقرر کردہ آئین ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ باقی جس قدر ادیان ہیں وہ اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔ اس دعوے کو متعدد طریق واسالیب سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ بہ نظر اختصار ہم یہاں چند طریق کا اجمالی تذکرہ کرتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت علامہ صاحب نے تین صفحات سیاہ کر کے چار طریق تحریر فرمائے ہیں جن میں سے کسی ایک میں بھی فطرت کی مبتدیات کا بھی ذکر نہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ اپنے دعوے کے ثبوت میں یہ دکھلاتے کہ ہر بچہ یہ فطرت لئے ہوئے پیدا ہوتا ہے اور یہی دین اسلام ہے۔ خالق نے تو بتلا دیا ہے کہ اس علم فطری کی متابعت جو نفس

انسان پر الہام کیا ہوا ہے حقیقی دین اور اسلام ہے مگر اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے اور علماء بھی ان اکثر الناس لا یعلمون میں شامل ہیں ۔کیا متکلمین میں سے کوئی بھی ثابت کرسکتا ہے کہ قدرت نے نفس پر الہام کیا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں ڈنڈی ترازو لے کر اعمال تولیں گے اور پل صراط پر دوڑا کرنٹ کا تماشا دیکھیں گے ۔ذیل میں درج ہیں وہ آیات قرآنی جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ فطرت نہیں بدلتی ۔

(۹) لا تبدیل لخلق اللّٰہ یہ فطرت ہی کا ذکر ہے کہ اللہ کی خلقت میں تبدیل نہیں ہو سکتی ۔

() ولن تجد لسنۃ اللّٰہ تبدیلا (اللہ کے قانون میں کبھی تغیر نہ پاؤ گے)۔

ان آیات محکم کو تلاوت کرتے رہنے کے باوجود علمائے متکلمین یہی کہتے رہتے ہیں کہ فطرت بدل جاتی ہے

۱۹۴۲ء سے قبل علمائے لکھنو اور شیعوں کے تعلیم یافتہ طبقہ کے درمیان یہ بحث ایک عرصہ تک جاری رہی ۔علماء کہتے تھے فطرت بدل جاتی ہے تعلیم یافتہ طبقہ کہتا تھا کہ فطرت نہیں بدلتی ۔اگر ناظرین کو اس کلام میں شک ہو تو حضرت علامہ محمد حسین صاحب کی مذکورہ بالا کتاب ''احسن الفوائد'' کے صفحہ ۱۵۸ سطر ۲۲ پر ملاحظہ فرمالیں لکھا ہے ۔

''اب یہ فطرت اکثر اوقات تو اپنی اصلی حالت پر برقرار رہتی ہے مگر کبھی کبھی وہ بعض وجوہ کی بنا پر بدل بھی جاتی ہے'' ۔

متشابہ آیات واحادیث اور احادیث موضوعہ اور مبنی بر تقیہ کی تفسیریں اور تشریحیں سنا سنا کر متکلمین نے جو عقائد راسخ کر دیئے ہیں ان کو ذہن سے نکال دینے کی سعی

www.khrooj.com

ضروری ہے کیونکہ جب تک ذہن ان عقائد سے پاک نہ ہوجائے حقائق کا سننا مشکل ہے اس لئے کہ جب تک غلط بنی ہوئی بوسیدہ عمارت گرانہیں دی جاتی نئی عمارت صحیح خطوط پر بن ہی نہیں سکتی۔

آدم وشیطان جنت ودوزخ کے متعلق بہت تکرار سے متشابہات کی تشریحیں اور قیاسی تفسیریں علماء بیان فرماتے رہتے ہیں اور یہ نقوش سامعین کے ذہن میں بہت گہرے بیٹھ جاتے ہیں۔لہٰذا حقائق سننے سے وحشت ہوتی ہے پس اگر حقیقت سننا چاہتے ہیں تو سابقہ عقائد سے ذہن کو پاک کرلیں اور سمجھ لیں کہ وہ تمام تر متشابہات پر مبنی تھے جن کی پیروی قرآن وحدیث کی رو سے گمراہی ہے۔اب حقائق دیکھیں۔

جنت کی حقیقت

یہ امر تو واضح ہو چکا ہے کہ فطرت ہی حق ہے جس کو حق کی تلاش ہو اور آیات الٰہی کی جستجو ہو اس کو چاہیے کہ اپنے نفس کے اندر ہی تلاش کرے اسی میں اس کو آیات الٰہی نظر آجائیں گی۔جناب باری تعالیٰ عزاسمہ کے واضح احکام کلام پاک میں موجود ہیں۔جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَفِيْ الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِيْنَ ......الذریت ۲۰

(ترجمہ)اور زمین میں نشانیاں ہیں صاحبان یقین کے لئے۔

وَفِيْ أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ......الذریٰت ۲۱

اور خود تمہارے نفسوں کے اندر کیا تم بصیرت نہیں رکھتے

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِيْ الْآفَاقِ وَفِيْ أَنفُسِهِمْ حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ......حٰم

السجدہ (۵۳)

(ترجمہ) عنقریب ہم دکھائیں گے ان کو اپنی نشانیاں کائنات میں اور خود ان کے نفسوں میں یہاں تک کہ ان پر بالکل واضح ہو جائے گا کہ بے شک یہ حق ہے۔

ہر صاحب عقل سمجھ سکتا ہے کہ جب فطرت حق ہے اور فطرت نفس پر القا کی ہوئی ہے لہٰذا اگر حق تلاش کرنا ہے تو نفس ہی میں تلاش کریں مگر متکلمین کے نزدیک تو نفس و معرفت نفس گمراہ صوفیا کا مذہب ہے۔

اچھا اب ضرورت ہے کہ ناظرین پہلے قرآن کی حقیقت کو سمجھ لیں دیکھیں قرآن اپنی حقیقت کیا بتلاتا ہے۔ جناب باری تعالیٰ عزاسمہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ هَـذَا الْقُرْآنُ أَن يُفْتَرَى مِن دُونِ اللّهِ وَلَـكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لاَ رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ...... (یونس ۳۷)

(ترجمہ) اور نہیں ہے یہ قرآن ایسا کہ بنایا جاسکے غیر اللہ سے۔ لیکن وہ تصدیق ہے اس کی جو اس سے پہلے ہے (یعنی کتاب سابقہ) اور تفصیل ہے اس کتاب کی جس میں کسی طرح کا شک نہیں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے۔

یہ امر کہ یہ کتاب لاریب فیہ یعنی وہ کتاب جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہوسکتا کونسی کتاب ہے اور اس سے کیا مراد ہے اس کا تفصیلی بیان اہل بیتؑ حصہ دوم میں گزر چکا ہے کہ وہ نفس انسان ہے جس پر اللہ تعالیٰ ہر حرکت وسکون ہر قول وفعل لکھتے رہتے ہیں۔ لہٰذا یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآن کی تمام آیات متشابہات کیفیات نفس کی تفصیل ہیں مگر علمائے متکلمین کے مطابق یہ قرآن لوح محفوظ کی تفصیل ہے جو (ان

کے نزدیک) ایک بہت موٹی کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے جس کے صفحات کی لمبائی چوڑائی (ان کے اذہان میں) شاید مغرب سے مشرق تک ہو۔ افسوس ہے کہ ان کو لوح محفوظ یا حسب فرمان باری انّہ فِی اُم الکِتٰب (بے شک وہ ام الکتاب میں ہے) وہ ام الکتاب نظر نہیں آتی ۔ ہمارے ناظرین کو تو لوح محفوظ ، ام الکتاب صاف نظر آ جائے گی (دیکھیں ضیاء النفوس صفحہ ۱۲۹ سطر ۸) ۔

''ابن ماہیار کی روایتوں سے بہت سی حدیثوں میں امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام رضا علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں وارد ہوا ہے أُمِّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ ۔ اور بے شک وہ ام الکتاب میں ہے ہمارے قرب میں البتہ علی وحکیم ہے) اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے کہ قرآن مجید ہمارے پاس لوح محفوظ میں ہر تغیر سے محفوظ ہے اور تمام آسمانی کتب میں بلند مرتبہ اور حکمتوں سے لبریز محکم ہے کہ یہ کسی غیر سے منسوخ نہیں ہوگا ۔ امام نے فرمایا'' ام الکتاب سے مراد امیر المومنینؑ ہیں'' اور جناب امیر المومنین علیہ السلام کا فرمان بھی ہے ۔ انا اللوح المحفوظ (لوح محفوظ میں ہوں) ۔

اب ناظرین غور کریں کیا تمام قرآن اس لوح مقدس یعنی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے سینے میں محفوظ نہیں ہے جن کے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہوں گی وہ لوح محفوظ کی زیارت کر لیں گے مگر ہمارے متکلمین کے خیال میں لوح محفوظ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ۔ کسی کو نظر نہیں آ سکتی ۔

اب جناب باری تعالیٰ کے ارشاد ہی سے اس کا مزید ثبوت دیکھ لیں کہ قرآن حکیم میں کیفیات نفس ہی کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے ۔

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُون ...... عنکبوت ۴۹

(ترجمہ) بلکہ وہ تو واضح آیات ہیں ان لوگوں کے سینوں میں جن کو علم (یعنی نور) دیا گیا اور نہیں انکار کرتے ہماری آیات کا سوائے ظالموں کے (یعنی فاسق و فاجر)

اب تو ہر صاحب عقل سمجھ لے گا کہ الفاظ کا مفہوم اور کیفیات نفس کا احساس اور کیفیات نفس ظاہر کرنے والے الفاظ وفقرات کا مفہوم تو سینہ کے اندر ہی ہوتا ہے مثلاً کوئی کہے ''حسرت'' تو کیا اس کا مفہوم ظاہر لفظ سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ یہ تو نفس کی ایک کیفیت ہے اس کے سننے سے سامع کے قلب پر جو کیفیت طاری ہوگی وہ حسرت کا مفہوم ہے۔

قرآن کی تحریر اس کا وجود مکتوبی ہے جب قاری تلاوت کرتا ہے تو وہ آواز جو منہ سے نکلتی ہے اس کا وجود ملفوظی ہے مگر اصل قرآن اور اس کی حقیقت تو وہ کیفیت ہے جو سینے کے اندر طاری ہو۔قرآن کا حقیقی مفہوم تو سینہ کے اندر ہی ہوتا ہے لہٰذا جو اس سے انکار کریں اور کہیں کہ قرآن کے مفاہیم تفسیر کی کتابوں میں ہیں وہ کوئی بھی ہوں اس آیت کے آخری جزو کے مطابق ظالم قرار پاتے ہیں۔

کیا اب بھی اس میں شک ہوسکتا ہے کہ قرآن وحدیث کی حقیقت نفس انسان ہی میں ملے گی اگر حق کی جستجو ہے تو نفس کے اندر ہی تلاش کرنا چاہیے۔لہٰذا ضروری ہے کہ فطرت نفس کا مطالعہ کریں۔

دیکھئے نفس انسان کو جس شے کا احساس پہلے نہ ہو چکا ہو جس کیفیت کا اس کو تجربہ نہ ہوا ہو اس کا سمجھنا تو درکنار اس کی طرف نفس کی توجہ ہی نہیں ہوسکتی۔صرف ایک مثال ہی

سے سمجھئے۔

سنیے۔ میں کہتا ہوں ’’مکول، مکول، مکول‘‘ غور کریں اس کے سننے سے کیا آپ کا نفس کوئی اثر قبول کرسکتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ یہ تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کہ آواز کان کے پردے سے ٹکرا کر لوٹ گئی۔ اب اگر اس کی تمثیل ایسی محسوس شے سے بیان کر دی جائے جس کا نفس کو پہلے احساس ہو چکا ہو یعنی کسی ایسی شے سے مثال بیان کریں جو سننے والے نے پہلے دیکھی ہو، چھوئی ہو، سونگھی ہو یا کھائی ہو تو دیکھیں کیا اثر ہوتا ہے۔ اب اگر کہہ دیا جائے کہ یہ جزائر غرب الہند میں ایک پھل ہوتا ہے۔ اب سنیں۔ ’’مکول، مکول، مکول‘‘۔ اب پہلی سی عدم توجہی کی کیفیت نہ ہوگی۔ بلکہ آواز کان کے پردے کے اندر اثر کرتی ہوئی محسوس ہوگی۔

اب اور سنیئے۔ یہ پھل انار سے مشابہ ہوتا ہے اس کا رنگ زردی مائل سرخ ہوتا ہے۔ اب سنیں، ’’مکول، مکول، مکول‘‘ اس دفعہ دوسری دفعہ کی نسبت نفس نے کچھ زیادہ اثر قبول کیا۔

اب اور سنیں۔ اس کے اندر گاڑھا شیرہ ہوتا ہے جس کا رنگ سرخی مائل سفید ذائقہ میٹھا ہلکی ترشی لئے ہوئے ہوتا ہے۔ اب سنیں۔ ’’مکول، مکول، مکول‘‘ اب غور کرنے سے محسوس ہوگا کہ اس مرتبہ کچھ زیادہ اثر ہوا۔

اب اور سنیئے۔ اس کے اندر سیاہ رنگ کے بیج ہوتے ہیں جو شریفہ کے بیجوں کے برابر اور ان کے مشابہہ ہوتے ہیں، اب سنیں ’’مکول، مکول، مکول‘‘ اس مرتبہ تمام سابقہ کیفیات کی نسبت کچھ زیادہ اثر نفس نے قبول کیا۔ اب یہ بتلائیں کہ اس کی حقیقت معلوم ہوگئی کیا اس کا شعور ہوگیا؟ نہیں یہ تو صرف توجہ ہوئی شعور تو اسی وقت

ہوسکتا ہے جب اس کو دیکھیں کاٹیں اور کھائیں اس کے بعد جب نام سنیں گے شعور تو اس وقت ہوگا۔اس تمثیل سے یہ تو ثابت ہوگیا کہ کسی غیر محسوس غائب شے کی طرف نفس کے لئے توجہ کرنا محال عقلی ہے اگر اس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہو تو محسوسات سے تمثیل بیان کریں اس وقت ہی نفس کو توجہ ہو سکے گی۔ ورنہ اس کا امکان ہی نہیں کہ نفس پر کوئی اثر ہو سکے۔

اب بتلائے کہ جنت ودوزخ کی طرف کیسے توجہ دلائی جاتی ؟ آج بھی اگر کسی سے کہے جائیں ''جنت، جنت، جنت'' اور محسوسات سے اس کی کوئی تمثیل نہ سنائی ہوتو کیا یہ ممکن ہے کہ سننے والے کا نفس کوئی اثر قبول کر سکے۔ جب نفس پر اثر ہی نہ ہوگا تو توجہ کر ہی نہیں سکتا۔ یہ آواز تو کان کے پردے سے ٹکرا کر لوٹ جائے گی۔ پس اگر اس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہو تو محسوسات سے تمثیلیں بیان کی جائیں تاکہ نفس انسان کی توجہ جذب ہو سکے۔ اب تو دلائل فطری سے ثابت ہوگیا کہ جنت کے متعلق قرآن وحدیث میں جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں وہ تمام کی تمام تمثیلیں ہیں حقائق نہیں بلکہ وہ تمام آیات واحادیث متشابہات ہیں۔ ان میں کوئی بھی محکم نہیں دیکھئے ارشاد باری ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاء غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ مِن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ (۱۵) ...... مُحَمَّدُ

(ترجمہ) ''مثال اس جنت کی جس کا متقین سے وعدہ کیا گیا ہے ایسی ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جس میں بدبو نہیں اور دودھ کی نہریں جس کا ذائقہ نہیں بدلا اور

شراب کی نہریں جس میں پینے والوں کے لئے لذت ہے اور شہد صاف وشفاف کی نہریں ان کے لئے اس میں ہر قسم کے پھل ہیں اور (ان کے علاوہ) ان کے پروردگار کی مغفرت ہے''۔

مولوی فرمان علی صاحب نے ''مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ '' کا ترجمہ کیا ہے ''اس جنت کی صفت ایسی ہے''۔افسوس وہ جنت کی مثل یا مثال کیسے لکھ دیتے۔اس سے تو قیاسی جنت ہی غائب ہو جاتی۔اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاء بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ......السجدۃ ۱۷

(ترجمہ) اور نہیں جانتا کوئی نفس جو پوشیدہ رکھا گیا ہے ان کے لئے خنکی چشم کا سامان اس کے بدلے میں جو عمل وہ کرتے تھے۔

اب اگر کوئی شخص یہ آیت پیش کر کے کسی علامہ صاحب سے عرض کرے کہ حضور اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ نعیم جنت کو کوئی نفس نہیں جان سکتا تو پھر یہ جو آپ حضرات تفاصیل سناتے ہیں یہ کیا ہیں تو ان کے پاس کوئی معقول تاویل نہ ہوگی۔

ناظرین نے دیکھ لیا کہ جو کچھ نفس جان سکے جو کچھ سمجھ میں آسکے وہ جنت نہیں اب خدا کے رسول ﷺ کا کلام بھی دیکھ لیں۔نعیم جنت کے متعلق ارشاد ہے لا عین رات ولا اذن سمعت وما خطر فی قلبِ بشر ''۔یعنی وہ نعمتیں ایسی ہوں گی کہ نہ کسی آنکھ نہ دیکھا ہو نہ کسی کان نے سنا ہو نہ ان کا تصور کسی دل میں آیا ہو (الشافی ترجمہ اصول کافی جلد اصفحہ ۵۲ سطر ۵)''۔اب تو واضح ہو گیا کہ جس کا تصور ہو سکے وہ جنت نہیں ۔لہٰذا ظاہر ہے کہ جو کچھ جنت اور نعیم جنت کے متعلق لفظوں میں بیان کیا گیا ہے وہ

تمثیلیں ہیں اور ایسی تمام آیات و احادیث متشابہات ہیں۔ ان میں کوئی محکم نہیں مگر متکلمین تو ان کو محکمات سمجھے ہوئے ہیں۔

حضرت علامہ شمس الواعظین مترجم اصول کافی حدیث ''لا عین سوات ''نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ ''کیا ایسی نعمتوں کا ہلکا سا تصور بھی عرب کے بدوؤں اور مادہ پرست دنیا کے کسی فرد کے دماغ میں آ سکتا تھا اور جب لوگوں کی سمجھ میں جنت کے میوے آتے ہی نہیں تو وہ ان کی طرف رغبت کیا کرتے۔ اس لئے لا محالہ حقیقت کو مجاز کے سانچے میں ڈھالا گیا''۔

اس صفحہ ۱۵۲ سے قبل ایک حدیث امام جعفر صادق علیہ السلام کی نقل فرما چکے ہیں جس میں آنحضرتؐ نے ''عرش'' کے معنی بتلائے ہیں ''عرش'' نام ہے علم و قدرت الہٰیہ کا جس کے اندر ہر شے ہے''۔ اس کے بعد حضرت مترجم صاحب اسی صفحہ پر رقمطراز ہیں۔

''اس حدیث میں امام علیہ السلام نے عرش کے جو معنی بیان کئے ہیں وہ اس مفہوم سے جداگانہ ہیں جو اذہان عوام میں مرتکز ہیں عام لوگوں کی نظر کے سامنے مادی اشیاء ہیں۔ اگر کسی چیز کی حقیقت کو مادی مثالوں سے نہ سمجھایا جائے تو دنیا والے ان کے سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں مثلاً نعمات جنت میں رطب عنب، امان وغیرہ کا ذکر قرآن میں موجود ہے عام لوگ سمجھتے ہیں یہ فواکہ ایسے ہی یا ان سے کچھ بہتر ہوں گے جیسے ہماری دنیا میں پائے جاتے ہیں حالانکہ وہ سیب و انار وغیرہ کچھ اور ہی ہوں گے۔ جنتی میووں کے متعلق تو یہ ہے لا عین سرٰت و لا ...... تا آخر''۔

اب ناظرین حقیقت بھی دیکھ لیں۔ شراب، حوض کوثر کی حقیقت تو احادیث معصومین

WWW.KHROOJ.COM

علیہم السلام سے تفسیر سورہ کوثر میں واضح ہو چکی ہے کہ شراب کوثر سے مراد امام کا نور اور علم ہے اب پھلوں کی حقیقت بھی ملاحظہ فرمالیں ۔ دیکھیں (ضیاء النفوس ترجمہ حیات القلوب جلد سوم صفحہ ۳۲۱ سطر ۱)

وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ)(۲۷)فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ (۲۸)
وَطَلْحٍ مَّنضُودٍ (۲۹)وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ (۳۰)وَمَاء مَّسْكُوبٍ (۳۱)وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ
(۳۲) لَّا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ (۳۳)وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ......واقعہ ۳۴

(ترجمہ) ''اور اصحاب یمین کیا کہنا اصحاب یمین کا، بے کانٹوں کی بیریوں کے نیچے اور لدے ہوئے کیلوں اور لمبی لمبی چھاؤں اور جھرنے کے پانی کے اور بیشمار پھل جو نہ قطع ہوں گے اور کوئی روک ٹوک نہ ہوگی اور اونچے اونچے فرش''۔

بصائر الدرجات میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ اس سے مراد امام اور اس کے وہ علوم ہیں جو لوگوں کو پہنچتے ہیں ۔ اب تو خدا کے فرمان سے رسولوں کے ارشاد سے، آئمہ طاہرین علیہم السلام کے فرمودات سے واضح ہو گیا کہ نعیم جنت مادی نہیں ہیں بلکہ وہ نعیم ابدی نوری ہیں اور جنت عالم نور ہی ہے ۔ اب جنت کی تمثیلوں کو ذرا اپنے نفس میں بھی تلاش کریں ۔ رب کا وعدہ ہے کہ ہم اپنی آیات ان کو ان کے نفسوں میں دکھائیں گے لہٰذا نفس ہی میں دیکھیے ۔

جب یہ امر واضح ہو چکا کہ فطرت ہی حق ہے اور قرآن میں کیفیات نفس ہی بیان کی گئی ہیں تو اب کیفیات نفس کا مطالعہ کرنا ضروری ہے اسی وقت کچھ سمجھ میں آ سکتا ہے ۔ دیکھیں سوچیں اور غور کریں نفس انسان کی فطرت ہے کہ اگر اس کے سامنے کسی شے کا نام لیا جائے مثلاً کوئی کہے ''سفید بلی'' تو سننے والا اگر غور کرے تو بلی کی تصویر

ذہن میں ابھرتی ہے۔اسی طرح جس کیفیت کا پہلے احساس ہو چکا ہو اگر اس کا ذکر کیا جائے تو اس کی بہت خفیف کیفیت نفس پر طاری ہوتی ہے۔اگر کسی ذائقہ کا نام لیا جائے تو اسی کی کیفیت طاری ہوگی۔مثلاً کھٹا، کھٹا سننے سے منہ میں پانی آ جاتا ہے۔ اسی طرح جتنے بھی حظ و سرور حواس خمسہ ظاہری کے ذریعے سے عمر میں حاصل کئے ہیں ان کے تصور سے ہی ان کی بہت خفیف کیفیت طاری ہوتی ہے۔یہ تو اس حالت میں ہے جبکہ اس کے قوائے باطنی معطل ہیں۔قوائے باطنی میں سے کسی ایک قوت میں بھی ترقی نہیں کی ہے۔اگر اس کے قوائے باطنی کی تکمیل ہو جائے تو خیال آتے ہی ہر لذت کی جس کا احساس پہلے ہو چکا ہے پوری پوری کیفیت طاری ہو جائے گی۔ خواہ وہ سینری ہو، ذائقہ ہو، رقص ہو، سرور ہو یا خوشبوئیں۔حظ و سرور کی تمام و کمال وہی کیفیت طاری ہو جائیگی جوان کو کبھی دیکھتے وقت، کھاتے وقت، سنتے وقت، سونگھتے وقت طاری ہوئی تھی۔یہ تو جنت کی پست ترین منزل ہے یہی شعور باطن کی منزل کمال ہے۔جب قرآن نے بتلا دیا ہے کہ اس میں کیفیات نفس کا بیان ہے تو جنت کی کیفیات تفصیلات نفس کے سوائے کچھ اور کیسے ہوسکتی ہیں۔خود اپنے نفس میں جھانک کر دیکھ لیں اس میں کیا نہیں ہے کیا سیب، انار، انگور، بہی، رطب، آم، جامن، خوبانی، لوکاٹ، بادام، خربوزہ، تربوز وغیرہ اور ان کے ذائقے اس میں نہیں؟ کیا باغات، نہریں، پھلواریاں، آبشار اس میں نہیں۔کیا محلات، مکانات حور و قصور فرش و فروش کا اس میں ذخیرہ نہیں۔کونسی نعمت ہے جو اس میں موجود نہیں ۔سید العارفین امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے۔أتزعم انك جرم صغير وفيك انطوى عالم الاكبر ''(اے انسان کیا تو گمان کرتا ہے کہ تو ایک

چھوٹا سا مجسمہ ہے درآنحالیکہ تیرے اندر سب سے بڑا عالم پنہاں ہے) اب بتلائیں اس سب سے بڑے عالم اکبر سے جنت کیسے باہر ہوسکتی ہے کیا عالم اکبر سے بڑا بھی اور کوئی عالم ہوسکتا ہے۔ مرزا غالب مرحوم فرما گئے ہیں

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالبؔ یہ خیال اچھا ہے

مرزا غالبؔ مرحوم فرماتے ہیں کہ جنت کی حقیقت تو ہم کو معلوم ہے مگر یہ خیال اور مادی تمثیلیں جو بیان کی جاتی ہیں وہ دل کی توجہ جذب کرنے کو اچھا ذریعہ ہیں غرضکہ نفس کی کیفیت یہ ہے کہ جس طرح ''مکول'' کی تمثیل سننے سے سامعین کو اس کا احساس ہوگیا اور نفس توجہ کرنے لگا اسی طرح جنت کے لئے جتنی بھی نعمات کا ذکر کردیا جائے ان کے سننے سے ہی نفس میں احساسات کا خزانہ جمع ہوجائے گا اور شعور کامل حاصل ہونے پر وہ مثل حقیقت کے ہوجائیں گی۔ اس لئے وہ سب نفس کے خزانہ مدرکات میں موجود تھیں۔ حضرت علامہ اقبال مرحوم بھی امیر المومنین علیہ السلام کے مذکورہ بالا شعر کی گویا شرح لکھ گئے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

حضرت علامہ مرحوم حقیقت سے واقف تھے۔ اسی لئے جنت کو نوری کہا ہے اب مادہ پرست اس کلام کا مفہوم کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ وہ تو لکھ گئے کہ جنت و دوزخ سب اسی کے اندر ہے۔ اسی میں عالم اکبر پنہاں ہے۔ ہر چند یہ تمام مضامین دلائل فطری پر مبنی ہیں مگر متکلمین کو دلائل منقولہ کی ضرورت ہو تو وہ بھی دیکھ لیں۔

www.khrooj.com

اعتقادیہ شیخ صدوق نشرکردہ مکتبہ امامیہ لاہور صفحہ۸۱ سطر۶۔ ''امام محمد باقر علیہ السلام سے کسی نے پوچھا۔ موت کیا چیز ہے فرمایا موت نیند ہے جو ہر شب تم کو آتی ہے مگر اس کی مدت اتنی طولانی ہے کہ بس قیامت کے دن چونکے گا پس بعضے خواب میں طرح طرح کی خوش کن چیزیں دیکھتے ہیں جو اندازے سے باہر ہے اور بعضے اپنے خواب میں ڈراؤنی چیزیں دیکھتے ہیں جن کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ پس موت کی حالت کا اندازہ کیا ہوسکتا ہے اس وقت کتنی خوشی ہوتی ہے اور کس قدر ڈر لگتا ہے۔ یہ موت کی اصلیت ہے تم اس کے لئے تیار رہو''۔

ایک روایت جو ایک بڑے عالم باعمل سے سنی یہ ہے ''امیر المومنین علیہ السلام کہیں تشریف لے جارہے تھے بعض منافق بھی ساتھ تھے۔ راہ میں ایک یہودی کے مکان کے سامنے سے حضرت کا گزر ہوا وہ ایک دن قبل مرچکا تھا اس کے ورثا اس پر رو رہے تھے اور بین کررہے تھے۔ مولاؑ نے فرمایا یہ لوگ اپنے فوائد کے فقدان پر رو رہے ہیں اس کے لئے کچھ نہیں کرتے حالانکہ فرشتگان عذاب اس کے سر پر گرزہائے آتشیں ماررہے ہیں۔ منافقوں میں صلاح ہوئی کہ حضرت کی تکذیب کرنی چاہیے چنانچہ وہ رات کو اس کی قبر کھول کر اس کا سر کاٹ کرلے آئے اور حضرت کو دکھلایا اور کہنے لگے آپ تو کہتے تھے کہ اس کے سر پر فرشتے گرز ماررہے ہیں اس پر تو کوئی اثر ونشان نہیں۔ یہ تو سالم ہے مولاؑ نے فرمایا جب تم خواب میں دیکھتے ہو کہ کوئی گرم لوہا تمہارے جسم پر لگارہا ہے تو خواب کی حالت میں ایسی ہی اذیت محسوس کرتے ہو یا نہیں جیسے کہ بحالت بیداری حقیقتاً ایسا ہوتا۔ وہ کہنے لگے کہ ہاں یہ درست ہے۔ آنحضرتؑ نے فرمایا کہ بس سمجھ لو کہ یہ معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔''

www.khrooj.com

اب تو ناظرین پر واضح ہوگیا کہ یہ عذاب وثواب مدرکات نفس ہی ہیں۔اگر روح پاک ہوگئی تو تمام حظ وسرور جن جن کا خزانہ مدرکات نفس میں ہے شعور میں آجائیں گے اوران کی کیفیت کا مسلسل ادراک ہوتا رہے گا اور اگر نفس پاک نہ ہوا تو بے انتہا اذیت والم کا ادراک مسلسل ہوتا رہے گا۔یہاں تک جو کچھ بیان ہوا وہ تو جنت وجہنم کی پست ترین منازل ہیں۔قیامت کے بعد کے جہنم کا تو خدا محفوظ رکھے تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔اسی طرح جنت کی حقیقی منزل انسان کے عقل وفہم وہم وگمان سے بالاتر ہے۔منزل اعلیٰ کے متعلق جو کچھ لفظوں میں بیان ہوسکتا ہے پیش کرنے کی سعی کرتا ہوں۔پہلے آیات واحادیث مندرجہ ذیل کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ ان کے مفاہیم پر غور کریں۔

(۱) امام کا نور ہر مومن کے دل میں ہوتا ہے۔

(۲) بخدا نورِ امام مومن کے دل میں آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہے۔

(۳) مومنوں کے امام ان کے نور ہیں۔

(۴) قیامت میں جس کے اندر نور ہوگا اسی کو نجات ہوگی۔

(۵) نَحۡنُ أَقۡرَبُ إِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ ۔(ہم تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں)

(۶) ان اللّٰہ یحول بین المرءِ وقلیله (بے شک اللہ تعالیٰ آدمی کے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے)۔

اس امر کی تفصیل علم کے بیان میں گزر چکی ہے کہ نورِ محمدی نورِ امام جو اول مخلوق ہے جو لوح ہے، قلم ہے، روح ہے، علم ہے اس کی شعاعیں تمام کائنات میں ہر جگہ موجود

www.khrooj.com

ہیں اوراس کی فروعی شعاعوں کا حلقہ ہرانسان کے قلب کوگھیرے ہوئے ہے۔یہی تو نورایمانی ہے۔اسی میں علم کائنات مخفی ہے جواس نورکونجاست لاشعوری اورغفلت کے تاریک حجابوں میں دبائے رہا وہی دنیاوآخرت میں خسارہ میں رہے گا اورجس نے لاشعوری اورشرک باطنی کی نجاست سے نفس کو پاک کرلیااس میں وہ نورآفتاب سے کہیں زیادہ روشن ہوجائے گا اوراس کی روشنی کا ادراک ہونے لگے گا اسی کے لئےتوارشادرب العزت ہے۔قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَاوَقَدْ خَابَ مَن دَسَّاهَا ۔(فلاح اس نے پائی جس نے اس کو پاک کیااورخسارہ میں رہاوہ جواسے دبائے رہا)۔

پس جب وہ حجاب جوقلب انسان اوراس نورکے درمیان حائل ہیں پورےطور پر زائل ہوجائیں اور وہ آفتاب سے زیادہ روشنی دینے لگے اس وقت بندہ منزل عبدیت میں داخل ہوجاتا ہے، یہی کمال معرفت ہے کہ عبداللہ بن جاتا ہے جب تک اس منزل معرفت کونہیں پہنچتا خدا کا خالص بندہ نہیں بنتا۔اس کے اعمال و افعال میں بندگی نفس شامل رہتی ہے۔جب بندگی نفس سے کامل طورپررہا ہوجاتا ہےاورعبداللہ بن جاتا ہےتو وہ صفات الٰہیہ کا حامل اورمظہرہوجاتا ہے۔حضرت رسولؐ رب العالمین محبوب اصدق الصادقین رحمۃ اللعالمین کا مقصد یہی ہے کہ انسان نما حیوان کو بندگی نفس سے نکال کرخدا کا بندہ بنادیں اسی کے لئے فرمایا ہے تخلقوا باخلاق اللہ (تم اپنے میں صفات الٰہیہ پیدا کرو)پس جس کواس راہ پر چلنے کی طلب پیدا ہوجائے وہ مستحق رحمت ہوجائے گا نورایمان کا حاصل کرنا بندے کےاختیارمیں نہیں ہے۔حضورسرکاردوعالم کافرمان ہےطلب العلم فریضة علیٰ

کُل مومن و مومنة (ہر مومن و مومنہ پر علم کی طلب فرض ہے) اور علم کی تعریف یہ فرمائی ''العلم نور یقذفه اللّٰه فی قلب من یشاء (علم وہ نور ہے جو اللہ ڈالتا ہے جس کے دل میں وہ چاہے) لہٰذا واضح ہوگیا کہ ہر مومن و مومنہ پر نور ایمان کی طلب واجب ہے، حصول اس کے اختیار میں نہیں۔ اسی لئے تحصیل العلم فریضة (علم کا حصل کرنا فریضہ ہے) نہیں فرمایا غرضکہ جس کو طلب صادق پیدا ہوگئی رحمت کا مستحق ہوگیا۔ مدار نجات طلب پر منحصر ہے۔

اس مضمون کی تائید میں کہ حضور سرکار دو عالم صلعم کا مقصد ایسے بندے پیدا کرنا تھا جو صفات الٰہیہ سے متصف ہو جائیں۔ متعدد احادیثِ قدسیہ وارد ہوئی ہیں۔ مثلاً ارشاد باری ہے

(۱) عبدی اطعنی اجعلك مثلی۔ انا حی لا اموت اجعلك حیاً لا نموت انا غنی لا افتقر اجعلك غنیا لا تفتقر۔ انا مهیمن مهما اشآء اَکن اجعلك مهیمنا مهما تشاء تکن

(ترجمہ) میرے بندے میری اطاعت کر تجھے میں اپنا جیسا بنا لوں گا۔ (یعنی جیسا تو مجھے سمجھتا ہے وہ صفات تجھ کو عطا کروں گا) میں ایسا زندہ ہوں کبھی نہ مروں گا۔ تجھے بھی ایسی زندگی بخش دوں گا کہ تو کبھی نہ مرے۔ میں ایسا بے نیاز ہوں کہ خارج کی مجھے احتیاج نہیں تجھے بھی ایسا بے نیاز بنا دوں گا کہ تجھے خارج کی احتیاج باقی نہ رہے۔ میں ارادہ کرنے والا ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں تجھے بھی ایسا بنا دوں گا تو جو چاہے فوراً ہو جائے۔

(۲) عبدی اطعنی اجعلك مثلی نقل لشئ کُن فیکون

(ترجمہ) میرے بندے میری اطاعت کر تجھے اپنا جیسا بنالوں گا جب تو کہے کسی چیز کو ہو جا فوراً ہو جائے۔

اور کلام پاک میں منزل جنت کی یہی تعریف کی گئی ہے لھم فیھا ما یشآء ون (ان کے لئے اس میں وہ ہی موجود ہے جو وہ چاہیں) لھم فیھا ما یشتھون (ان کے لئے اس میں وہی موجود ہے جس کی خواہش کریں) اور ارشاد ہے۔ انما امرہ اذا ارادشیا ان یقول لہ کن فیکون (سوائے اس کے نہیں کہ اس کا امر ایسا ہے کہ جس وقت ارادہ کرے کسی چیز کا پس کہے ہو جا پس ہو جاتی ہے) یہ خدا کے امر کی شان ہے اور آئمہ علیہم السلام کا ارشاد ہے نحن امر اللّٰہ (خدا کا امر ہم ہیں) اب تو واضح ہو گیا کہ یہ خدا کے نور کی شان ہے جو اس کی اول مخلوق ہے اور آئمہ علیہم السلام فرماتے ہیں ''ہم ہی تو خدا کے نور ہیں''۔''روح اللہ ہم ہیں''۔حضرت عیسیٰ کو بھی روح اللہ کہا گیا ہے اس سے مراد یہی ہے کہ جب اس نور کی شعاعیں جسم میں عامل ہو جائیں تو روح القدس ہی اس بندے میں عامل ہوتی ہے اس وقت اسے حیات حقیقی مل جاتی ہے اور نور سے اتصال ہوتے ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے ۔جتنے مناظر جنت کے بیان کئے گئے ہیں سب اس کے سامنے ہوتے ہیں۔اس کے نور باطن کے عکس سے تمام فضا عالم نور ہوتی ہے جس میں باغات ،میوہ جات، پھلواریاں ،نہریں ،آبشار سب کچھ ہوتے ہیں اور اس پر وجدان کامل طاری رہتا ہے یہ کمال معرفت کی منزل ہے۔ ہر چند کہ یہ بیان دلائل فطری اور قرآن وحدیث سے مستخرج ہے۔تاہم اس مضمون کی تائید میں دیگر دلائل منقولی بھی موجود ہیں۔

حضرت علامہ شمس الواعظین ادیب اعظم مترجم اصول کافی ۔اپنی کتاب دینی کہانیاں

حصہ دوم میں کہانی امام علی نقی علیہ السلام کے صفحہ ۱۲ پر نقل فرماتے ہیں ۔

''روضۃ الصفا میں سعید بن صالح سے مروی ہے کہ جب مجھے امام علی نقی علیہ السلام کے سامرہ تشریف لانے کا حال معلوم ہوا تو خوشی کی انتہا نہ رہی لیکن جب یہ پتہ چلا کہ آپ خان الصعالیک میں مقیم ہیں تو سخت تعجب ہوا کہ امام نقی علیہ السلام جیسا شخص اور ایسے مقام پر قیام ۔ بہرحال حضرت کے شوق زیارت میں بے چین ہو کر وہاں پہنچا حالانکہ آج سے پہلے میں کبھی اس مقام پر نہیں گیا تھا۔ میں نے وہاں جا کر دیکھا امام علیہ السلام مع اپنے ساتھیوں کے وہاں قیام پذیر ہیں۔ میں جمال مبارک دیکھتے ہی قدموں میں گر پڑا۔ آپ نے بڑی شفقت کے ساتھ مجھے اپنے سینے سے لگایا اور خیریت پوچھی ۔ سب سے پہلے میں نے حضرت کی خدمت میں یہ عرض کیا کہ فرزند رسولؐ آپ کیوں متوکل کے خط پر چلے آئے۔ اب تو حضور پر اس کی عداوت ظاہر ہوگئی ہوگی ۔ اس سے بڑھ کر اور کیا دشمنی ہوگی کہ آپ کو اتنی دور سے بلا کر ایسے خراب کثیف اور غیر آباد مقام پر ٹھہرایا ہے۔ حضرتؑ یہ بات سن کر مسکرائے اور فرمایا ذرا منہ پھرا کر دیکھو۔ اب جو میں نے دیکھا تو وہ مقام انواع واقسام کے پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ چاروں طرف پر فضا سبزہ لہلہا رہا تھا۔ نہریں اور چشمے موجیں مار رہے تھے غرض خان الصعالیک کا وہ حصہ جہاں حضرت تشریف فرما تھے بہشت کا نمونہ بنا ہوا تھا۔ میں یہ دیکھ کر سکتہ میں آ گیا۔ مجھے متعجب دیکھ کر فرمایا یہ سامان جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو جہاں میں جاؤں مجھے ہر جگہ میسر ہو سکتا ہے تم مجھے خان الصعالیک میں مقیم نہ سمجھو'' ۔

جلاء العیون مترجم جلد دوم نشر کردہ شیعہ جنرل بک ایجنسی محلّہ شیعہ لاہور کے صفحہ ۴۰۰

WWW.KHROOJ.COM

پر صالح بن سعید سے اسی مضمون کی روایت منقول ہے کہ صالح نے بھی حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں متوکل کے ظلم کی شکایت کی کہ اس نے آپ کو ایسے مقام پر ٹھہرایا ہے تو حضرت نے فرمایا۔''اے پسر سعید اب تک تجھے قدر و منزلت ہم لوگوں کی نہیں واضح ہوئی کہ یہ باتیں ہماری شان وشوکت کے سامنے کچھ بھی نہیں۔تو کیا نہیں جانتا کہ جسے خدا بلند کرتا ہے وہ ان امور سے پست نہیں ہوتا۔یہ فرما کے دست مبارک سے ایک طرف اشارہ کیا۔جب اس طرف میں نے نظر کی تو بستا نہائے پر تکلف بالوان ریاحین آراستہ و باغہائے زیبا نواح میوہ ہا پیراستہ باغوں کے صحن میں نہریں جاری قصر ہائے بارفعت وحوران وغلمان ماہ طلعت ایسے مشاہدہ کئے کہ وہاں کے سوائے ان کا نظیر خیال میں بھی نہیں۔ان چیزوں کے معائنہ سے میری آنکھیں حیران اور عقل پریشان ہوگئی۔حضرت نے فرمایا ہم جہاں رہیں یہ سب ہمارے لئے مہیا ہے۔میں سرائے فقراء میں نہیں ہوں''۔

پھر اسی کتاب (جلاء العیون) کے صفحہ ۳۶۲ پر یہ روایت منقول ہے کہ ہارون رشید نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے پاس قید خانہ میں ایک نہایت حسین وجمیل کنیز کو بھیجا پھر ایک خادم کو حکم دیا کہ اس کنیز کی خبر لائے خادم جا کر واپس آیا اور کہا کہ وہ کنیز سجدے میں کہہ رہی ہے سبوح قدوس سبحانك ۔ہارون نے کہا امام نے اس پر جادو کیا ہے۔جب اس کنیز کو بلایا اس کنیز نے کہا۔''میں جب حضرت کے پاس گئی آنحضرتؑ مشغول نماز تھے میری طرف متوجہ نہ ہوئے جب نماز سے فارغ ہو کر مشغول ذکر وتسبیح ہوئے اس وقت حضرت کے قریب گئی اور میں نے کہا کسی خدمت کا مجھے موقع کیوں نہیں دیتے۔حضرت نے فرمایا تیری طرف مجھے

www.khrooj.com

کوئی احتیاج نہیں ۔میں نے کہا مجھے آپ کی خدمت گزاری کو بھیجا ہے کہ آپ کی خدمت کروں ۔حضرت نے اشارہ سے فرمایا یہ لوگ کس لئے ہیں ۔جب اس طرف میں نے نظر کی ایسے وسیع وبستان باغ دیکھے جن کی انتہا دکھائی نہ دیتی تھی ۔بانواع ریاحین ومیوہ جات آراستہ تھے ان باغوں میں حوران وغلمان نظر آئے کہ ہرگز ان کی مثل حسین وجمیل میں نے نہ دیکھے تھے جامہائے حریر ودیبا پہنے تھے تاجہائے مکلل بانواع جواہر گراں بہا سر پر رکھے ہر قسم کے طعام ومیوہ جات وطشت وابریق ہائے لطیف ہاتھ میں لئے حضرت کی خدمت میں کھڑے تھے جب میں نے دیکھا بے ہوش ہو کر سجدے میں گر گئی اور سر سجدے سے نہ اٹھایا یہاں تک کہ آپ کا خادم اپنے ہمراہ مجھے یہاں لے آیا''۔

اب تو نا قابل رد دلائل سامنے آ گئے جو اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ جنت نور امام میں ہے اور جہاں یہ نور ہو گا وہیں جنت موجود ہو گی ۔ہر عارف کامل جو امیر المومنینؑ سید العارفین کا شیعہ کامل بن جاتا ہے جنت اس کے ساتھ ہوتی ہے بلکہ مولائے کائنات سے رسولؐ خدا نے فرمایا یا علیؑ انت و شیعتك الجنة (اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ ہی تو جنت ہیں) علمائے متکلمین اس کا ترجمہ کرتے ہیں (اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ جنت میں ہوں گے) حالانکہ اس حدیث میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''فی الجنة ''نہیں فرمایا۔ایک اور حدیث سے بھی اسی مضمون کا اظہار ہوتا ہے ''ہمارا وصال جنت ہے'' جنت کا دروازہ باب اللہ ہے اور وہ امام ہے اور اس کا دربان ''رضوان اللّٰہ ''رضائے الٰہی یعنی خوشنودی خدا ہے مگر علمائے متکلمین کے تصور میں ''رضوان اللّٰہ ''جنت کے پھاٹک پر مجسم پہرے دار

ہیں۔

اب تو ثابت ہوگیا کہ آئمہ معصومین علیہم السلام اوران کے شیعان عارفین کاملین کے انوار ہی جنت ہیں پس جوان کے سائے میں پہنچ جائیں وہ اہل جنت ہیں۔

آدم

آدم کے بیان میں سب سے پہلے مٹی کے پتلے کا سمجھنا ضروری ہے کہ اس سے کیا مطلب ہے۔ متکلمین کا تو یہ کہنا ہے کہ اللہ میاں نے مٹی کا ایک بت بنایا اورصنم سازی کی ابتداء کی۔اس میں پھونک ماری یعنی اپنی روح پھونکی تو آدمی بن گیا مگرقرآن کہتا ہے لن تجد لسنة اللّٰه تبديلا ۔(اللہ کی سنت کوکبھی بدلا ہوا نہ پاؤ گے)ولن تجد لسنة اللّٰه تحويلا (اوراللہ کی سنت کوتبدیل شدہ نہ پاؤ گے)لا تبديل لخلق اللّٰه (اللہ کی پیدائش میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ پھر یہ کیا ہوا کہ سنت اللہ بدل گئی ۔پھرکوئی مٹی کا بت نہ بنایا گیا۔معاملہ یہ ہے کہ یہ تو تمام آیات متشابہات ہیں ان کو محکمات سمجھ لیا گیا ہےاوران ہی پرعقائد کی بنیادیں قائم کرلینے سے گمراہی میں پھنس گئے ہیں۔دیکھیں سنیں اورسمجھیں ارشاد باری ہے۔

هوالذی خلقکم من طين ......(الخ)انعام۲

وہ وہی ذات اقدس ہےجس نےتمہیں مٹی سے بنایا)خلقتنی من نارو خلقته من طين ......(شیطان نے کہا)تونے مجھےآگ سے بنایااوراس کو(آدم کو) تونےمٹی سے بنایا۔

بیشک آدمی مٹی کا پتلا ہے۔ہم اپنی زبان میں بھی بولتے ہیں کہ آدمی تومٹی کا پتلا ہے

اور جب مرجاتا ہے تو مٹی ہی ہو جاتا ہے زندگی تو روح سے ہے اب پہلے روح کو سمجھنا ضروری ہے۔ وہ حدیث یاد کریں ''اوّل مَا خلق اللّٰہ الروح'' (سب سے پہلے جو خدا نے پیدا کیا وہ روح ہے) اور یہ واضح ہو چکا کہ روح وہ نورِ کائنات اول مخلوق ہے۔ وہی محمدؐ و آلِ محمدؐ کا نور ہے اور ہر قلب کو گھیرے ہوئے ہے جب تک وہ نور سینہ میں چمکتا نہیں حیاتِ حقیقی نہیں ملتی۔ لہٰذا مومن کے سینہ میں جب نور چمکتا ہے تو نورِ کائنات کی شعاعیں اس سے متصل ہو جاتی ہیں اور نور ہی جسم میں عامل ہو جاتا ہے تب ہی وہ حیٌ لا یموت کا مصداق ہو جاتا ہے اسی لئے کفار و منافقین کو قرآن میں جگہ جگہ مردہ کہا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاء (پ۲ع۲) (بیشک تم مردے کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہرے کو سنا سکتے ہو) یہاں کفار و مشرکین کو مردہ کہا ہے اور ارشاد ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاء وَلَا الْأَمْوَاتُ إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُور فاطر۲۲

(ترجمہ) اور نہیں برابر ہو سکتے زندہ اور مردے بیشک اللہ تو جس کو چاہے سنا دے اور تم تو نہیں سنا سکتے ان کو جو قبروں میں ہیں۔

اس آیت کے حاشیہ پر مولوی مقبول احمد صاحب نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ ''زندہ سے مراد مومن اور مردے سے مراد کافر ہے''۔ اور ایک آیت قرآنی اور بھی دیکھ لیں۔

أَوَ مَن كَانَ مَيْتاً فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ......الانعام ۱۲۳

(ترجمہ) کیا وہ شخص جو مردہ تھا ہم نے اس کو زندہ کیا (کس طرح) اور اس کو نور دے دیا کہ وہ اس کے ذریعے سے لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کیا اس کی مثل ہوسکتا ہے جو تاریکیوں میں ہو ان سے کبھی نکلنے والا نہیں۔

اب غور فرمالیں جن میں نور ایمان نہیں وہ مردہ ہیں اور ان کو صرف مردہ ہی نہیں کہا بلکہ ''من فی القبور '' قبروں کے اندر کا مردہ کہا گیا ہے اب تو واضح ہوگیا کہ جب تک نور امام سے اتصال نہ ہو ایمان کا نور نہ ملے تو آدمی مردہ اور مٹی کا پتلا ہی ہے۔

مولوی علی حیدر صاحب سرپرست رسالہ ''اصلاح'' کھجوہ ضلع سارن اپنی کتاب ''اللہ وکائنات'' مطبوعہ ادارہ ''مطلع شمس'' کراچی میں صفحہ ۱۷۷ سطر ۱۰ پر رقمطراز ہیں۔

''اس نے (اللہ نے) مٹی سے پہلے آگ سے ایک مخلوق کو پیدا کرنے کا قصد کیا اور وہ بھی سخت گرم آگ سے اس نے جنات کو خلق فرمایا''۔

''پھر صفحہ ۱۷۸ پر تحریر فرماتے ہیں'' اس کے علاوہ خدا نے ایک اور مخلوق پیدا کی یہ لوگ نہ انسان جیسے تھے نہ جنوں جیسے......ان کا نام ''نسناس'' رکھا گیا''۔

مذکورہ بالا خلاصہ احادیث سے اتنا تو معلوم ہوگیا کہ پہلے ایک مخلوق زمین پر پیدا کی گئی تھی اور وہ ''نسناس'' تھے اب نسناس کی شرح احادیث اہل بیتؑ سے ملاحظہ فرمائیں (دیکھیں ضیاء النفوس ترجمہ حیات القلوب جلد سوم صفحہ ۳۱۲) ''ناس سے مراد اہلِ بیتؑ اور شبیہہ ناس شیعیان علیؑ ہیں۔ان کے علاوہ نسناس ہیں''۔امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ ناس سے مراد جناب رسولؐ خدا ہیں اور ہم بھی ان ہی حضرت سے ہیں ......اشباہ ناس ہمارے شیعہ۔ وہ ہم سے ہیں ہم سے مشابہت رکھتے ہیں۔رہے نسناس تو وہ ہمارے دشمن ہیں''۔

WWW.KHROOJ.COM

اس سے تو یہ انداز ہوتا ہے کہ نسناس ہی وہ مخلوق ہیں جن میں روح حیوانی تو ہے مگر نور امام نہیں لہٰذا وہ مردے اور مٹی کے پتلے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ زمین پر پہلے جو آدمی پیدا کیئے گئے تھے ان میں نور نہیں تھا لہٰذا وہ قالب بے روح مٹی کے پتلے تھے اور وہ ''نسناس'' تھے

خَلَقَ الْاِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ (۱۴) وَخَلَقَ الْجَانَّ مِن مَّارِجٍ مِّن نَّارٍ ......الرحمٰن ۱۵

(ترجمہ) اس نے انسان کو ٹھیکرے جیسی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا اور اس نے جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا (مقبول ترجمہ)

اب اس آیہ وافی ہدایہ کا مفہوم ناظرین پر واضح ہوگیا کہ پہلے جنات نہایت لطیف گیس سے پیدا کیئے گئے ان کے بعد مٹی کے پتلے نسناس پیدا ہوئے اور جب وہ قتل و غارت کرنے لگے اور ٹھیکروں کی طرح ٹکرانے لگے تو انہی میں سے انسان پیدا ہوا۔ قانون فطرت ہے جب موت ہر وقت سامنے رہتی ہے حتیٰ کہ اس کا خوف زائل ہوجاتا ہے تو غفلت ولاشعوری کے حجاب شگافتہ ہوجاتے ہیں اور نور باطن کا ادراک ہوجاتا ہے، معرفت حاصل ہوجاتی ہے پس جب نسناس آپس میں قتل و غارت کرنے لگے تو ان میں جو نیک نفس تھے ان پر ہر وقت موت کا خوف طاری رہنے لگا ان نیک دل نسناس میں سب سے پہلے جس کو نور ملا اور معرفت حاصل ہوئی وہ حضرت آدم علیہ السلام تھے جو پہلے ان ہی میں شامل تھے پس جس وقت ان کو معرفت حاصل ہوئی اور نور محمدیؐ کی شعاعیں ان میں عامل ہوئیں یعنی روح پھونکی گئی اس وقت وہ ''الناس'' میں شامل اور زمین پر پہلے انسان ہوئے۔ نور سے اتصال ہونے پر یعنی

روح کے عامل ہو جانے پر ان کو حیات حقیقی مل گئی اور جنت میں داخل ہو گئے اور اسی میں رہنے لگے جیسے کہ امیر المومنین علیہ السلام کا ہر شیعہ کامل صاحب معرفت ہر وقت جنت میں رہتا ہے اور جنت ہر دم ہر لحظہ اس کے ساتھ رہتی ہے۔

بعض حضرات خیال کریں کہ یہ عجیب تاویلات ہیں۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضرت آدمؑ ایسے آدمیوں کی نسل سے ہوں جو مومن نہ تھے تو مذکورہ بالا بیان کی تائید میں ایک حدیث ملاحظہ فرمالیں۔

(ضمیمہ مقبول احمد ترجمہ حاشیہ ہر آیت یوم تبدّل الارض غیر الارض پ۱۳ع ۱۹ سورہ ابراہیم ع ۷ ضمیمہ نوٹ نمبر ا)

تفسیر برہان میں محمد ابن مسلم سے مروی ہے وہ کہتے ہیں میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب سے خدا نے زمین کو پیدا کیا ہے ایسے سات عالم خلق فرمائے جن میں حضرت آدم کی اولاد نہ تھی وہ لوگ مٹی سے پیدا کئے گئے تھے ان کو خدا نے یکے بعد دیگرے ایک ایک عالم میں آباد کیا پھر خدا نے آدم ابو البشر اور ان کی ذریت کو ان سے پیدا کیا۔ الخ'' (بقدر ضرورت نقل کیا)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ نسناس میں سے ہی صاحب معرفت مومن اور زمین پر پہلے انسان ہوئے اور کمال معرفت ہونے اور نور سے اتصال ہو جانے سے ہر دم ہر لحظہ جنت میں رہنے لگے اور وہ زمین پر پہلے نبی ہوئے۔

شجرِ ممنوعہ

ارشاد باری ہے

WWW.KHROOJ.COM

وَلَا تَقْرَبَا هَـٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ البقر۳۵
(ترجمہ)(اے آدم)اس شجر کے قریب نہ جانا ورنہ اپنے کو مصیبت میں ڈالو گے۔
یہ امر تو اس مضمون کی ابتداء ہی میں ثابت ہو چکا ہے کہ وہ درخت جس سے پھل حضرت آدمؑ نے کھایا شجرہ نوری تھا وہ شجرہ نوری محمدؐ و آلؑ محمدؐ تھا اور اس کا پھل علم ہے اور درخت طوبیٰ کے بیان میں شجرہ طیبہ کی تفصیل بھی ناظرین ملاحظہ فرما چکے ہیں ۔یہ بھی واضح ہو چکا کہ یہ شجر نوری ہر مومن کے قلب کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔
حضرت آدم علیہ السلام اب نبی تھے اس خدائی علم سے جو ان کو عطا کیا گیا تھا جانتے تھے کہ ان انوار قدسیہ کا تقرب تو قربانی ہی چاہتا ہے گویا کہ خدا نے آگاہ کر دیا تھا یا کہہ دیا تھا کہ اس شجر نوری کا تقرب نہ چاہنا ورنہ اپنے اوپر ظلم کرو گے یعنی اپنے کو مصیبت میں ڈالنا پڑے گا مگر آخر تو نبی تھے کب تک اس شجر نوری کا پھل نہ کھاتے ۔جب تقرب کی خواہش ہوئی تو اس کا پھل کھا لیا۔یعنی یہ علم حاصل ہوا کہ اب ایک اہم فریضہ نبوت ادا کرو اور وہ یہ ہے کہ بندوں کو توبہ و استغفار و بارگاہ احدیت میں الحاح وزاری کرنا سکھاؤ جس سے بندے طلب رحمت کے طریقے سیکھ لیں اور ان کے لئے دروازہ رحمت وا ہو جائے اور سب سے بڑی خبر جس کے پہنچانے کے لئے نبوت ملتی ہے وہ ولایت محمدؐ و آلؑ محمدؐ ہے۔اس کی تبلیغ کے لئے مظاہرہ درد برپا کر کے لوگوں کے قلوب کی توجہ جذب کرو پھر اسماء پنجتن لوگوں کو تعلیم کرو۔
پس حضرت آدمؑ یہ ثمر نوری کھاتے ہی یعنی یہ علم حاصل کرتے ہی فریاد وزاری نالہ و بیقراری اور توبہ و استغفار میں مصروف ہو گئے ۔یہ تو نفس انسان کی فطرت ہے کہ ہنگامہ درد کی طرف غیر ارادی اور لاشعوری طور پر بے اختیار ہی جذب ہوتا ہے۔

لہٰذا حضرت آدمؑ کی طرف لوگ متوجہ ہوئے اور ان سے فریاد و زاری کا سبب دریافت کیا تو آنحضرتؑ نے تقیۃً جواب دیا''میرے رب نے میرے اوپر بے انتہا کرم فرمایا مجھے جنت میں رکھا اور تمام نعمتوں کے استعمال کی اجازت دی مگر ایک درخت کے پاس جانے سے منع کر دیا تھا کہ اس کے پاس نہ جانا ورنہ اپنے اوپر ظلم کرو گے اور اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالو گے پس شیطان جنت میں آ گیا اور خدائے تعالیٰ کی قسمیں کھا کر مجھے بہکا دیا۔ میں اس کے بہکانے میں آ گیا اور میں نے اس درخت کا پھل کھا لیا جس کی وجہ سے معتوب ہو گیا۔ خداوند عالم نے فرمایا کیا ہم نے اس درخت سے تم کو منع نہ کیا تھا۔ اب میری جنت سے نکل جاؤ۔ افسوس کہ میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور گمراہی میں پڑ گیا۔ جنت سے نکال دیا گیا۔ بڑی اونچی منزل اور مرتبہ سے پستی میں گرا دیا گیا۔ اب میں بارگاہ رب العزت سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کر رہا ہوں تاکہ وہ میرا جرم بخش دے اور میرا گناہ معاف کر دے، پس جو کچھ حضرت آدمؑ نے اپنی فریاد و زاری کی توجیہہ میں تقیۃً لوگوں سے کہا وہ ہی کلام پاک میں نازل ہوا۔

اب اس مظاہرہ درد کا انجام کلام پاک میں اس آیت سے ظاہر کیا گیا ہے۔

فَتَلَقَّى آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ......البقر ۳۷

(ترجمہ) پس آدم کو اپنے رب کی طرف سے کچھ کلمات ملے (ان کی برکت سے) اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی بیشک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے

اس آیت کی تفسیر میں ضیا النفوس ترجمہ حیات القلوب جلد سوم میں صفحہ ۳۷۲، ۳۷۳ پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے چند احادیث

منقول ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ ''حضرت آدمؑ نے کہا کہ اے خدا میں تجھ سے ان افراد کے ذریعے سے سوال کرتا ہوں جو تجھ کو تیری مخلوق میں عزیز ترین اور معزز ترین ہیں ۔محمدؐ، علیؑ ،سیدہؑ ،حسنؑ اور حسینؑ کہ میری توبہ قبول کر اور مجھ پر رحم کر پس خدا نے ان کی توبہ قبول کر لی''۔

غرضکہ حضرت آدمؑ کو فریاد و زاری کرتے ہوئے ایک عرصہ دراز گزرا اور لوگ متوجہ ہوتے رہے ۔پس جب حضرت آدمؑ نے جان لیا کہ اب اور کوئی متوجہ نہ ہوگا تو مسرور و شادکام ہوگئے اور لوگوں سے کہہ دیا کہ میرے رب نے مجھے کچھ کلمات عطا فرمائے ۔ان کے واسطے سے میں نے مغفرت طلب کی تو میری توبہ قبول ہوگئی ۔ میرے رب نے میرا قصور معاف کر دیا ۔اور وہ اسمائے مقدسہ یہ ہیں ۔محمدؐ، علیؑ ، سیدہؑ ،حسنؑ اور حسین علیہم اجمعین ۔یہی وہ انوار الٰہیہ ہیں یہی وہ اس کے محبوب ترین بندے ہیں جن کے لئے زمین و آسمان اور تمام کائنات پیدا کی گئی ،یہی اس کی رحمت اس کا فضل ،اس کی صفات کے مظہر ہیں ان کے واسطے سے خدا سے جو مانگو وہ ملے گا ،ان ہی کے واسطے سے میری توبہ قبول ہوئی ،ان ہی کے صدقے سے سورج چمکتا ہے ،ان ہی کے وسیلے سے ہوائیں چلتی ہیں ،ان ہی کے طفیل پانی برستا ہے ،درخت اور پودے اگتے ہیں ان کے صدقے سے درختوں پر پھل لگتے ہیں ،کھیتیاں اگتی ہیں غلہ پیدا ہوتا ہے ،یہی تو خدا کی رحمت اس کے فضل اس کے کرم کا وسیلہ ہیں اس طرح اس خبر بزرگ کی تبلیغ کر کے فریضہ نبوت ادا کیا ،یہی تو وہ نباء عظیم تھی جس کے پہنچانے کے لئے نبی بنائے گئے تھے۔

اللّٰھم صَلّیِ عَلٰی مُحَمَّد وَّآلِ مُحَمَّد

WWW.KHROOJ.COM

۱۲ اہل البیتؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِن شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُّورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ......النور ۳۵

(ترجمہ) اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا ۔اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک قندیل ہو۔اس میں ایک چراغ ۔ چراغ شیشے کے فانوس میں ہو اور وہ فانوس ایسا ہو جیسے چمکتا ستارہ ، روشن ہوتا ہوا شجرہ مبارکہ زیتونیہ سے جو نہ شرقی ہے نہ غربی (یعنی مکانیت میں محدود نہیں) قریب ہے کہ تیل اس کا روشن ہو جائے حالانکہ آگ اس سے چھو بھی نہ گئی ہو۔نور بالائے نور ۔اللہ ہدایت کرتا ہے اپنے نور کی طرف جسے چاہے اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ تو ہر شے کا جاننے والا ہے۔

ترجمہ مولوی فرمان علی صاحب ’’ خدا تو سارے آسمان و زمین کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک طاق (سینہ) ہے جس میں ایک روشن چراغ (علم شریعت) ہو۔اور چراغ ایک شیشے کی قندیل (دل) میں ہو۔ (اور) قندیل (اپنی

تڑپ میں) گویا ایک جگمگاتا روشن ستارہ (وہ چراغ) زیتون کے ایسے مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا جائے جو نہ پورب کی طرف ہو نہ پچھّم کی طرف (بلکہ بیچوں بیچ میدان میں) ہو۔اس کا تیل (ایسا شفاف ہو کہ) اگرچہ آگ اسے چھوئے بھی نہیں تاہم ایسا معلوم ہو کہ آپ ہی آپ روشن ہو جائے گا (غرض ایک نور نہیں بلکہ) نورعلیٰ نور (نور کی نور پر جوت پڑ رہی ہے) خدا اپنے نور کی طرف جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور خدا لوگوں (کے سمجھانے) کے واسطے مثلیں بیان کرتا ہے اور خدا تو ہر چیز سے خوب واقف ہے۔

ملاحظہ کرلیں کہ مولوی صاحب کے ترجمہ کا آیت سے کس قدر تعلق ہے کہاں تو یہ کہ ''تیل اس کا روشن ہو جائے اگر چہ آگ اس سے مس بھی نہ ہوئی ہو''۔اور کہاں یہ کہ ''تیل ایسا شفاف ہو کہ اگرچہ آگ اس سے چھوئے بھی نہیں تاکہ ایسا معلوم ہو کہ آپ ہی آپ روشن ہو جائے گا''۔ ناظرین دیکھ لیں کس طرح متکلمین قرآنی آیات کے قیاسی مطالب پیش کرتے ہیں۔اب اصل مطلب کی طرف رجوع کرتا ہوں

اللَّـهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْض ۔نور کے معنی روشنی،روشنی کی علت لہٰذا اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ نور ہے یعنی علت وجود ہے آسمانوں اور زمین کا۔

مَثَلُ نُورِهِ ۔اس کے نور کی مثال اس کا نور وہی اول مخلوق ہے جو نور محمدؐ و آلؑ محمدؐ ہے۔وہی روح القدس یا روح اعظم ہے۔وہی لوح وہی قلم ہے اس کے متعلق حیات القلوب سے احادیث نقل ہو چکی ہیں کہ معصوم نے فرمایا ''ہم ہی نور خدا ہیں'' یاد رکھیں ضیاء النفوس صفحہ ۱۹۲ سطر ۶ مَثَلُ نُورِهِ نور محمدؐ ہے۔

كَمِشْكَاةٍ ۔(ضیاء النفوس صفحہ ۱۸۷ سطر۱۴) ’’مشکواۃ وہ سوراخ یا مقام ہے جس میں چراغ رکھا جائے‘‘۔غرضکہ ہر ایسی شے جس میں چراغ رکھا جائے مشکواۃ ہے۔ہم ایسی چیز کو قندیل کہتے ہیں۔

فِيهَا مِصْبَاحٌ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ۔اس میں یعنی قندیل میں ایک چراغ ہو۔وہ چراغ شیشہ کے فانوس میں ہو۔

الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ ۔وہ شیشہ کا فانوس ایسا ہو گویا چمکتا ستارہ۔

يُوقَدُ مِن شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ ۔وہ ایسے شجرہ مبارکہ زیتونی سے روشن ہوتا ہے جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔یعنی وہ شجرہ مبارکہ مکانیت میں محدود نہیں۔(اس کی تفصیل آگے آئے گی)

يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۔قریب کہ اس کا تیل روشن ہو جائے حالانکہ آگ سے مس بھی نہ ہوئی ہو۔

اس پر غور کریں کہ الفاظ میں یہ کس چیز کی تصویر کھینچی ہوئی ہے ایک طاق یا قندیل۔ اس میں چراغ اور چراغ شیشہ کے فانوس کے اندر ہو اور شیشہ کا فانوس مثل چمکتے ستارے کے ہو اور بغیر آگ سے مس ہوئے روشن ہو جاتا ہو کیا یہ الیکٹرک بلب کی تصویر نہیں ہے۔() شیڈ طاق ہے۔اس میں چراغ ہے جو شیشہ کے بلب میں ہے اور یہ شیشہ کا فانوس یعنی بلب روشن ستارہ کی طرح چمکتا ہے اور بغیر آگ سے مس ہوئے روشن ہو جاتا ہے۔

اس تفصیل کے بعد اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی کہ کوئی یہ کہہ سکے کہ یہ الیکٹرک بلب کا فوٹو نہیں ہے۔البتہ متکلمین کہیں گے یہ کسی روایت میں نہیں آیا۔تو یہ

بات تو ہر شخص جو ذرا سی بھی عقل رکھتا ہے سمجھ سکے گا کہ جب تک برقی لیمپ ایجاد نہیں ہو گیا اور اس کو لوگوں نے دیکھ نہیں لیا اس وقت تک کسی شخص کے لئے یہ ممکن ہی نہ تھا کہ اس کو سمجھ سکے گا لہٰذا آئمہ معصومین علیہم السلام کسی شخص کو اس کی حقیقت کیسے بتا سکتے تھے اس لئے ہر سائل کو اس کی عقل وفہم کے مطابق جواب دے دیتے تھے۔ پس احادیث میں تو یہ مل ہی نہیں سکتا۔ کلام اللہ کی عبارت کو دیکھ لو اور اس سے برقی لیمپ کو ملا لو۔

اب شجرہ مبارکہ کی طرف توجہ کریں ''وہ چراغ روشن ہوتا ہے شجرہ مبارکہ زیتونیہ سے جو نہ شرقی ہے نہ غربی'' اس شجرہ مبارکہ کے متعلق علم طبیعات میں نظریہ نور آنے سے قبل تو کچھ سمجھنا ممکن ہی نہ تھا۔ اب تو ماڈرن فزکس میں یہ راز مشاہدہ میں آ گیا کہ تمام یونیورس میں غیر مرئی نوری شعاعیں ہر جگہ موجود ہیں جب ایک شعاع سے فروعی شعاعیں پیدا ہوتی ہیں تو درخت کی شکل بنتی ہے اور شعاعیں مثبت ومنفی برق میں تقسیم ہو جاتی ہیں۔ پھر ان سے مادہ کا ایٹم بنتا ہے۔ ناظرین غور کریں کہ ان معلومات سے قبل کیا ممکن تھا کہ شجرہ مبارکہ کے متعلق کوئی شخص کچھ سمجھ سکتا۔ اب تو وہ شجرہ ظاہر ہو گیا جو نہ شرقی ہے نہ غربی یعنی مکانیت میں محدود نہیں ہے اور یہ بات بھی منظر عام پر آ گئی کہ اس نور کی شعاعیں ہی برق کی مورث اور علت ہیں۔ گویا کہ خالق برق ہیں۔ اس تفصیل کے بعد وہ چراغ جس کی تصویر اس آیت میں کھینچی گئی ہے برقی لیمپ ہی معلوم ہوتا ہے تاہم اس حقیقی مفاہیم سے بلند تر اور بھی ہو سکتے ہیں نُورٌ عَلٰی نُور۔ نور اور اس کی شعاعیں نور بالائے نور ہیں۔ برق بھی نور ہے اس لئے کہ وہ علت ضو یعنی روشنی کی علت ہے لہٰذا یہ نور برق سے اعلیٰ نور بالائے نور ہے

اور نور برق کا مورث اور اس کی علت ہے۔

یَھدِیُ اللّٰہُ لِنُورِہِ مَن یَشَاءُ ۔(اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے نور سے واصل کر دیتا ہے)ہدایت کے معنی ہیں''اراءۃ الطریق ''راستہ دکھلانا اور''ایصال الی المطلوب ''مطلوب سے ملا دینا، مطلوب تک پہنچا دینا۔کلام اللہ میں کتنی جگہ ہے ویھدالیہ من اناب و یھدی الیہ ینیب ۔(اور اللہ ہدایت کرتا ہے اپنی طرف اس کو جو رغبت کرے اور اللہ ہدایت کرتا ہے اپنی طرف اس کو جو رغبت کرتا ہے) اور ادیہ ماثورہ میں خاص کر جوشن کبیر میں کئی فصلیں طلب پر ہیں۔یا راھم من استرحمہ (اے رحم کرنے والے اس پر جو اس سے رحمت طلب کرے)یا غافر من استغفرہ ۔(اے بخشنے والے اس کے جو اس سے بخشش چاہے)یا شافی من استشفا ۔(اے شفا دینے والے اس کے جو اس سے شفا طلب کرے)یا کافی من استکفاہ (اے کفایت کرنے والے اس کے جو اس سے کفایت طلب کرے) اسی طرح کی اس دعائے جوشن کبیر میں کئی فصلیں موجود ہیں۔

یہ تو واضح ہو چکا ہے کہ اس نور کی شعاعوں کا حلقہ ہر شخص کے قلب کو گھیرے ہوئے ہے مگر غفلت و لاشعوری کے کثیف حجاب حائل ہونے کے سبب قلب پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔پس جس کو طلب ہوگی اور صدق دل سے مالک سے اس کی محبت کے نور کا طالب ہوگا، اللہ تعالٰی اپنی رحمت وفضل وکرم سے اس کو اپنے نور تک پہنچا دے گا اور اس بندے کو نور کا ادراک ہو جائے گا۔اگر کسی طالب کو اس زندگی میں ادراک نہ ہوسکا تو عالم برزخ میں قبل قیامت اس نعمت سے ضرور سرفراز ہو جائے اور عذاب سے محفوظ رہے گا اس لئے کہ حدیث میں ہے قیامت میں جس میں نور نہیں اس کی

WWW.KHROOJ.COM

نجات نہیں۔

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ وسوسہ پیدا ہو کہ اس نور کی مثال برق سے کیوں دی گئی ،حالانکہ وہ مورث وعلت برق ہے۔پس اگر برق سے متعلق قوانین فطرت کا مطالعہ کریں تو واضح ہو جائے گا اس نور کو برق سے کتنی مماثلت ہے۔دنیا میں کوئی مادی شے ایسی نہیں جس میں سے برق گزر نہ سکے۔بعض میں بہ آسانی بہت زیادہ مقدار اور بعض میں بہ دقت بہت خفیف مقدار۔

برق کے پریشر یا دباؤ کو جتنی طاقت سے وہ حرکت کرے ''وولٹ'' کہتے ہیں اور ہر وہ شے جس میں سے برق گزرتی ہے رکاوٹ پیدا کرتی ہے،رکاوٹ یا ریزسٹنس (Resistance) کی اکائی (Unit)اوہم(Ohm)ہے پس اگر برقی روسو 100وولٹ کی ہو اور رکاوٹ دو 200اوہم ہو تو 100/200 =1/2 ایمپئیر کی (Empere)برقی روگزر سکے گی ،اور اگر رکاوٹ پچاس اوہم تو100/50 دو ایمپئیر کی برقی روگزرے گی۔جن اشیاء میں رکاوٹ کم ہوتی ہے مثلاً لوہا، تانبا وغیرہ اور تمام دھاتیں ان کو موصل برق یا(Conductor) کہتے ہیں اور جن میں رکاوٹ بہت زیادہ ہوتی ہے ان کو غیر موصل نان کنڈکٹر ،(Non conductor)یا انسولیٹر (Insulater) کہتے ہیں۔مثلاً ربر، ریشم ،خشک لکڑی، کپڑا، ابرک ،چینی وغیرہ۔مگر کوئی غیر موصل یا انسولیٹر ایسا نہیں جس میں سے کچھ نہ کچھ مقدار برق نہ گزر جائے مگر وہ انسان کو محسوس نہیں ہوتی۔اب واضح ہو جائے گا کہ اس نور کو برق سے کتنی مماثلت ہے۔

(ا) برق ہر مادی شے میں موجود ہے۔ ہر ایٹم میں موجود ہے اور برق کی علت اس

نور کی فروعی شعاعیں بھی ہر ذرے میں موجود اور اس کی بقا کا باعث ہیں

(۲) غیر موصل اشیاء برق کو گزرنے سے روکتی ہے مگر نا قابل احساس مقدار پھر بھی گزر جاتی ہے اس نور کی فروعی شعاعوں کو غفلت و لاشعوری کے حجاب اثر اندازی سے روکتے ہیں جن کی وجہ سے حلقہ نوری کا قلب کو ادراک نہیں ہوتا مگر اتنا خفیف اثر ہوتا ہے کہ نفس کی حیات باقی رہے۔

(۳) برق جب لیمپ سے گزرتی ہے تو روشنی پھیلا دیتی ہے اس نور کی شعاعوں کا قلب سے اگر اتصال ہو جائے تو آفتاب کی روشنی سے بھی زیادہ روشنی سینہ میں محسوس ہوگی جیسا کہ احادیث میں وارد ہے ''نور امام مومن کے سینے میں آفتاب سے زیادہ روشن ہے''۔

اب جناب رب العزت ظاہر فرماتا ہے کہ اس نور کائنات علتِ برق باعث خلقت و بقائے اشیائے کائنات کا مرکز کہاں ہے تو اب دوسری آیت دیکھیں۔

فِیْ بُیُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ......النور ۳۶

(ترجمہ) ان گھروں میں ہے جن کے لئے خدا نے حکم دیا ہے کہ ان کی بڑی تعظیم کی جائے اور ان میں اس کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے اور تسبیح کرتے ہیں وہ اس کی صبح شام۔ (ہر دم اس کی پاکیزگی ظاہر کرتے ہیں)۔

اس آیت سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ نور علت وجود کائنات کہاں ہے۔ وہ ان گھروں میں ہے جن کے اوصاف اس آیت میں بیان ہوئے ہیں اس سے ہر شخص کا خیال مکانات مسکونہ یا مساجد کی طرف جائے گا۔ اب اس کو بھی قرآن نے واضح کر دیا

کہ وہ گھر کون سے ہیں اور ان بیوت سے کیا مراد ہے۔
رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاء الزَّكَاةِ......النور ۳۷
(ترجمہ) (وہ) مرد ہیں کہ نہیں غافل کرتی ان کو تجارت یا خرید وفروخت اللہ کی یاد سے۔ یا نماز قائم کرنے اور زکواۃ دینے سے۔
اس آیت سے واضح ہوگیا کہ اس نور کے گھر عمارتی نہیں ہیں بلکہ وہ مرد ہیں جو اس نور کے حامل ہیں جن کے سینوں میں وہ چمک رہا ہے جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی ایک حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نے قتادہ بصری سے فرمایا ''جانتے ہو کہاں بیٹھے ہو۔ اس آباد گھر کے سامنے بیٹھے ہو جس کے متعلق خدا فرماتا ہے أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ......النور ۳۶۔ ''اور ہم وہ گھر ہیں جس کا اللہ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے''۔ (ضیاء النفوس صفحہ ۱۹۸ سطر ۲۲) اور اسی صفحہ پر امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی حدیث (سطر ۹۔۱۰) پر ہے، حضرت نے فرمایا ''رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله۔ یعنی آل محمدؐ وہ رجال ہیں جن کے ساتھ دوسروں کو نہ ملانا چاہیے''۔
اب تو واضح ہوگیا کہ اس نور کے گھر یا بیت محمدؐ وآل محمدؐ ہیں۔ جن کے قلب سے حلقہ نور اتصال کامل ہو جائے اور اس کا بار اٹھا لینے والے ہوں اور اس نور کا گھر بننے کے اہل ہوں وہی تو اہل البیتؑ ہیں۔ اگر اس کے علاوہ اہل البیتؑ کے کوئی اور معنی لئے جائیں تو حدیث السلمان منا اهل البيتؑ۔ (سلمان فارسی ہم اہل بیتؑ میں سے ہیں) کے کچھ معنی نہیں ہوتے۔ اور اگر اہل البیتؑ کے یہ معنی مراد نہ ہوں تو اس

آیت میں اہل البیتؑ سے کیا مراد ہوسکتی ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کے پاس فرشتے آئے اور انہوں نے حضرت سارہ کو فرزند کی بشارت دی جس پر انہوں نے تعجب سے کہا ''کیا میں اب بچہ جنوں گی جبکہ بڑھیا ہوگئی ہوں اور میرا شوہر بھی بوڑھا ہوگیا ہے تو فرشتوں نے حضرت سارہ سے کہا۔

قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ......ہود ۷۳

(ترجمہ) کہو کیا تم خدا کے امر سے تعجب کرتی ہو اے اہل بیتؑ تم پر خدا کی رحمت اور برکات ہوں۔ بے شک وہ لائق حمد اور بزرگ ہے۔

بہرحال یہاں اہل البیتؑ سے حامل نور صاحب معرفت کامل ہی مراد ہوسکتی ہے اس کے علاوہ کوئی معنی صحیح نہیں ہوتے۔

پس جس کے باطن میں کسی قسم کی نجاست نہ ہو جس کے قلب اور نور حقیقت کے درمیان حجاب حائل نہ ہوں اور مرکز نور سے اتصال کامل حاصل ہو وہی تو مخلوق کی طہارت اور تزکیہ کا ذریعہ اور واسطہ ہوسکتا ہے۔ خدائے قدوس نے اپنے پاک و پاکیزہ محبوب کو اسی لئے بھیجا کہ بندوں کے نفوس کا تزکیہ کرے۔ رسولؐ کا کام ذرائع تزکیہ کی تبلیغ تھی۔ جیسا کہ ارشاد ہے وَمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا اِلَّا الْبَلٰغ ۔ (ہمارے رسول پر سوائے پہنچا دینے کے کچھ نہیں) دوسری جگہ سورہ شوریٰ میں ارشاد ہے اِنَّ عَلَيْكَ الْبَلَاغ (اے رسولؐ نہیں ہے تم پر کچھ سوائے احکام پہنچا دینے کے) پس رسولؐ نے تو تزکیہ نفس کے احکام پہنچا دیئے اور ذرائع تزکیہ کی طرف ہدایت کردی۔ اب اس کی تکمیل اہل البیتؑ کے ذمہ تھی۔ لوگوں کے نفوس کے تزکیہ کا عملی

ذریعہ اہل البیتؑ ہی ہیں۔انہوں نے قربانیاں دے کر محبان رسولؐ کے قلوب کو تڑپا کر غفلت و لاشعوری کی نجاست سے پاک کیا۔اس طرح ان کے نفوس کی طہارت و تزکیہ کا باعث ہوگئے ۔اہل البیتؑ ہی نے خلق اللہ کا تزکیہ کیا اس کی خبر چند آیات میں موجود ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہے۔

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ یونس۸۲

(ترجمہ) اور اللہ احقاقِ حق کرے گا اپنے کلمات کے ذریعے چاہے مجرم کراہت کریں۔

وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ ......شوریٰ۲۴

(ترجمہ)اور مٹا دے گا اللہ باطل کو اور احقاقِ حق کرے گا اپنے کلمات کے ذریعے سے۔

بہ کثرت احادیث میں وارد ہے کہ حضرات معصومین علیہم السلام نے فرمایا ہے نحن کلمات اللّٰہ (ہم ہی تو اللہ کے کلمات ہیں) یہی ہدایت خلق اور طہارت نفوس خلقت کا ذریعہ ہیں مگر مشکل یہ تھی کہ اس کو واضح طور پر بیان نہیں کیا جا سکتا تھا۔اس لئے کہ عوام اس کا بار نہیں اٹھا سکتے تھے۔لہٰذا اس کے متعلق تقیہ ہی میں کہا گیا جو کچھ کہا گیا۔قرآن نے بھی حجاب ہی میں بیان کیا ہے۔ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً الاحزاب۳۳

عربی کا قاعدہ ہے کہ بعض اوقات ''ب'' حرف جر حذف کر دیا جاتا ہے پس یہاں بھی با اہل البیت مقصود ہے ''ب'' اس لئے حذف کی گئی کہ حقیقت پر حجاب ہو جائے

www.khrooj.com

۔اصل مقصد تو یہ ہے کہ ''اللہ تو بس یہی ارادہ کرتا ہے کہ تم سے (مخلوق سے) رجس ونجاست باطن اور غفلت ولاشعوری کے حجاب ہائے کثیف کو اہل بیتؑ کے ذریعے سے دور کرے اور پاک کرے تم کو جو حق ہے پاکیزگی کا'' دراصل یہ خطاب مخلوق کی طرف ہے مگر چونکہ عوام الناس اس کا بار نہیں اٹھا سکتے تھے لہٰذا اس پر حجاب ڈالنا ضروری تھا اور اسی ظاہری مفہوم کو تقیۃً احادیث میں بھی ظاہر کیا گیا ہے ۔جب احادیث اور آیات قرآنی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ احقاقِ حق اور تزکیہ وطہارت مخلوق کا ذریعہ اور واسطہ اہل البیتؑ ہی ہیں تو پھر اس میں کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ آیت کا اصل مفہوم یہی ہے کہ اہل بیتؑ کے ذریعے سے پاک کرے،اور اس کا عمل ثبوت بھی دنیا پر روشن ہے کہ نجاسات ہویٰ وہوس ، بندگی نفس اور معبودان باطل جذبات و ہویٰ سے نجات دلانے کا ذریعہ اور ''لا اللہ'' عملی طور سے کہلوانے کا ذریعہ اہل البیتؑ ہی ہیں ۔حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمت اللہ علیہ نے اپنی رباعی میں ظاہر فرما دیا ہے۔حقا کہ بنا لا الہ است حسینؑ اور حضرت علامہ اقبال مرحوم اعلیٰ اللہ مراتبہ فرما گئے ہیں۔

بہر حق در خاک وخوں غلطیدہ است

پس بنائے لا الہٰ گردیدہ است

اللّٰھم صَلّی عَلیٰ حَبیُبك اشرف الانبیاء والمرسلین محمدً المُصطفیٰ وَآلہِ الطیبین المطھرین المعصومین من یومنا ھذا الیٰ یوم الدین ۔

اہل البیتؑ کا اعلیٰ وارفع مفہوم

اس حصہ میں اہل البیتؑ کا مفہوم جو ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مقدس ہستیاں جو بیت نور ہونے کی اہل ہیں۔ حاملان نور یعنی صاحبان معرفت کامل ہیں وہ اہل البیتؑ میں شامل ہیں رسولؐ و آلؑ رسولؐ جن کو اہل سمجھیں ان کو اہل البیتؑ میں شامل کر سکتے ہیں جیسے کہ حضور سرور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اعلان فرما دیا۔ ممکن ہے کچھ اور بھی مقدس ہستیاں ایسی ہوں جن کے متعلق اعلان نہیں کیا گیا۔

اس کے ماسوا اہل البیتؑ کا ایک اعلیٰ وارفع مفہوم ایسا ہے جس میں سوائے معصومین کے اور کوئی شامل نہیں ہوسکتا۔ اس کے سمجھنے کے لئے پہلے سورہ بقر رکوع پندرہ کی مندرجہ ذیل آیات میں دیکھیں کہ البیت سے کیا مراد لی گئی ہے۔

(۱) وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْناً ۔ (اور جب قرار دیا ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے ثواب اور امن کا گھر)

(۲) وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ۔ (اور جب اٹھاتے تھے ابراہیم اور اسمٰعیل دیواریں خانہ کعبہ کی) ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں البیت سے خانہ کعبہ مراد ہے

اب سورہ مزمل کی یہ آیت بھی دیکھیں

(۳) إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولاً شَاهِداً عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ

رَسُــولاً (المزمل ۱۵)۔(ہم نے تمہاری طرف رسول بھیجا جو تم پر شاہد ہے جیسا کہ فرعون کی طرف رسولؐ بھیجا تھا) اور سورہ انشقاق کی آیت ۱۹۔لَتَـرۡكَبُنَّ طَبَقاً عَن طَبَــقٍ ۔اوراس کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امت بنی اسرائیل سے ایسی مشابہ ہوگی جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے سے یعنی جو واقعات موسیٰؑ کی امت میں واقع ہوئے وہی اس امت میں ہونے ضروری ہیں ۔حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کوحکم دیا گیا کہ اپنے گھروں کوقبلہ بناؤ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

وَأَوۡحَيۡـنَـا إِلَـى مُـوسَـى وَأَخِيۡـهِ أَن تَبَوَّءَا لِقَوۡمِكُمَا بِمِصۡرَ بُيُوتاً وَاجۡعَلُواۡ بُيُـوتَكُمۡ قِبۡلَةً ......(اورہم نے موسیٰ اوراس کے بھائی پر وحی کی کہ اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر بناؤ اوراپنے گھروں کوقبلہ قراردو) پس جب موسیٰؑ کا گھرامت کے لئے قبلہ قرار دیا گیا تو ضروری ہے کہ امت مسلمہ کے لئے بھی اس امت کے موسیٰؑ و ہارونؑ یعنی سرکار رسالتؐ وامیرالمومنینؑ کے گھر کوقبلہ قرار دیا جائے اوراس امر کا ثبوت کہ خانہ کعبہ کا گھر ہے۔قدرت نے دیوارکو در بنا کر فاطمہؑ بنت اسد کو اندر بلا کرخانہ کعبہ کوامیرالمومنینؑ کا زچہ خانہ بنا کر دنیا کے سامنے واضح کر دیا پس جن پاک و پاکیزہ ہستیوں کو بیت اللہ کو بطوراپنے گھر کے استعمال کرنے کا حق حاصل ہے وہ ہی اہل البیتؑ ہیں ۔لہٰذا سوائے معصومینؑ کے اورکوئی اہل البیتؑ میں شامل نہیں ہوسکتا۔

اس کے علاوہ البیت کے اوربھی کئی مفہوم ہیں مثلاً بیتِ مشرف ، بیتِ نبوت ، بیتِ ولایت ۔مگران کا بیان یہاں ضروری نہیں ہے

اب ناظرین کی خدمت میں عرض ہے کہ آسمان پر ظاہری و مادی بروج بارہ سماء

www.khrooj.com

ہدایت میں نوری بروج بارہ۔شجر طوبیٰ کی شاخیں بارہ، جنت الخلد کے دروازے بارہ،شہرعلم کے ابواب بارہ، دین کے ستون بارہ۔لہٰذا بارہ مضامین کی آیات پر اس حصے کو ختم کرتا ہوں خدا کرے یہ ناظرین کی تنویر قلوب کا باعث ہو اور رحمت باری تک پہنچانے کا وسیلہ ہو جائے۔میری خواہش ہے کہ اہل البیتؑ حصہ چہارم میں معرفتِ ولایت پر کچھ تحریر کروں گا مگر بندہ کا چاہا تو کچھ ہوتا نہیں۔مالک چاہے گا تو لکھا جائے گا۔

"السَّلَام عَلٰی من اتبع الھُدیٰ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّد"

خادم خدام اہل البیتؑ

ادیؔم نقوی

۱۰ جولائی ۱۹۶۸ء

www.khrooj.com

ایک توضیح

مصنف نے اس عجائب روزگار تصنیف میں راز ہائے سربستہ سے پردہ اٹھا کر صدیوں بعد دین اہل البیتؑ کی تصویر حقیقت کو مثال آئینہ ہمارے سامنے رکھ دیا ہے۔ اسی حقیقت کے بہت سے اہم ترین پہلوؤں میں سے ایک رخ متشابہات مبنی برتقیہ اور مبنی برحقیقت احادیث کا بھی ہے جسے باتفصیل بیان کیا گیا ہے۔ چند طالبین کی درخواست پر اس ہی تفصیل سے کچھ اقتباسات حقائق ومحکم اقوال معصومین علیہم السلام کو بقدر ضرورت ذیل میں دہرایا جارہا ہے تاکہ صاحبان ضمیر و اہل نظر اس کتاب کو بغور مطالعہ کے بعد حقیقت سے دوچار ہوتے ہی اپنے ایمان قلبی کو استقرار کا موقع فراہم کرسکیں۔ آمین

(ا) صفحہ ۱۶۶ سطر ۷ ''حضور سرور کائنات نے تو آگاہ فرمایا......(ترجمہ۔ہم گروہ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے ان کے اندازہ عقل کے مطابق کلام کریں) پس حضور نے اور حضور کے خلفاء باطنی نے جو باتیں نادان، جاہلوں، بچوں اور احمقوں کے انذار کے لئے ان کی ہدایت کے لئے، ان کے اندازہ عقل کے مطابق تمثیلات میں بیان فرمائی ہیں تو وہ صاحبان شعور کے لئے تو نہیں ہیں، وہ تو تمام متشابہ اور مبنی برتقیہ ہیں جبکہ ان حضرات اولیاء اللہ نے حقائق بھی بیان فرمادیئے ہیں جو لوگ سمجھنے والا دل اور دیکھنے والی آنکھیں رکھتے ہوں گے وہ تو دیکھ لیں گے اور سمجھ لیں گے کہ یہ احادیث متشابہ مبنی برتقیہ ہیں اور یہ محکم اور مبنی برحقیقت ہیں مگر نفس

کی فطرت ہے کہ وہ اپنے ہم جنس کے ساتھ ہی رہنا پسند کرتا ہے جیسا کہ ضرب المثل ہے کند ہم جنس با ہم جنس پرواز۔ایک سفیہ نادان تو ان ہی باتوں کو حقیقت سمجھے گا جو اسی کی کیفیت نفس رکھنے والے گروہ سے کہی گئی ہوں گی مگر علماء کے لئے تو غور وفکر لازم ہے۔ان کی توجہ تو احادیث محکم مبنی بر حقیقت کی طرف ہی بنی ہونی چاہیے اگر چہ وہ تعداد میں کم ہوں لیکن چونکہ احادیث متشابہ مبنی بر تقیہ کثرت سے داخل کتب ہیں وہ ان کی کثرت سے مرعوب ہوکر انہیں اپنا لیتے ہیں اور احادیث محکم مبنی بر حقیقت کی تاویل کر دیتے ہیں اور اپنے عقائد کی بنیادیں متشابہ احادیث پر قائم کرتے ہیں۔امیر المومنینؑ نے تو بتلا دیا ہے کہ نفس انسان ہی تو خدا کی بولتی ہوئی کتاب ہے۔اس پر عوام یا علماء نہ سمجھیں کہ نفس انسان ہی خدا کی کتاب ہے تو آئمہؑ کا کیا قصور ہے؟ جناب رب العزت ان کو اور ہم سب کو عقل سے کام لے کر سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

(۲) **صفحہ ۲۶۳ سطر ا**۔ناواقف عوام، کم فہم احمق افراد اور منافقوں پر اتمام حجت یا ان کی ہدایت کے لئے ایسا ہی ظاہر کرنا لازمی تھا۔اگر ایسا عمل نہ کرتے اور ایسی باتیں نہ کہتے تو باب ہدایت مسدود ہو جاتا ہے مگر آئمہ علیہم السلام کے زمانہ شہود کے بعد یعنی غیبت کبریٰ کے بعد تو مشابہات اور احادیث مبنی بر تقیہ پر عقائد کی بنیاد قائم رکھنا ضروری نہ تھا۔اور اب اس علم و دانش کے زمانے میں تو ضرورت زمانہ مجبور کر رہی ہے کہ نوجوانوں کو لامذہبیت اور دہریت سے بچانے کے لئے احادیث محکم مبنی بر حقیقت کی طرف متوجہ کرائیں ان کے سوائے متشابہ اور مبنی بر تقیہ احادیث و روایات کو ترک کر دیں۔

(۳) **صفحہ ۱۶۹ سطر ۱۲**۔ ''افسوس تو یہ ہے کہ علماء آئمہ طاہرین علیہم السلام کی احادیث محکم نہ صرف کتب میں پڑھتے ہیں بلکہ اپنے قلم سے نقل بھی کرتے ہیں اس کے باوجود ان کا اپنے ذہن پر اثر نہیں لیتے اور متشابہ احادیث مبنی بر تقیہ کے ظاہری معنوں پر اپنا مدار قائم رکھتے ہیں''۔

(۴) **صفحہ ۲۲۲ سطر ۸**۔ ''یہ درست ہے کہ حضرات آئمہ معصومین علیہ السلام نے اکثر مواقع پر تقیۃً مجبوری لاچاری اور خوف کا اظہار فرمایا ہے مگر اس کا مقصد اپنے نادان متوسلین کے قلوب کو درد دے کر ان کے نفوس کی اصلاح کرنا تھا تاکہ وہ راہ شعور پر گامزن ہوں پس لاشعور حضرات ان روایات کو مبنی بر حقیقت سمجھ لیں گے اور ان کو احادیث مبنی بر حقیقت نظر نہ آئیں گی جن میں قدرت واختیار کا اظہار فرمایا ہے۔ مثلاً یہی حدیث دیکھ لیں ''جو کچھ خدا کر سکتا ہے وہ باذن اللہ ہم کر سکتے ہیں''۔

(۵) **صفحہ ۲۴۶ سطر ۶**۔ ''آلِ رسولؐ نے تو ہدایت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی وہ تو اشاروں کنایوں میں سب کچھ بتا گئے ہیں۔ ملاحظہ ہو ضیا النفوس ترجمہ حیات القلوب جلد ۳ صفحہ ۲۷۔

''حمیری نے بہ سند صحیح امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہ رہے اور رحمت خدا کو بے حجاب دیکھے اور خدا بھی اس کی طرف بہ نظر رحمت دیکھے پس اس کو چاہیے کہ آل محمدؐ کو دوست رکھے اور دشمنان آلؑ محمدؐ سے دشمنی اختیار کرے اور ان اماموں میں سے اپنے زمانے کے امام کی پیروی کرے''۔

(۶) **صفحہ ۵۸ سطر ۹**۔ ''......فرمایا ہمارے شیعوں کے لئے دنیا اور آخرت دونوں

میں حصہ ہوگا اور خدا ان کو داخل جنت کرے گا ۔اور ہمارے دشمنوں کو جہنم میں (الشافی جلد نمبر ا صفحہ ۴۴۶)......''

نـوٹ ......مندرجہ بالا تین احادیث نمبر ۴، ۵ اور ۶ ایسے ہی موضوع پر بہت سی محکم مبنی بر حقیقت احادیث میں سے صرف چند ہیں جن کو ہم اپنے بزرگوں سے ، اپنی محفلوں ، مجلسوں میں برابر سنتے چلے آئے ہیں حتیٰ کہ مذہب شیعہ کی بنیاد جن دو ستونوں یعنی ''اصول'' اور ''فروع'' پر وضع کی گئی ہے۔اس کے فروعِ دین کے دس درجوں میں آخری دو مدارج میں بھی غیر مشروط طریقہ پر دعویدار محبان اہل بیتؑ کے لئے یہ ہی حکم عمل ہے جو اوپر درج کی ہوئی حدیث نمبر (۵) میں محکم انداز میں واضح کر دیا گیا ہے۔ دوستی اور دشمنی کے دونوں پلڑے برابر نظر آتے ہیں۔اب اگر آلؑ محمدؐ کی معرفت لازم اور واجب ہے تو ان کے دشمنوں کی پہچان فریضہ محبت و دوستی ہی نہیں بلکہ تقاضہ بشری و فطری کا ردعمل ہے جیسا کہ ہم خود ہی اپنی روزمرہ کی زندگی میں پاتے ہیں۔اگر ایسا نہ ہوتو خیر و شر، حق و باطل ،عدل و ظلم ،نور و ظلمت اور ایمان و کفر میں کوئی امتیاز ہی نہ ہوسکے۔اسی کے لئے انسان کو حواس خمسہ اور عقل سلیم عطا فرمائی تاکہ وہ نیک و بد کو پہچان کر وہ راہ مستقیم تلاش کرے جو اسے اس ہی زندگی میں سکونِ قلبی اور حیاتِ ابدی بخشتی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے جیسا کہ حدیث محکم نمبر (۲) میں ہے ''ہمارے دشمنوں کو جہنم میں'' (داخل کیا جائے گا) تو یہ اہل جہنم ہیں؟ جس طرح سے ہم نے ہر زمانہ میں پتہ لگالیا ہے کہ یہ اہل بیتؑ کون ہیں۔تو کیا واقعی آج تک ہم کو یہ خبر تک نہیں کہ یہ اہل جہنم دشمنان اہل بیتؑ ہیں کون؟؟ ہم کو ہر زمانے کے امام کا اتہ پتہ اور زندگی

کے حالات کے بارے میں کافی کچھ بتلایا گیا ہے اور اپنے زمانہ کا ہر امام بہ بانگِ دُہل یہ ہی آواز لگاتا ہوا سنائی دیتا ہے کہ ہمارے دشمنوں سے بچو، ہمارے دشمن جہنم کے لئے خلق کیئے گئے ہیں ان کی پہچان کرو اور ان سے عملاً بیزاری اختیار کرو وغیرہ وغیرہ تاکہ تم فلاح پاؤ۔ دنیا میں برائیوں کے بدترین نمونے اپنے اپنے وقت میں گنتی کے چند ہی ہوتے ہیں لیکن ان سے اثر انداز ہونے والے لوگ جب ان کرداروں کو خواہشات نفسانی کے غلبہ کی بنا پر اپنا لیتے ہیں تو بے شمار ہو جاتے ہیں اور اس طرح یہ نسناس یہ بولتے ہوئے بت، یہ فراعنہ وقت اس زمین پر انسانیت کے لئے طاعون ثابت ہوتے ہیں اور اپنے پیروکاروں کو وہاں پہنچا کر چھوڑتے ہیں جہاں ہم جنس کا گروہ اپنے ہی امام (سرداران جہنم میں سے) کے پیچھے کھڑا ہوگا اور ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہوں گے مگر اس دن بجز ندامت و آتش حسرت، بے کسی و بے بسی کے دونوں کو کچھ نہ مل سکے گا۔ ہم کو اپنے نفس پر بھی ہر دم نظر رکھنی ہے کہ کہیں یہ ہمیں بھی ان اولیاء ہم الطاغوت کے حزب الشیطٰن میں داخل نہ کردے اور اس طرح ہم خود دشمنان اہل البیتؑ کے ضمرہ میں نہ آجائیں۔ واضح رہے کہ یہ اہل جہنم و دشمنان اہل البیتؑ دراصل دشمنان خدا اور رسولؐ ہی ہیں اور ہر دور ہر زمانہ میں وجودِ ظاہری میں رہے ہیں۔ ہر زمانہ کی تاریخ، آسمانی کتابیں مع قرآن، احادیث انبیاء و اولیاء ان کی نشاندہی کرتے چلے آئے ہیں ورنہ دین کے معاملہ میں مخلوق خدا پر حجت تمام نہ ہوسکتی اور جزا و سزا کا کوئی جواز نہ قائم ہوسکتا۔ زمانہ ازل سے لے کر آج تک خدا کے دین میں اس منتخب کردہ ہادیان دین نے کبھی نہ خود کوئی Compromise (سیاسی، معاشرتی، اقتصادی و سماجی وغیرہ) کیا اور نہ ہی اس کا

حکم دیا اور نہ قیامت تک ایسا ہوگا۔

بندگان حق ، انبیاء واوصیاء اولیاء۔دشمنان دین فطرت کے خلاف ہمیشہ برسر پیکار اور مصروف جہاد رہے ہیں اور انہوں نے زیب و زینت دنیا کو کافروں ہی کے لئے چھوڑ کر (جیسا کہ قرآن میں ہے کہ ہم نے زینت دی دنیا کو کافروں کے لئے) ہر صورت سے قربانی دی ہے مگر باطل کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا۔ ہمارے رسولؐ کے زمانے میں ان طاغوتی طاقتوں سے خواہ وہ کفر و شرک یا نفاق کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہوں ۔کھلم کھلا جہاد کا حکم دے دیا گیا۔زبان سے ،قلم سے، ہاتھ سے ،مال سے ،اولاد سے ،اور اپنے نفسوں سے۔ یہ بہت ہی نازک اور مشکل تر دور تھا۔خاندان کفر و اسلام میں بٹے ہوئے تھے مگر جو خدا اور رسولؐ پر بغیر کسی شک وشبہ کے ایمان قلبی رکھتے تھے انہوں نے ان احکامات الٰہی پر عمل کیا۔قتل بھی ہوئے قتال بھی کیا۔اگر ایسا نہ ہوتا تو کلمہ حق کبھی بلند نہ ہوتا اور ذبح عظیم پیش کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی اور آج ہماری زبان پر بھی اللہ و رسولؐ کا نام تک نہ ہوتا۔جناب امیر علیہ السلام نے خلافت کو قبول کرتے ہی مصلحت زمانہ پر مشوروں کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا اور ایک لحظہ بھی زندگی میں عدل کے خلاف کوئی عمل گوارا نہیں کیا خواہ اس کا نتیجہ شہادت ہی سہی اور یہی مقصد مقصود دین ہے۔دشمنی سے دشمنی اختیار کرنے کی ابتدا خود خدا نے ہمیں سکھلائی۔دشمن خدا، جو پہلے مقرب بارگاہ تھا،عزازیل کو کون نہیں جانتا؟؟ خیال رہے کہ اہل البیتؑ کی کشتی نجات حضرت نوحؑ کی وہ کشتی نہیں ہے جس میں ہر قسم کے جانوروں ،سوروں ، بندروں وغیرہ کو بقائے نسل اور زینت زمین کے لئے نجات مل گئی تھی۔ یہاں یہ صورت حال نہیں ہے۔ایسا ہرگز نہیں ہے کہ ایک لڑکھڑاتا

ہوا قدم کشتی مودّۃِ اہل البیتؑ میں جگہ پا سکے اور دوسرا ان کے دشمن اہل جہنم کے غرق کر دینے والے بیڑے میں بھی ہو۔

''ہم خدا خواہی وہم دُنیائے دُوں
ایں خیال است ومحال است و جنوں!''

دونوں پائے ثبات تو اسی وقت حقیقی کشتی نجات میں داخل ہو سکتے ہیں جبکہ دین حقہ کی خاطر طالب کی پہلی قربانی اپنی ''میں'' کی ہو اور یہ بات نفس خبیث کو گوارا نہیں۔ اہل نظر جب تدبر سے کام لیتے ہیں تو انہیں کلام الٰہی ،قرآن شریف ، میں جہاں اہل البیتؑ کا ذکر ملتا ہے وہاں ساتھ ساتھ ان کے دشمنوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے حتیٰ کہ ہماری پنج وقتہ عبادات میں بھی یہ ہی صورت حال ہے۔کیا کوئی مسلمان،خواہ کسی فرقہ کا ہو،ارکان نماز کی تکمیل کے بعد اگر محمدؐ وآل محمدؐ پر درود بھیج کر ان سے اپنی دوستی ومحبت کا زبانی اظہار نہ کرے تو وہ سمجھتا ہے کہ اس کی نماز ہوگئی؟ بس یہی حال ان کے دشمنوں سے دشمنی کے وقت اور موقع پر اختیار کرنے کا بھی ہے تا وقتیکہ ان بتوں کی ،جن کے نفسوں نے اپنا ''اله'' بنایا ہوا ہے ''لا'' (نفی) نہ کی جائے گی ''اِلاّ اللّٰہ'' کہنا ہی شرک ہے، منافقت ہے۔فرائض حج کو بھی ذرا دیکھ لیجئے کہ ''رجم'' عظیم تر عبادت کا نہایت اہم جزو ہے اور ہر حاجی کی یہی خواہش وکوشش ہوتی ہے کہ خدا اور اس کے دین اور انبیاء کے دشمنوں (ان شیاطین) سے غائبانہ دشمنی کا عملاً اظہار کرتے میں وہ پورا پورا حق ادا کرے جیسا کہ کیا جاتا ہے۔

''اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ'' (اقبال)

WWW.KHROOJ.COM

۲۔مصنف ''اہل البیتؑ'' کی ایک خواہش یہ بھی تھی (جو ان کی حیات ظاہری ہی میں انہوں نے اپنی دوسری معرکتہ الآراء تصنیف ''خون ناحق'' کے آخری صفحات پر درج کی ہے) کہ احادیث محکم مبنی بر حقیقت کو جو تعداد میں زیادہ نہیں ہیں، علیحدہ جمع کر دیا جائے مگر افسوس کہ وہ ہمارے درمیان بہت تھوڑے عرصہ تک رہے اور انتقال کر کے اب امام بارگاہ بارہ امام شاہدرہ میں آرام فرما ہیں۔ اگر مولاؑ کو منظور ہوا تو کوئی نہ کوئی اس خواہش کی تکمیل ضرور کرے گا تاکہ دین اہل البیتؑ کے بارے میں کسی طالب کو حتی الامکان کوئی وساوس باقی نہ رہیں۔

(ادارۂ حزب الطالبین)

www.khrooj.com

یاهوالوهاب الخبیر العلیم

یا مولا کریم عجل الله فرجك و صلوات الله علیك

القائم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی مطبوعات

تالیفات وتصنیفات

السیّد مخدوم محمدؐ جعفرؑ الزمان نقوی البخاری

(1) انتصارِ مظلوم [اردو مسدس نظمیں]

(2) عرفانِ حجتؑ

شہنشاہ معظم کے اسم حجت عجل اللہ فرجہ الشریف کی شرح پر چودہ خطبات

(3) کنٹھا المعروف قلندر نامہ [فقر کے موضوع پہ سرائیکی مسدس]

(4) عصمت السیدات

سیدزادی کا کسی غیر سید سے عقد ہرگز جائز نہیں ہے،

اس کے متعلق ناقابل تردید دلائل، ثبوت اور حقائق

(5) گستاخیاں [سادات عظام کے موضوع پہ اصلاحی نظمیں]

(6) طریق المنتظرین

حقوق امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف اور فرائض مومنین پر ایک جامع کتاب

(7) دعائے تعجیل فرج

(8) امتیاز العالمین عن انواع العالمین

(9) معدن العصمت فی سیرت ام القائمؑ الحجہ صلواۃ اللہ علیہا

www.khrooj.com

(10) اسرارالعبدیات یعنی عملی روحانیات

(11) افکارالمنتظرین [غوامض اِلٰہیات پر خطبات]

(12) The Last Reformer of the World

دنیا کے تمام مذاہب میں آخری دور میں ایک آنے والی ذات کا تصور

(13) باادب بامراد

(14) عرفانیے [مدحیہ اردو نظموں قطعات ورباعیات کا مجموعہ]

(15) شرح دعائے عہد

(16) انتصارِ ولایت عصر

کربلا نے ہمیں انصار سازی کا کیا درس دیا ہے؟

(17) مجالس المنتظرین فی مقتل المظلومین پانچ جلدیں، اُردو، سرائیکی

محققانہ مجالس، ایک تاریخ، ایک جغرافیہ، ایک روضہ نگاری

جو ہزاروں کتابوں سے بے نیاز کردیں

(18) اسماء القائمؑ 4 جلدیں

امامؑ زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے اسماء مبارکہ پر خطبات

(19) دین نصرت

(20) مصباحِ شیعت [شیعیت کے اصول وفروع پر جامع کتاب]

(21) وحدانیت مطلقہ

[امام زمانہ عجل اللہ فرجہٗ الشریف کے بارے میں مولا امیرؑ المومنین کے چالیس فرامین]

(22) کرچیاں [اردو قطعات، رباعیات، سلام]

www.khrooj.com

(23) کشکول السید محمد باقرالزمان نقوی المعروف ببلہ سائیں کا سرائیکی مجموعہ کلام

(24) کاروانِ ادعیہ...... بارگاہِ امام عصرؑ میں استغاثے اور دعاؤں کا سرائیکی مجموعہ

(25) موعود الرسلؑ دنیا کے تمام مذاہب میں آخری دور میں ایک آنے والی ذات کا تصور

(26) محسنین اسلام عقد محسنہ اسلام صلوات اللہ علیہا کے موضوع پر جامع کتاب

(27) داغ ماتم فن نوحہ نگاری (4 جلدیں)

(28) عرفانِ امامت

(29) ہیلاں (سرائیکی مسدس)

(30) صحیفہ نصرت (اردو مسدس نظمیں)

(31) کنوزِ قصائد (قصائد پاک و عارفانہ کلام)

(32) لذتِ درد (سرائیکی دوہڑے بند)

(33) زر پارے (اقوال و آرٹیکلز)

(34) آہیں (غزلیات، کافیاں)

(35) دہکتے احساس (اردو نظمیں)

(36) گوہر روحانیات (روحانیت پہ مبنی خطابات)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجھُم بِقَائِمِھِمؑ عَجلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہٖ اَجمَعِین

www.khrooj.com

مصنف ادیبؔ نقوی

(37) محسن عالم

(38) اہل البیتؑ

(39) خونِ ناحق

(40) مشعلِ نور

(41) ہل من ناصرینصرنا

(42) جاہلیت کی موت

(43) مدح اولیاء

(44) راہِ ارم

(45) مجالس الصادقین

(46) الحسینؑ والبکاء

مصنف ابوالفارق واسطی

(47) تعلیم الاسلام

(48) جامع الانوار

(49) انوارالایقان

مصنف ابومنصور

(50) القرآن ....مترجم

www.khrooj.com

(51) تعلیم بذریعہ ادعیاء معصومینؑ

(52) عرفان

(53) حقائق واسرار

(54) دعائے ابوحمزہ ثمالی

(55) امت منقاد

(56) جادہ منزل

(57) نشانِ منزل

(58) ''سرِ خودی'' (علامہ اقبال کے اشعار کی تشریح)

مصنف شبیر بلگرامی

(59) سورۃ فجر اور کربلا

(60) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن حکیم کے متعلق غیر مسلم مشاہیر کی آراء

(61) غم حسینؑ اور تزکیہ نفس

(62) مکتوب غم

(63) Grief Purifies The Self

(64) Beacon Light

(ادیم نقوی کی الہامی نظم ''مشعل نور'' کا انگریزی ترجمہ)

(65) Glories of Belief

(ادیم نقوی کی معرکۃ الآراء کتاب ''انوار ایقان'' کا انگریزی ترجمہ)

www.khrooj.com

(66) The First Word of Islam

(ادیم نقوی کی کتاب ''اسلام کا پہلا کلمہ'')

مصنفہ عذرا مسعود

(67) رموز

مصنف حکیم سید محمود گیلانی

(68) ایلی علیہ السلام

مترجم لیفٹیننٹ کرنل (ر) مظفر علی ہمدانی

(69) پھر حضرت علیؑ آئے

یہ ترجمہ ہے ڈی۔ایف۔کراکا کی کتاب Then Came Hazrat Ali کے دو ابواب 19، 21 کا ہے اور اسی مصنف کے ایک مضمون کا بھی جو بمبئی کے انگریزی جریدے ''کرنٹ'' 23 ستمبر 1976ء کی اشاعت میں ''علیؑ عظیم کے روضہ نجف میں آج بھی معجزے ہوتے ہیں'' کی سرخی کے تحت شائع ہوا

......☆......

www.khrooj.com